

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_222722

UNIVERSAL
LIBRARY

222722

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۸۹۱۵۷۲۱۳۱-ع Accession No. ۱۵۲۵۶

Author علی بخت بہادر مرزا خطیب الدین

Title ترجمہ و اشعار انگریزی

This book should be returned on or before the date last marked below.

بِسْمِ اللّٰهِ

ترجمہ

۲۰۲

واقعاتِ اظفری

مصنفہ

میرزا علی بخت بہادر، محمد ظہیر الدین، اظفری

گورگانی مرحوم شاہزادہ دہلی

Checked 1975

مترجمہ

عبدالستار صاحب (منشی فاضل) ریسرچ اسٹوڈنٹ

تصحیح و ترمیم

محمد حسین، محوی، صدیقی، جونیر اور دو چہرار

اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ مدراس یونیورسٹی

مع اضافہ حواشی و ویجاہ

قیمت فی جلد

۱۹۳۴

فہرست واقعات اظہری

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۱ تا ۳	دیباچہ	
۱	حمد و نعت	۱
۲	حضرت شاہ عالم بادشاہ کی سلطنت کی بربادی کا بیان	۲
۳	شاہ عالم بادشاہ اور راقم کی ہم جدی کا بیان	۳
۴	(۱) حضرت اورنگزیب عالمگیر بادشاہ غازی تک شاہ عالم بادشاہ کا نسب نامہ	۴
۴	(۲) حضرت اورنگزیب عالمگیر بادشاہ غازی تک راقم کا نسب نامہ	۴
۵	بادشاہ جم جاہ کی اُن عنایتوں کا بیان جو اس روسیہا تک حرام غلام قادر پر ازراہ کرم مبذول رہی ہیں۔ اور اس دور از عنایت عاقبت خراب	
۳	کے آمادہ انتقام ہونے کا سبب	۳
۶	اس تک حرام بد انجام کی صورت و سیرت کا بیان	۶
۷	پھر ہم اپنے مقصد کی طرت رجوع ہوتے ہیں۔ معصوم بیدار بھٹتے فرزند	
	احمد شاہ بادشاہ ولد معصوم شاہ فردوس آرام گاہ ولد جہاں شاہ بن	
	بہادر شاہ ابن حضرت عالمگیر اول کو غلام قادر خاں کا تید سے نکالنا	
۷	اور تخت سلطنت پر بیٹنا	۷
۹	غلام قادر افغان کی اسیری اور نہایت سختیوں کے ساتھ اُس کا قتل	۹
۹	ولی عہد بہادر مرزا اکبر شاہ کی اپنے چچاؤں اور بھائیوں کے ساتھ میرے	
۱۱	مکان پر تشریف آوری	۱۱
۱۲	خاکسار کی دیوری پر شامانہ تجمل کے ساتھ حضرت قدر قدرت کی تشریف آوری	۱۰
۱۳	حضرت قدر قدرت کے اُن عہد و پیمانہ کا ذکر جو راقم سے ہوئے تھے	۱۱
۱۲	چند صاحب کمال و کرامت اور ارباب استدراج کا ذکر جنہیں میں نے قلم	۱۲
۱۳	مبارک میں دیکھا تھا	۱۳

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۱۷	...	۱۳ ایسا ہی ایک اور واقعہ
۱۹	...	۱۴
۲۱	...	۱۵
۲۲	...	۱۶
۲۶	...	۱۷
۲۷	...	۱۸ راتم کے چند خواب
..	...	۱۹ ایک اور خواب
۲۸	...	۲۰
...	...	۲۱ قلعہ مبارک کی تید سلاطینی سے ہمارا نکل جانا خفیہ طور پر جیپور اور جودھپور پہنچنا اور اس وقت کی سرگزشت
۳۱	...	۲۲ پھر ہم اپنے مقصد کی طرف رجوع ہوتے ہیں
۳۳	...	۲۳ اپنی حیثیت اور صورت بدل کر بھاگنے کی تاریخ اور دن کا بیان
۳۵	...	۲۴ قلعہ آنبیر میں پہنچنا اور اسی دن جےپور کے راجہ کو ہمارے بھاگنے کی خبریں ملنا اور اسکا ہماری آمد سے آگاہ ہو جانا
۳۹	...	۲۵ جےپور کے راجہ سے راتم کی ملاقات اور اُس شہر کے کچھ حالات جو ہندوستان کے بہترین شہروں میں ہے
۴۱	...	۲۶ پھر ہم اپنے مدعا کی طرف رجوع کرتے ہیں
۴۲	...	۲۷ جےپور کے راجہ کا ایک تحضت سلطنت تیار کر کے میرے پاس بھیجنا اور راتم کا اُسے نالکی کی صورت میں بدل لینا
۴۳	...	۲۸ تنبیہ
..	...	۲۹ نقل
..	...	۳۰ سانچہ کی سیر
۴۶	...	۳۱ اجیر
..	...	۳۲ جودھپور میں ہمارا ورود اور اُس پر انصاف و پر امن شہر کی سیر
۴۹	...	۳۳ مہاراجہ جودھپور کی ملاقات اور اس کے حالات
...	...	۳۴ انتصارالدولہ مصد بیک ہمدانی کے بہتیبے احتشام الدولہ اسمعیل بیک کا ذکر جو اپنے دل میں ہماری بربادی کی تمنا رکھتا تھا اور جس نے ہمارے مقاصد کی راہ میں حسد کا بیج بویا

۳۵	احتشام الدولہ اسمعیل بیگ خان بہادر فیروز جنگ کی عرضی جو اقتضار الدولہ محمد بیگ خان ہمدانی کا بھتیجا تھا یہ عرضی ہم کو ماہ رجب سنہ مذکور میں بمقام جودھپور پہنچی تھی	۵۰
۳۶	راج راجندر سری مہاراج دھراج سواے پرتاب سنگھ بہادر والی جے پور کی عرضی کی نقل	۵۱
۳۷	والی جودھپور کے بخشی میٹھا لال کی نقل عرضی	۵۲
۳۸	نامدار خاں اٹخان اور آمدت شیطان کا مجھے بھکانا اور یہاں سے میرا کوچ	۵۳
۳۹	سانحہ	۵۴
۴۰	شیخ رحیم اللہ کی عرضی کی نقل جو سندہ کے والی شاہ نواز خاں کے بیٹے محمد عارف خاں عباسی کا خاں سامان تھا اور جودھپور میں مہاراجا کے پاس رہا کوتا تھا علم و شعور میں یکتائے زمانہ تھا اور اپنے زمانے کے نصیحوں پر گوے سیقت لے گیا تھا یہ عرضی راتم کی نصیحت کے لئے لکھی تھی	۵۴
۴۱	تنبیہ	۵۶
۴۲	فائدہ	۵۷
۴۳	وزیر الملک آصف جاہ نظام الملک بہادر سپہ سالار یعنی عباد الملک غازی الدین خاں المتخلص بہ نظام کی عرضی اور ان اشعار کی نقل جو ماہ رجب سنہ ۱۲۰۳ھ میں وزیر موصوت کی مہر خاص اور دستخط سے بمقام جودھپور میرے پاس پہنچے تھے	۶۰
۴۴	وزیر موصوت کے طبع زاد چند دعائیہ اشعار	۶۰
۴۵	موصوت کی فارسی غزل	۶۲
۴۶	اُدے پور کی جانب ہمارا کوچ اور اُس عجیب و غریب گھاتے کے حالات جو اِس راہ میں پیش آئے	۶۳
۴۷	ہمارا اُدے پور پہنچنا وہاں کے والی اور راج راجیش موصوت کے بڑے بیٹے کنور ظالم سنگھ کا ہمارے ساتھ سلوک	۶۶
۴۸	نقل	۶۸
۴۹	کنور ظالم سنگھ کی عرضی کی نقل جو ماہ شوال سنہ ۱۲۰۳ھ میں پہنچی تھی	۶۷
۵۰	منشی چمن لال کی عرضی کی نقل جو ماہ شوال سنہ صدر میں ہمارے حضور	۶۸
	میں پہنچی	۶۸

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۶۸	پاٹن کی شکست اور شاہزادہ میہرا احسن بھٹ بہادر کا حال	۵۱
...
۶۹	بھیلاوڑے میں جو والی ادھیور کا دارالضرب ہے ہماری سرکار کی چوری	۵۲
...
۷۰	ہمارا شاہپور پہنچنا اور اُس کے راجہ کا اچھا پرتاؤ	۵۳
...
...	کشن گڑھ کا ذکر وہاں کے راجہ کا سلوک اور اُس کا ہماری تصویر کھنچوانا	۵۴
...
...	اجمیر کے دروازے پر ہمارا زبرد اور شاہزادہ میہرا احسن بھٹ بہادر کا یہاں کے قلعے میں آ موجود ہونا۔ کچھہا اُن کے مختصر حالات۔ میرا دوبارہ	...
...
...	چھپور آنا اور اُس کے والی کا سلوک	...
۷۱	معصم بیدار بھٹ یعنی مرزا بیدار شاہ اور اُن کے بھائی مرزا ہینکا کا قتل	۵۵
...
...	شاہزادہ مرزا احسن بھٹ کی چھپور میں آمد اُن کے ساتھ راجہ کا سلوک	۵۶
...
۷۲	اور ہمارے اُن کے کچھہا جواب و سوال پھر ارتیما و انصال کا حال	۷۲
...
۷۳	مولوی نضرالدین مرحوم کے مزید شاہ ضیاء الدین کی ملاقات کا بیان	۵۷
...
...	چھپور سے روانگی راجہ کا کمال اشتیاق سے ہماری تصویر کھنچوانا اور	۵۸
...
...	رخستانے کا سلوک	...
۷۵	شاہزادہ مرزا احسن بھٹ بہادر کی کابل کو روانگی	۵۹
...
...	بلدۂ کرولی رتھولی اور سروٹھہا کا بیان جو ہندون اور بیانا کے تریب واقع ہیں۔	۶۰
...
...	وہاں مرھتوں کے معاصرے میں ہماری گرفتاری اور پھر رہائی۔ بہت پور کا	...
...
...	ذکر جہاں راجہ رنجیت سنگھہا جات کی عملداری ہے۔ اور رامپور و	...
۷۶	پانس بریلی کے سفر کا بیان	۷۶
...
...	مہاراجہ انوپ گڑھت بہادر کی مرضی کی نقل جو کرولی کے نواح میں	۶۱
...
...	سنہ ۱۲۰۴ میں ہمارے پاس پہنچی	...
...
۷۷	لکھنؤ پہنچنے کا بیان اور وہاں کی داستان کے چند کلیے	۶۲
...
۷۹	نواب وزیر سے ایلے چھپیرے بھائیوں کی سفارش	۶۳
...
...	نواب مدارالدولہ کی ملاقات	۶۴
...
۸۱	نواب رزیو کی ظریفانہ و حریفانہ باتوں کا مختصر بیان	۶۵
...
...	مرزا جہاندار شاہ المتخلص بہ جہاندار پسر شاہ عالم بادشاہ سلمۃ اللہ کا	۶۶
...
۸۳	کلام ریختہ	...
...
...	ایک اور نقل	۶۷
...
۸۴	...	۶۸
...
...	...	۶۹

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۸۵	ایک اور نقل	۷۰
...	...	۷۱
۸۶	ہمارے ساتھ نواب وزیر کے اخلاق و آداب	۷۲
...	نواب وزیر کے لے پالک بیٹے وزیر علی خاں کی شادی کا بیان جو نائب نواب	۷۳
...	وزیر کے خلیرے بیٹائی شرف علی خاں کی لڑکی کے ساتھ ہوتی تھی	...
۸۷	اور نواب وزیر کے آداب کا اجمالی ذکر	۷۴
...	سرغورزا الدولہ کا کلتے جا نا اور ہماری بڑی لڑکی سعیدۃ النساء بیگم عروت	۷۳
۸۸	بڑی بیگم کے مکتب اور بسم اللہ کی رسم کا بیان	...
...	سرغورزا الدولہ میروزا حسن رضا خاں بہادر ظفر جنگ نائب نواب وزیر الممالک کی	۷۵
۸۹	عرضی جو نور چشم کی رسم مکتب کی تہنیت میں آئی تھی	...
...	اعظم الامراء نصیر الدولہ ناظم الملک مہین پور چین تلیب خاں بہادر ظفر جنگ	۷۶
...	فرزند نواب وزیر الممالک عباد الملک غازی الدین خاں بہادر کی عرضی کی نقل	...
...	جو ماہ ذی الحجہ سنہ ۱۲۰۷ھ کی بیسویں تاریخ کو لکھنؤ میں ہمارے	...
۹۰	پاس پہنچی	...
...	راجہ نواب انوپگر گنائیں ہمت بہادر کی عرضی کی نقل جو کالی کے نواح	۷۷
...	سے ماہ ذی الحجہ سنہ صدر کی بیسویں تاریخ کو ہمارے بخشی راے ٹیکارام	...
...	بہادر کی معرفت پہنچی	...
۹۱	عرضی کی نقل	۷۸
...	شاہزادہ مرزا سلیمان شکوہ کی خاص تحریر کی نقل جس پر اُن کی چھوٹی	۷۹
۹۲	دستی مہر لگی تھی	...
...	فائدہ	۸۰
۹۳
۹۵	شاہ جہاں آباد دہلی کے تلمع مبارک سے راتم کے بہائیوں کی نجات	۸۱
۹۶	ایک حسب حال حکایت	۸۲
۹۹	ممالک دکن کی سیر کے ارادے سے لکھنؤ سے میری روانگی اور بنارس پہنچنا	۸۳
...	بلدۂ سہرام کا ذکر	۸۴
۱۰۰	عظیم آباد پہنچنے کا بیان	۸۵
...	کریم قلی خاں مخاطب بہ ضیاء الدولہ فرزند خان بہادر تہور جنگ ابن نواب	۸۶
...	مغیر الدولہ مرحوم کی ضیافت کا بیان ہندوؤں کی چرخ پوجا کی سیر اور	...
۱۰۱	اس شہر سے جہاز میں سوار ہونا	...

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۱۰۲	مرشد آباد میں ہمارا داخلہ	۸۷
...	ایک مجبور نسب چھوٹے کا ذکر جس نے عظیم آباد اور مرشد آباد میں اپنے کو	۸۸
...	شاہزادہ مشہور کر رکھا تھا اور یہاں کے رئیسوں کو دھوکا دے رہا تھا	...
...	ہنگال کا ذکر اس کی سیر اور وہاں کے رئیسوں کے حالات	۸۹
۱۰۴	مرشد آباد سے بردوان کی جانب ہمارا کوچ اور اس شہر کا کچھہا بیان	۹۰
...	پنڈرا نامی نصیب اور ہوگی بندر کا بیان نیز حاجی مہسن سلب اللہ تعالے کے	۹۱
۱۰۶	اخلاق کا ذکر	...
۱۰۸	سانحہ	۹۲
...	تصیہ چیچڑا اور نواب آصف الدولہ بہادر کی خبر موت کا بیان	۹۳
۱۰۹	شہر کلکتہ اور اس کے حالات	۹۴
...	تصیہ میدنی پور اور اُس کے راستوں کا ذکر بلدہ کنگ میں ہمارا ورود	۹۵
۱۱۰	سانحہ	۹۶
۱۱۱	بلدہ کنگ کا ذکر	۹۷
۱۱۲	پوری جگنا تہہ کا بیان	۹۸
۱۱۵	بلدہ گنجام کا ذکر	۹۹
۱۱۸	ایچانگر کا بیان	۱۰۰
۱۱۹	یداپور کا بیان	۱۰۱
۱۲۰	گھن پتلی بہیارم کا ذکر	۱۰۲
...	بندر مچھلی پٹن میں ہمارا داخلہ	۱۰۳
۱۲۱	مچھلی بندر سے چینا پٹن مندرج کی جانب ہماری روانگی	۱۰۴
۱۲۳	مکتوب (مددۃ الامراء بہادر)	۱۰۵
۱۲۵	نواب صاحب کا درس مکتوب	۱۰۶
...	چینا پٹن میں ہمارا ورود اور نواب مہمد علی خاں والا جاہ مرحوم کے بڑے	۱۰۷
...	اور لائق بیٹے نواب والا جاہ امیرالہند ثانی کی ملاقات کا بیان	...
۱۳۱	نواب صاحب کا مکتوب	۱۰۸
...	میرا رخصتہ	۱۰۹
...	نواب صاحب کا رسد مکتوب جو ۲۹ ماہ ذی قعدہ کو مرزا والا پٹن عورت	۱۱۰
۱۳۲	میرزا جانی کی ولادت کی تہنیت میں آیا تھا	...

- ۱۳۲ ... ۱۱۱ پھر ہم اصل مقصد کی طرف رجوع ہوتے ہیں
- ۱۱۲ مبارک الدولہ تصب الملک حسن علی خاں بہادر مبارک جنگ کی مرضی جو ہمارے قبائل کے لکھنؤ سے منگھلی بندر پہنچنے کے بارے میں ہمارے پاس آئی تھی
- ۱۳۳ ... ۱۱۳ ہمارے قبائل کا چینا پٹن مندراس پہنچنا
- ۱۱۴ شاہزادۂ سلیمان شکوہ بہادر کا پہلا رتعا جو ہمارے معتمد راے بھگوان داس دیوان کے ہاتھ ہمارے نام آیا تھا
- ۱۳۵ ... ۱۱۵ نواب خان دوران خاں مرحوم کے نواسے نواب اشرف خاں کی عرضی جو بردوان سے ہمارے قبائل کے ہمراہ پہنچی
- ۱۳۶ ... ۱۱۶ نواب اشرف خاں کے بیٹے خواجہ معتمد حسین خاں بہادر کی عرضی جو ہمارے قبائل کے ساتھ پہنچی تھی۔ یہ صاحب بردوان میں خاندوران خاں مرحوم کے بیٹائی خواجہ انور شہید کے مقبرے میں رہا کرتے ہیں
- ۱۳۷ ... ۱۱۷ شاہزادۂ میرزا سلیمان شکوہ بہادر کے شقے کی نقل جو ۲۹ جمادی الاول سنہ ۱۲۱۵ھ کو راقم کے نام آیا۔ یہ دست خاص کا لکھا ہوا تھا اور اس پر اُن کی چھوٹی مہر لگی تھی
- ۱۳۸ ... ۱۱۸ شاہزادۂ موصوف کے اُس شقے کی نقل جو منشی کے ہاتھ لکھا ہوا ہے اور اُس پر اُن کی خاص چھوٹی مہر لگی ہے۔ اِس مہر پر شاہزادے کا یہ سجع کندہ ہے: "انک من سلیمان و انا بسم اللہ الرحمن الرحیم"
- ۱۱۹ شاہزادۂ موصوف نے ایک شقہ لکھنؤ سے نواب عمدۃ الامراء بہادر کے نام بھیجا تھا۔ نواب موصوف نے اس کو کھول کر پڑھا اور پڑک کر میرے پاس بھیجوا دیا۔ میں نے اس کی نقل لیکر رکھ لی تھی جو درج ذیل ہے: تاریخ ۲۹ جمادی الثانی سنہ ۱۲۱۵ھ
- ۱۳۹ ... ۱۲۰ شاہزادۂ موصوف کے ایک دوسرے شقے کی نقل جو اسی مہینے میرے نام پہنچتا تھا اُس پر بھی چھوٹی دستی مہر لگی تھی
- ۱۴۱ ... ۱۲۱ میرزا سکندر شکوہ عرب میرزا جھینگا کے شقے کی نقل جو اسی مہینے میرے نام پہنچتا تھا یہ شاہ عالم بادشاہ کے بیٹے اور میرزا سلیمان شکوہ موصوف کے سگے بیٹائی ہیں
- ۱۲۲ شاہزادۂ میرزا سکندر شکوہ کے اُس شقے کی نقل جو لکھنؤ سے میری معرفت نواب عمدۃ الامراء کے نام ۱۶ شعبان المعظم سنہ ۱۲۱۵ھ کو آیا تھا
- ۱۴۲ ...

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۱۲۳	نواب صاحب کے اُس مکتوب مودت اسلوب کی نقل جو درنوں شاہزادوں کے شقوں کی رسید اور جواب میں یکم رمضان سنہ صدر کو میرے پاس پہنچا	۱۲۳
۱۲۴	ان دونوں شاہزادوں کے اور جو شقے آئے تھے اُن کے متعلق نواب صاحب معز نے اسی سنہ میں مجھے ایک رقعہ لکھا جسکی نقل درج ذیل ہے - اُسی میں میرے مہصد تقی میرد ہلوی کو مدراس بلانے کا وعدہ کیا تھا جو میرے استاد اور بے نظیر شاعر ہیں	۱۲۴
۱۲۵	نواب صاحب کے ایک اور رقعے کی نقل جو میرے رقعے کے جواب اور شاہزادوں کے شقوں کی رسید میں اسی ماہ و سنہ میں آیا تھا یہ رقعہ موصوف نے اپنے خاص خط سے قلم سمرقہ نونگی (پنسل) سے لکھا تھا	۱۲۵
۱۲۶	میرے چچیرے بھائی مرزا تاج الدین کے مدراس آنے کا بیان	۱۲۶
۱۲۷	رئیر معزول عباد الملک متخلص بہ نظام مغفور کے انتقال کی خبر پہنچنے کا بیان	۱۲۷
۱۲۸	اس شقے کی نقل جو میرزا سلیمان شکوہ کی جانب سے میرے نام پہنچا اس کے ساتھ میری معرفت نواب سلطان النساء بیگم کے نام کا شقہ بھی تھا یہ شقے نواب مغفرت مآب کی وفات کے بعد لکھتے سے ہمیں پہنچے اور ماہ صفر سنہ ۱۲۱۶ھ کی اکتیسویں کے لکھے ہوئے تھے	۱۲۸
۱۲۹	اُس شقے کی نقل جو نواب سلطان النساء بیگم موصوفہ کے نام آیا تھا	۱۲۹
۱۳۰	راتم کے نام مرشد زادہ موصوف کے خالو کترین میر بہادر علی کی عرضی تاریخ و سنہ صدر	۱۳۰
۱۳۱	ماہ ذیحصجہ سنہ ۱۲۱۵ھ میں شاہزادوں کی خدمت میں سوغات تحفے اور نذرین بھیجنے کے لئے نواب صاحب کا وعدہ فرمانا اور موصوف کی وفات کے حالات کا مختصر بیان	۱۳۱
۱۳۲	عظیم الدولہ بہادر امیرالہند والاجاہ ثالث سلمۃ اللہ کی نوابی کا ذکر جو نواب مہصد علی خان بہادر امیرالہند والاجاہ کے منجھلے بیٹے نواب امیر الامیر امیر فقرا اللہ لہا کے فرزند ہیں اس سال اس ضمن میں اور جو جو حالات پیش آئے وہ بھی لکھے جاتے ہیں	۱۳۲
۱۳۳	راتم کے یہاں لڑکی پیدا ہونے کا بیان	۱۳۳
۱۳۴	سرتوازدولہ ناظم الملک مرزا احسن رضا خان بہادر ظفر جنگ کی وفات کا ذکر	۱۳۴
۱۳۵	سرتوازدولہ مرحوم کے اخلاق سے متعلق چند باتیں	۱۳۵

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۳۶	ملا معتمد ولایت زانے اُن کی وفات پر ایک قصصہ تاریخ کہا تھا جو درج ذیل ہے :	
۱۵۷	یہ بزرگ ثواب آصف الدولہ مرحوم کے اُستاد تھے	...
۱۳۷	والدۃ ماجدہ کی وفات کا بیان	...
۱۳۸	ثواب تاج الامراء علی حسین بہادر ولد ثواب عمدۃ الامراء مرحوم کی وفات کا بیان	...
۱۳۹	ابیات ماجدہ
۱۴۰	اُن عرضیوں کی نقلیں جو میں نے بادشاہ سلامت اور ولی عہد بہادر کے حضور میں ماہ رمضان المبارک سنہ ۱۲۱۶ھ میں بھیجی تھیں اور اُن رقعوں کی نقلیں جو اُن عرضیوں کے ساتھ میرزا مغل و میرزا طفیل کے نام بھیجے تھے	...
۱۳۹	حضرت قدر قدرت کے نام کی عرضی	...
۱۴۱	ولی عہد بہادر کے نام کی عرضی	...
۱۴۲	مرزا مغل اور مرزا طفیل صاحب کے نام کے رقعوں کی نقل	...
۱۴۳	اُس ترکی رقعے کی نقل جو میں نے مرزا مغل صاحب کو لکھا تھا	...
۱۴۴	ولی عہد بہادر کے اُس شقے کی نقل جو دہلی سے راقم کے نام پہنچا تھا	...
۱۴۵	دوسرے شقے کی نقل جو ولی عہد بہادر کی طرف سے راقم کے نام شرف صدور لایا تھا	...
۱۴۶	مرزا منگ و مرزا طفیل صاحبان کے رقعے کی نقل جو ولی عہد بہادر کے شقے کے ساتھ راقم کے نام ملتون پہنچا تھا - تاریخ و سنہ وہی ہے	...
۱۴۷	اس ترکی چٹنائی رقعے کی نقل جو مرزا مغل نے اپنے دست سانس سے راقم کو لکھا تھا	...
۱۴۸	ترجمۂ ترکی
۱۴۹	تقریباً بیگم کے رقعے کی نقل جو مرزا مغل اور مرزا طفیل صاحبان کی حقیقی بیوی یہں ہیں یہ رقعہ اُنہوں نے راقم کے نام اپنے ہاتھ سے اردو میں لکھا تھا
۱۶۶
۱۵۰	حکیم احمد اللہ خان دہلوی کی وفات کا ذکر (نیو دیگر اطبا اور اطنری کے اساتذگ طب کا بیان)	...
۱۶۹
۱۷۳	ایک نقل
۱۷۵	چھوٹے نور چشم مرزا اعلیٰ بخش معروف بہ جانی مرزا کی ولادت کا ذکر	...
۱۷۶	راقم کی بیوی بیٹی سعیدۃ النساء بیگم کی شادی کا ذکر	...

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۱۷۷	خدا دوٹوں کو سلامت رکھے	۱۵۳
	تلبیہ (قیام لکھنؤ اور شاہزادگان تیموریہ کے بعض مراسم و آداب کا بیان اور	۱۵۵
"	دو ایک واقعات)
۱۷۸	...	۱۵۶
	...	فائدہ
۱۸۱	...	۱۵۷
	صاحبان عالی شان انگریز بہادر کے اوصاف میں چند فقرے	
	اس ملک کے مردوں، عورتوں، آب و ہوا، طور و طریق اور موسموں کا ذکر	۱۵۸
	اور اسی کے مناسب بعض فوائد جو اس ضمن میں آتے ہیں، یہاں	
۱۸۵	...	لکھے جاتے ہیں
۱۹۱	...	۱۵۹
	...	فائدہ
۱۹۳	...	۱۶۰
	مرزا فرخندہ بخت جہاں شاہ متخلص بہ قمر مرحوم کا کلام	
۱۹۵	...	۱۶۱
	...	خاتمہ کتاب ...
۱۹۶	...	۱۶۲
	...	فائدہ
"	...	۱۶۳
	...	راے تیکارام کشمیری متخلص بہ ظفر کا کلام
۱۹۷	...	۱۶۴
	...	راجہ دیارام نوشا کا کلام
"	...	۱۶۵
	...	مؤید کا کلام
۱۹۸	...	۱۶۶
	...	پھر ہم اپنے مقصد کی طرف رجوع ہوتے ہیں
۲۰۰	...	۱۶۷
	...	ضمیمہ



دیباچہ

واقعات اظفری، جس کا ترجمہ آپ کے پیش نظر ہے، کے مصنف میرزا محمد ظہیر الدین علی بخت، اظفری، دہلوی، گورگانی ہیں۔ یہ دہلی کے تیموری مغل تاجدار شاہ عالم بادشاہ کے ہم جد اور انہیں کے زمانے میں تھے۔ حضرت اورنگ زیب عالمگیر خلد مکان رحمۃ اللہ علیہ کی پوتی نواب عفت آرا بیگم کے نواسے ہوتے ہیں۔ چچے واسطوں سے ان کا نسب حضرت خلد مکان تک پہنچتا ہے۔ والد کا نام سلطان محمد ولی اور عرف منجھلے صاحب تھا۔ اور دادا سلطان محمد عیسیٰ، بیگم صاحبہ موصوفہ کے فرزند ہیں۔ اس طرح سے شاہ عالم ثانی بادشاہ دہلی، بہادر شاہ اول فرزند عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے تھے اور عفت آرا بیگم صاحبہ ان کی نواسی۔

اظفری کی والدہ حضرت ابوالعلاء خواجہ محمد نقشبندی کی اولاد میں تھیں۔ اظفری سنہ ۱۱۷۲ھ میں دہلی کے قلعہ مبارک میں پیدا ہوئے۔ وہیں نشوونما اور تعلیم و تربیت پائی۔ وہیں شادی بیاہ ہوا، اور وہیں پہلی اولاد پیدا ہوئی۔ غرضکہ تیس سال کی زندگی قلعہ مبارک کے اندر قید سلاطینی میں گذری۔ جس کا تفصیلی ذکر آپ کو اس کتاب میں ملیگا۔ عربی، فارسی، ترکی زبانوں میں مہارت تامہ پیدا کی۔ اور ان دونوں آخری زبانوں میں متعدد تالیفات بھی ہیں۔ اردو کا تو پوچھنا ہی کیا ہے کہ ان کے گھر کی زبان تھی۔ آخر عمر میں مدراس آکر انگریزی بھی سیکھ لی تھی۔ ان زبانوں کے علاوہ کلی علوم و فنون میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ مثلاً علم طب، رسم، عروض، قافیہ اور خصوصاً فن شعر و سخن۔ فارسی، اردو اور ترکی زبان کے نہایت اچھے ادیب و شاعر اور ان تینوں زبانوں میں صاحب دیوان تھے۔ لیکن افسوس ہے کہ ان کے فارسی و ترکی دیوان کا آج کہیں پتہ نہیں۔ اردو کے بھی دو دیوان تھے، مگر قدیم نہیں ملتا۔ جدید دیوان کا انتخاب اس کتاب کے آخر میں مصنف نے شامل کیا تھا، جو الگ کتابی صورت میں شائع ہونے والا ہے۔

واقعات اظفری کا ایک نسخہ لندن میں ہے اور دو نسخے مدراس میں۔ دیوان میں خاص قلعہ مبارک کے محاورے، استعارے، کنایے وغیرہ نظم کئے ہیں۔

ب

اظفری شعر و شاعری کے علاوہ کئی کتابوں کے مصنف ہیں، جن کا تذکرہ انہوں نے اس کتاب کے آخر میں کیا ہے۔ درس و تدریس بھی حسب ضرورت کی ہے۔ فن تیر اندازی کے بھی ماہر اور فن موسیقی سے بھی آشنا تھے۔ ایک بزرگ سید اسرار اللہ شاہ سے بیعت بھی تھے اور خلافت بھی حاصل کی تھی۔ مگر کسی کو مرید نہیں کیا۔ شجاعت و بہادری کے بھی مرد میدان تھے۔ قید سلاطینی میں، سنہ ۱۱۲۰ھ کے آخر میں غلام قادر دھیلے کا جو ہلکامہ پیش آیا، اُس میں کئی قابل قدر خدمات انجام دیں اور چاہتے تھے کہ اِس کے صلے میں قید سے آزاد کر دیے جائیں اور حکومت کی کسی بڑی خدمت پر مامور ہوں تاکہ اس نازک وقت میں سلطنت کے کام آئیں۔ اور اظہارِ قابلیت کے موقعے ملنے پر اپنے طبعی جوہر دکھائیں۔ لیکن اِس اندیشے سے کہ آزاد ہو کر کہیں بغاوت پر آمادہ اور حکومت کے مقابلے میں برسرِ پیکار نہ ہوجائیں، جس طرح اور شاہزادے قلعہ مبارک کی قید میں تھے، یہ بھی رہے۔ شاہ عالم بادشاہ نے اِس ہولناک ہلکامے میں، اِن کی جان نثارانہ خدمات کے صلے میں اِن سے بہت کچھ وعدے کئے تھے۔ مگر ہلکامہ رفع ہونے کے بعد ایفاء وعدہ سے صاف انکار کر دیا۔ اس کا اثر اُن پر بہت برا پڑا، اظفری بد دل اور مایوس ہو گئے۔ انہوں نے قسم کھالی کہ جس طرح بھی ہوگا، اِس قید سے آزاد ہو کر دھلنگے۔ آخر قلعے کے بعض ملازموں سے سانتھہ گانتھہ کی۔ ہندوستان کے بعض راجاؤں اور مختلف مقامات کے نوابوں، امیروں، رئیسوں سے خفیہ طور پر خط و کتابت کر کے اپنی مدد پر انہیں آمادہ کر لیا، اور ایک رات موقع پا کر بھاگ نکلے۔ چرپور، جودھپور وغیرہ ہوتے ہوئے لکھنؤ پہنچے۔ سات سال وہاں قیام کیا۔ نواب آصف الدولہ بہادر نے بیحد عنایتیں فرمائیں، مگر دکن کی دھن لگی ہوئی تھی۔ حیدرآباد کے نواب آصف جاہ اور مدراس کے امیرالہند والاجاہ اول سے ملنے کا اشتیاق تھا، اور بہت امیدیں وابستہ تھیں۔ آخر لکھنؤ سے چل کھڑے ہوئے اور قلعہ سے نکلنے کے نو سال بعد سنہ ۱۲۱۲ھ میں مدراس پہنچ گئے۔ یہاں بہت آؤ بھگت اور قدر دانی ہوئی۔ پھر بال بچپوں کو بھی لکھنؤ سے بلایا، اور ایسے رہے کہ یہیں سنہ ۱۲۳۳ھ میں سپردِ خاک ہو گئے۔

اس کتاب میں انہوں نے اپنی سیر و سفر کے علاوہ قلعہ مبارک کے بھی بہت سے حالات لکھے ہیں، گویا یہ کتاب اُن کی سوانحِ عمری بھی ہے اور سفر نامہ بھی۔

اسی سے کتاب کا نام ”واقعات اظفری“ رکھا ہے۔ یہ جو کچھ مختصر حالات متخص تعارف کی طور پر ہم لکھ رہے ہیں، اسی کتاب سے ماخوذ ہیں۔
 ان کی تفصیل آپ کو اس میں ملیگی۔

کتاب کی تالیف کا سبب بھی خود انہوں نے شروع میں لکھ دیا ہے، یہاں اعداد کی ضرورت نہیں۔ اس کی تالیف سنہ ۱۲۱۱ھ کے بعد سے شروع ہوتی ہے۔ اور سنہ ۱۲۲۱ھ تک کے واقعات پر ختم ہو جاتی ہے۔ گو مصنف کا ارادہ تھا کہ فرصت اور اطمینان نصیب ہو تو بقیہ واقعات اور ان مجمل حالات کو ذرا پھیلا کر لکھیں گے۔ مگر پھر اپنی پریشانیوں کی وجہ سے موقع نہیں ملا۔ اسی سبب سے سنہ ۱۲۲۱ھ سے بعد کے حالات بہت کم معلوم ہوتے ہیں۔ اور جو کچھ مختصر طور پر معلوم ہوے ہیں، وہ آخر میں شامل کر دیے گئے ہیں۔

یہ کتاب تاریخی اور جغرافی حیثیت سے اہمیت رکھتی ہے۔ شاہ عالم بادشاہ دہلی کی حکومت کے زمانے کے بہت سے ایسے حالات اس میں ملتے ہیں جو غالباً تاریخ کی اکثر کتابوں میں نہ ملیں گے۔ گو بہت مختصر ہیں، یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اُس وقت مغلیہ سلطنت کس قدر کمزور حالت میں تھی۔ ملک میں ہر طرف کیا اُتری پھیلی ہوئی تھی۔ غلام قادر رھیلے کے ہاتھوں کیا کیا تباہی عمل میں آئی۔ قید سلاطینی کیا چیز تھی۔ قلعہ مبارک کے اندر ان شاہزادوں کے قیام کا کیا انتظام تھا، اور وہاں کیا کیا عہدے تھے۔

یہ وہ زمانہ ہے جبکہ بادشاہ براے نام بادشاہ تھا، کئی صوبے آزاد و خود مختار ہو چکے تھے، خزانے خالی تھے۔ قوتیں سلب اور دماغی پستی عام تھی۔ بھولے بھالے شاہزادے جادو منتر اور عملیات میں اپنا پیسہ اور دولت برباد کرتے تھے۔

بادشاہ کی ناعاقبت اندیشی، پھر باغیوں کے ہاتھ اسیر ہونا، اندھا کیا جانا، پھر تخت حکومت پر واپس آنا، اس کی بے بسی اور صوبہ داروں کی مرسلہ آمدنی پر گزارا، میرزا صاحب کے مفید مشورے، امرائے دربار کی نیک صلاحیں اور اُن سے بے پروائی، شاہزادوں کی قید، غرض کہ شروع سے آخر تک عبرت پزیر نگاہوں کے لئے ایک سسقی آموز مرقع ہے۔ اور اس عظیم الشان سلطنت کے زوال کا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔

قلعے سے فرار کے بعد اظفری جہاں جہاں گئے ہیں، وہاں کی عجب چھڑوں، رسوم و رواج اور معتقدات کا بھی ذکر کیا ہے۔ ہر جگہ پہنچنے اور وہاں سے روانہ ہونے کو تاریخ، ماہ و سال کی قید کے ساتھ لکھتے ہیں۔ راستوں میں جو دشواریاں پیش آتی ہیں، انہیں بھی بیان کرتے جاتے ہیں۔ جن جن کے احسانات اور سلوک ہوئے ہیں، اُن کا بھی ذکر ہے۔ اور جن قابلِ قدر لوگوں سے ملاقاتیں ہوئی ہیں، انہیں بھی بیان کر دیا ہے۔ آخر میں وہ عرضیاں اور شتے وغیرہ نقل کئے ہیں جو بڑے بڑے امہروں، نوابوں اور راجاؤں نے انہیں لکھے تھے۔ ان سے اس دور کی خط و کتابت کا انداز عبارت اور آداب و انشا کا پتہ چلتا ہے۔ اور یہ بھی کہ خود اظفری کس کس درجے کے آدمی تھے۔ پھر مدراس کے لوگوں کے طور و طریق، آداب و عادات و اخلاق پر تبصرہ کیا ہے۔ اس کے بعد اُن حکیموں اور طبیبوں کا ذکر ہے، جن سے مصنف کو استفادہ کا موقع ملا ہے۔ یا جن کو اس فن میں وہ مانتے اور بہتر جانتے ہیں۔

اظفری نے اپنے زمانے کے مذاق کے موافق بعض غیر ضروری باتوں کو طول دیا ہے اور بہت سی ضروری باتوں کو بہت مختصر لکھا ہے۔ یہ کتاب ۲۰۲ صفحات پر ختم ہوتی ہے۔ عبارت سلیس اور عمدہ منشیانہ ہے۔ عبارت آرائی اور قافیہ پیمائی زیادہ نہیں ہے۔ چونکہ آجکل فارسی زبان کا مذاق ہمارے ملک میں بہت کم ہو گیا ہے۔ اس لیے یہ خیال ہوا کہ اصل کتاب کے بجائے اس کا اردو ترجمہ شائع کرنا زیادہ مفید ہوگا۔ نمونہ کی طور پر اصل کتاب کی چند سطریں دو ایک جگہ سے نقل کی جاتی ہیں:

”حضرت (بادشاہ) امتناع فرمودند و ارشاد نمودند کہ اگر پدر او چلہں کرد، این بیگناہ را چگونہ بکشتن دہم۔ اگر انتقام منظور است بضابطہ خان بیبا و یزید و اورا بکشید لہذا چون مرحمت و شفقت در ذات اشرف و اقدس و اعلیٰ بدرجۃ اقصیٰ است، معرفت رازداران خفیہ طفل مذکور را معہ اخراج و اسباب شایستہ در وقت شب بسوے پدرہں رہا فرمودہ بہ والدیلہں رسانیدند۔ و بعد چلدے بطوریکہ بار دیگر عنو تقصیر اتہں گردید و بہ مرتبۃ بخشیدگری و بہ ملک موروثی خود رسید ذکر آن مناسب این محفل ندیدم اختصار پسندیدیم۔“

بعض جگہ عبارت زیادہ دقیق ہے، زور قلم دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔
مثلاً جو دھوہور کے متعلق لکھتے ہیں:

”شہرے دیدم ہمہ سنگ لاج بصعاری لقی و دق، در ریگستان بے پایاں،
وحشت انگیز، ملامت آمیز، نہ سایۂ شجرے نہ نام نسرے۔ بجائے
آب ہمہ سراب و منزلۂ بھار جملہ تالاب۔ بسکان بلبل و باغ، اشجار
مغفلان و رغن و زاغ۔“

غلام قادر کے ہلکامۂ بغاوت کے وقت قلعے کی حالت زار کا نقشہ کھینچنے
میں بڑا زور قلم صرف کیا ہے۔ جن آیات قرآنی میں قیامت کے مختلف
ہولناک مناظر دکھائے گئے ہیں۔ اُن کو جابجا صرف کر کے قیامت صفوں کا
مرقع پیش کر دیا ہے۔

اس کتاب کے مدراس میں دو قلمی نسخے موجود ہیں۔ پہلا نسخہ وہی ہے،
جس سے ہم نے اس کتاب کا ترجمہ اور دیوان نقل کیا ہے۔ یہ نسخہ کتابت
اور صحت کے لحاظ سے بہت بہتر ہے۔

دوسرا نسخہ بھی گورنمنٹ مدراس ہی کے قلمی کتب خانے میں ہے۔ یہ
کسی قدر دیسک خوردہ ہے، مگر الفاظ ضائع نہیں ہوئے۔ اس کی سب سے
بڑی خصوصیت یہ ہے کہ غالباً خاص مصلف کے کتب خانے کا ہے۔ چنانچہ
سرورق پر یہ عبارت لکھی ہے:

”نام الکتاب واقعات اظفری، المتخلص اظفری، المعروف بہ مرزا کلاں،
المخاطب بہ میرزا علی بضت بہادر سلمہ اللہ تعالیٰ۔ تصنیف
حضور مذکور سلمہ اللہ تعالیٰ۔“

آخر میں لکھا ہے:

”کاتب الحروف سید محمد ولد سید نتہر، ساکن بلدۂ نتہر نگر عرف
ترچنایلی بتاریخ ہندھم شہر ربیع الاول سنہ ۱۲۲۷ھ یک ہزار و
دو صد و بیست و ہنتم ہجری نبوی در بندر ترمل کھڑی تکریر یافت۔“

یہ عبارت کاف کر معنائی گئی ہے۔ لیکن اچھی طرح صاف صاف پڑھنے میں
آتی ہے۔ اس کو مٹا کر یہ لکھا ہے:

”بتاریخ بست نوزدہم شہر رجب المرجب.....“

بہر اسے بھی قلم زد کر کے ایک سطر میں ذیل کی عبارت لکھی ہے :

”بتاریخ نوزم شہر شعبان در سنہ ۱۲۳۳ھ در بندر میلپور تحریر یافت۔“

مگر یہ کسی دوسرے شخص کی لکھی ہوئی ہے۔ بہر صورت کتاب مصلف کی زندگی میں لکھی گئی ہے اور انہوں نے اپنے قلم سے کہیں کہیں خفیف ترمیم و اصلاح بھی کی ہے۔

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ تقریباً نصف کتاب تک بعض مشکل عربی فارسی الفاظ کے معانی بین السطور میں خفی قلم سے لکھے ہیں۔ ہر صفحے میں تین چار الفاظ ایسے ہوں جن کے معانی لکھنے کی ضرورت پیش آئی ہے۔ مثلاً گردان = چول، حرث = مزارع، (کسان)، مرکوبان = اسپاں، مرتاض = ریاضت کیا گیا۔ شرفات = جمع کلگرہا، والا فلا = پس نہیں تو نہیں۔ احشام = فوج توپ خانہ، علم تکسیر = تعویذ وغیرہ۔ قریلے سے معلوم ہوتا ہے کہ بین السطور خود اظہری کے لکھے ہوئے ہیں۔ مگر اس نسخے میں املا اور کتابت کی غلطیاں جا بجا نظر آتی ہیں، اور خط بھی مختلف ہیں۔

یہ کتاب ترجمہ کے لئے عبدالستار صاحب منشی قاضل کو دی گئی تھی، جو دی سرچ انسٹی ٹیوٹ آف مدراس یونیورسٹی میں وظیفہ یاب طالب علم کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ اُن کی مدت وظیفہ ختم ہونے کے بعد ترجمہ نظر ثانی کے لئے میرے حوالہ ہوا۔ خیال تو تھا کہ مجھے اس میں کچھ زیادہ کام نہ کرنا پڑے گا۔ لیکن اصل سے مقابلہ کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔ کیونکہ صاحب موصوف ترجمے پر نظر ثانی اور تکمیل نہ کرنے پائے تھے کہ انہیں کام چھوڑ دینا پڑا۔ انہوں نے زیادہ تر مفہوم لیکر اپنے زبان میں لکھ دیا تھا۔ اور میرا خیال تھا کہ لفظی ترجمہ ہو۔ کیونکہ بعض ایسی چیزیں رہ جاتی تھیں جن کا باقی رکھنا ضروری معلوم ہوا۔ خاصکر مشکل اور اصطلاحی الفاظ کا ترجمہ بالکل ہی چھوڑ دیا گیا تھا۔ غرضکہ مجھے اس نظر ثانی اور ترمیم سے خود پوری کتاب کا ترجمہ کر لینا زیادہ سہل ہوتا۔ بہر حال میں نے ایک ایک لفظ کو اصل سے ملایا، اور جو کچھ فرق پایا اسے دور کیا۔ نیز اصل الفاظ کی رعایت ہر جگہ پورے طور پر پیش نظر رکھی ہے۔

ترجمہ کی تصحیح و تکمیل کے بعد نظر ثانی اور پھر پریس کا پی تیار کرنے میں بہت وقت لگا، اس کے علاوہ حسب ضرورت حواشی بڑھائے۔ اصل میں کہیں کہیں لغوی اغلاط تھے، ان کو بھی درست کر دیا ہے اور جہاں ضرورت سمجھی ہے بتا بھی دیا ہے۔ بعض مختصر تاریخی حواشی بھی اضافہ کئے ہیں۔ آخر میں سوانحیات ممتاز اور مدراس کے بعض اور تذکروں سے مصنف کے جو حالات ملے ہیں، وہ بھی شامل کر دیے ہیں۔ فہرست مضامین بھی لکادی ہے۔ دیوان اظفری پر ہم بسیط مقدمہ لکھ چکے ہیں۔ اس لئے یہاں بالکل اختصار سے کام لیا جاتا ہے۔

محمد حسین، مکتوی، صدیقی، لکھنوی۔

۲۰ نومبر سنہ ۱۹۳۶ء
مدراس



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پروردگار کی حمد اور رسول اکرم کی نعت اور درود کے بعد صلوٰۃ و سلام کا تحفہ آپ کی اولاد اور بزرگ اصحاب کو بھیجتا ہوں۔ پھر اپنے جم جاہ بادشاہ شاہ عالم (خدا اُن کے ملک اور ساطلت کو ہمیشہ رکھے، کہ اُن کی بھلائی اور احسان کا فیض تمام عالم تک پہنچا ہے) کی بے حد مدح کے بعد یہ دشتِ حیرت کا سرگرداں محمّد ظہیرالدین میہرزا علی بنخت گورگانی جس کا عرف بڑے مرزا اور تخلص اظفری ہے۔ اور جو حضرت اورنگزیب عالمگیر بادشاہ غازی کے پوتے حضرت محمّد معزالدین ولد بہادر شاہ کا نواسہ زادہ ہے۔ اِس طرح عرض پرداز ہے کہ شاہ جہاں آباد (دلی) کے قلعہ مبارک سے نکلنے کے نو سال بعد جب میں مرشد آباد یعنی مقصود آباد بنگالہ کے علاقے میں پہنچا تو ذی الحجہ سنہ ۱۲۱۱ھ کا مہینا تھا۔ میرے ناقص دل میں یہ خیال گزرا کہ خاندان تیموریہ کی اُس بربادی کے کچھ مختصر حالات لکھوں، جو غلام قادر خاں یوسف زئی افغان کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ ایہ ضابطہ خاں کا بیٹا اور اعلیٰ حضرت کے بخشئی نجیب خاں کا پوتا تھا) اور یہ سوچا کہ کچھ حقیقت سلطانی قید سے اپنے نکلنے کی نیز چند ممالک اور شہروں میں اپنی سیر و سیاحت کے کچھ حالات بیان کروں۔ اور چند عرضیوں وغیرہ کی نقلیں بھی تحریر کردوں۔ اِن عرضیوں کی نقل کا منشا صرف یہ ہے کہ ہر جگہ کے منشی کی عبارت کا طرز و انداز معلوم ہو سکے۔ لڑکے پڑھیں تو اِنشا کا کام دے۔ اور اگر کبھی اتفاق سے اِس گنہگار کی اولاد و احفاد میں سے کوئی اِن شہروں میں پہنچے تو یہ عرضیاں قدیم دوستی اور آداب و خدمت گزاری کو یاد دلائیں۔ اِس کتاب کو میں نے واقعات اظفری کے نام سے موسوم کیا ہے۔

خصرت شاہ عالم بادشاہ کی سلطنت کی بربادی کا بیان۔

فاعتبروا یا اولی الابصار حقیقت یہ ہے کہ اِس عالی شان خاندان پر وہ بلائیں پڑیں جو نہ کہلنے کے قابل ہیں نہ سننے کے۔ دہلی کی آنکھوں نے انہیں دیکھ لیا۔ اور جو کچھ دیکھا وہ ایک بلا تھی، اہل عبرت کو آگاہ کرنے والی! اور ایک ناگہانی آفت تھی صاحب بصیرت کو متنبہ اور بیدار کرنے والی۔ یعنی غلام قادر خاں یوسف زئی افغان نے سرکشی اور خودرانی کا علم بلند کیا۔ اور اِس بلند مرتبہ خاندان کے تمام حقوق کو بالکل بھلا کر تہس نہس

کر دیا۔ اندھے پن اور بے حیائی کی بنیاد ڈالی۔ قدیم بنی ہوئی مستقل عمارت کو نئے سرے سے ویران کر ڈالا۔ اور نہایت بے ادبی و بے پروائی سے میدانِ دغا مہین اتر کر اس صاحبِ عزت و مرتبت بادشاہ (یعنی شاہ عالم ولد حضرت عالم گہر ثانی بادشاہ ملقب بہ حضرت عرش منزل ابن حضرت جہاندار شاہ عرش آرام گاہ محمد معزالدین بادشاہ بن حضرت بہادر شاہ یعنی شاہ عالم اول ولد حضرت اورنگ زیب بادشاہ عالم گہر اول * جو اس بندۂ درگاہ کے جد امجد ہوتے ہیں) کو ایذا رسانی اور اُن بیکدنا ہوں کو ضرر پہنچانے پر آمادہ ہو گیا۔ جو اس فیضِ بہیمان خاندان سے تعلق یا توسل رکھے تھے۔ نہایت نامعقول افعال اور کینہہ طریقے سے اپنے کوتاہ ہاتھوں کو چھوٹے بڑوں کے جان و مال پر دراز کیا۔ یہاں تک کہ اس بادشاہ کی آنکھیں حلقہٴ چشم سے نکلوا دیں اور اُسے تخت سلطنت سے الگ کر دیا۔

شاہ عالم بادشاہ اور راقم کی ہم جلدی کا بیان۔

۱. حضرت اورنگ زیب عالم گہر بادشاہ غازی تک شاہ عالم بادشاہ کا نسب نامہ

مہرزا عبداللہ علی گوہر مخاطب بہ شاہ عالم ثانی پادشاہ — اِن کے بچپن کا نام لال میاں تھا اور مرزا بلاتی بھی کہتے جاتے تھے۔ ولد حضرت محمد عزیزالدین معروف بہ عالم گہر ثانی پادشاہ جو عرش منزل کے لقب سے مشہور ہیں۔ ولد محمد معزالدین جہاندار شاہ پادشاہ، ملقب بہ حضرت عرش آرام گاہ۔ ولد محمد معظم بہادر مخاطب بہ شاہ عالم اول * پادشاہ ابن حضرت اورنگ زیب عالم گہر پادشاہ غازی۔

۲. حضرت اورنگ زیب عالم گہر پادشاہ غازی تک راقم کا نسب نامہ۔

محمد ظہیرالدین مہرزا علی بخت معروف بہ مہرزائے کلان۔ ابن سلطان محمد ولی عرف منجھلے صاحب۔ ولد سلطان محمد عہسی پسر کلان نواب عفت آرا بیگم۔ دختر کلان محمد معزالدین پادشاہ مذکور۔ ولد بہادر شاہ بادشاہ۔ ابن حضرت اورنگ زیب عالم گہر پادشاہ غازی۔

شاہ عالم پادشاہ حال، محمد معزالدین بادشاہ مذکور کے پوتے ہیں۔ اور ہمارے حقیقی دادا یعنی سلطان محمد عہسی اسی بادشاہ مرحوم کے نواسے ہیں۔

*دروٹوں جگہ اصل کتاب میں "اولیٰ" ہے جو عربی قاعدے سے صحیح نہیں۔

بادشاہ جم جاہ کی اُن عنایتوں کا بیان جو اس روسیاء نمک حرام
 غلام قادر پر ازراہ کرم مجذول رہی ہیں اور اس دور از عاقبت
 عاقبت خراب کے آمادۂ انتقام ہونے کا سبب۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ شاہ عالم نے اپنی تخت نشینی کے بارہویں
 سال الہ آباد سے اپنے دارالخلافہ شاہ جہاں آباد دہلی کو واپسی کا ارادہ فرمایا۔
 ابھی وہ رستے ہی میں تھے کہ نجیب خان بخشی، جس کو صوبہ دہلی سپرد کیا
 گیا تھا اور بارہ سال تک نائب کی حیثیت سے اِن ملکوں پر قابض اور متصرف
 بھی رہا تھا، اپنے وطن غوث گڑھ میں طبعی موت سے اِس جہاں فانی سے رخصت
 ہو گیا۔ حضرت قدر قدرت (بادشاہ) نے اُس کے بیٹے ضابطہ خان کو باپ کی جگہ
 بخشی گری کی خدمت پر سرفراز فرمایا۔ ضابطہ خان کی جانب سے شیخ قاسم
 نامی ایک ہزار سوار اور پھادوں کے ساتھ قلعہ مبارک کا قلعہ دار تھا۔ جو
 وہاں کا بندوبست کرتا تھا۔ لیکن جب بادشاہ سلامت نے خان مذکور کی
 سرکشی کا ارادہ سنا تو مادھوجی پتھیل سندھیہ سے سازش کر لی اور قلعے میں اپنے
 داخل ہونے سے پہلے ہی پتھیل کی فوجوں کی مدد سے، توپوں اور بلندوقوں کی جنگ کے
 بعد شیخ قاسم کو قلعہ مبارک سے نکال باہر کیا۔ اس ہنگامے میں اسد برج نامی کو
 بھی صدمہ پہنچا، جہاں بادشاہ کا خاص محل تھا۔ حضرت سلامت نے واپس تشریف
 لانے کے بعد اُسکی مرمت کرائی۔ چند ہی سال میں بیحد رویمہ صرف ہونے کے بعد
 چابک دست اور ہشیار استادوں نے اس برج کی شکست و ریخت کو بالکل درست
 کر دیا۔ بادشاہ سلامت کے خہریت کے ساتھ قلعہ مبارک میں تشریف فرما ہونے
 کے بعد پھر ضابطہ خان کی بغاوت اور سرکشی کے ارادے جا سوسوں اور اخبار
 نویسوں کی زبانی مختلف طریقوں سے سننے میں آنے لگے۔ لہذا اس کی گوشمالی
 کے لئے ذوالفقارالدولہ مہرا، نجف خان بہادر اور مجددالدولہ عبدالعہد خان بہادر کی
 سرکردگی میں دکنی فوجوں کے ساتھ خود بدولت سکرٹال میں نہضت فرما ہوئے۔
 یہ مقام غوث گڑھ اور پتھر گڑھ کے نواح میں ہے۔ ضابطہ خان نے شاہی فوجوں کا
 مقابلہ کیا، مگر بہت جلد شکست پائی اور تباہ ہو کر بھاگ گیا۔ اس کا سارا مال و
 اسباب کچھ تو بہادر سپاہ کی لوٹ مار میں آیا اور تھوڑا بہت سرکار دولت مدار میں
 پہنچا۔ اُس کے بعد تھوچی ہو لکو دکنی وغیرہ کے ذریعے اور سفارش سے حضور نے اِس کا
 قصور معاف کر دیا۔ اور پھر اُس کی موروثی خدمت اور معمولی مالک پر سرفراز

فرما کر خود بادشاہ دارا سپاہِ قلعہ مبارک میں مراجعت فرماہوے۔ تھوڑے دنوں بعد پھر اِس شکست زدہ نے سرکشی اختیار کی۔ آخر حضرت قدر قدرت اِس کی گوشمالی اور تنبیہ کے لئے مقامِ غوث گڑھ میں اُسکے سر پر جتا پہنچے۔ بد انجام رہیلوں نے پھر ہزیمت اُٹھائی اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ اِس باغی کے بال بچے دولت قاہرہ کے یہی خواہوں کے ہاتوں میں قید و اسیر ہوئے۔ اور اُن کا سارا خاندان لوت میں آگیا۔ اِس ہتکامے کے وقت غلامِ قادر آتہ دس سال کا تھا۔ کسی مصلحت کی بنا پر اِس نمک حرام کو رکابِ مبارک کے ساتھ لے آئے اور رہیلوں کے باقی بال بچوں کو غوث گڑھ کے قلعے سے باہر نکال کر اجازت دیدی کہ جہاں چاہیں چلے جائیں۔ حضرت سلامت نے جب اِس نمک حرام کو اپنی مبارک آنکھوں سے ملاحظہ فرمایا تو نہایت شفقت کی بورے آرام و حفاظت کے ساتھ دلی میں لا کر قدسیہ باغ میں رکھا۔ اور چوکی پہرہ مقرر کر دیا۔ روزانہ تین وقت اُسکے لئے قسم قسم کے کھانوں کے کئی خُوان بھجواتے تھے اور اکثر حضور میں طلب فرما کر اُسکے حال زار پر بیحد رحم اور عنایت مبذول فرماتے تھے۔ اُس کی پیٹھ پر محبت سے اپنا مبارک ہاتھ پھیرتے۔ اُس کی تعلیم و تربیت کھیلنے بہت کچھ تاکید فرماتے رکھتے۔ یہاں تک کہ اُسے اپنا بچہ کہنے لگے۔ اور روشن الدولہ کا خطاب دیا۔ جب کبھی وہ اپنے ماں باپ کی یاد میں رونا تو اُس سے رھائی کا وعدہ فرماتے۔ مگر وقتی مصلحتوں کی بنا پر بعض اُمرا نہیں چاہتے کہ یہ رھائی پائے اور اپنے ماں باپ کے پاس پہنچ جائے۔ وہ اِس نمک حرام کی رھائی سے حضرت قدر قدرت کے مانع آتے رکھتے۔ یہ بھی ہوا کہ جب اِس نمک حرام کے باپ نے امیرنگر اور دوسرے گانوں پر فوج کشی کر کے اِس نواح کو تاراج و برباد کر دیا تو اُس کی مدافعت کے لئے مجدد الدولہ عبدالعہد خان مذکور کا بھائی ابوالقاسم خاں فوجیں لے کر روانہ ہوا۔ بہت سی لڑائیوں کے بعد خان مذکور افغان کے ہاتھوں شکست کھا کر امیرنگر کے قلعے کی پدائہ میں چلا آیا۔ لیکن چلد ہی ہفتوں میں خوراک اور گھاس چارہ میسر نہ آنے کی وجہ سے بہت سے سپاہی اور سوار نیم جان ہو کر خان شجاعت نشان کے ہمراہ قلعے سے باہر نکل آئے اور دوبارہ افغانوں سے جنگ چھیڑ دی۔ سپاہ کی قلت کے باوجود بھی دلاوری کے خوب خوب جوہر دکھائے۔ بہت سے زخمی ہوئے اور بہت سے کام آئے۔ آخر کار یہ بے باک افغان قلب لشکر میں گھس آئے۔ اور بہادر مذکور کا سر کاٹ کر اپنے ساتھ لے گئے۔ لاش وہیں اُنہیں کی پالکی میں چھوڑ دی۔ یہ خبر دہلی میں

پہنچی تو مجددالدولہ عبدالعہد خان بہادر جو حضور پر نور کے وزیر دوم تھے۔ بہت غضب ناک اور بیعتاب ہو گئے۔ اس زمانے میں حضور اس نمک حرام کی بہت مانتے تھے۔ اُسکی ہر درخواست بہت زیادہ قبول فرماتے تھے۔ اس لمحے کہ اسے فرزند خاص سے مخاطب فرما چکے تھے۔ ایک با اس باغی کی مہمانی اور نذرانے کے موقع پر اپنی نوازش خاص سے حضور پر نور نے اُس کے متعلق اردو زبان میں چند شعر بھی کہے تھے، جو مجھے یاد ہیں، حوالہ قلم کرتا ہوں:

فرزند خاص ہے یہ اور ہیں غلام سارے - آباد رکھو یارب فدوی کا گھر ہمارے
پھولا رہے ہمیشہ باغ مراد اس کا - ہرگز خزاں نہ پھٹکے اس باغ کے کنارے
سایے میں پرورش ہو ظل الہ کے یہ - ہے آفتاب جب لگ انور فلک کے تارے

فوراً مجددالدولہ نے حضور میں التماس کی کہ ضابطہ خاں غلام کے بھائی کا قاتل ہے۔ اسلئے اسکا بیٹا غلام قادر جو سرکاری اسپر ہے، غلام کو عنایت ہو تاکہ مقتول ابوالقاسم خاں کے بدلے اُس کو قتل کر دوں۔ حضرت نے منع فرمایا اور ارشاد ہوا کہ اگر باپ نے ایسی حرکت کی ہے تو میں اُس کے بے گناہ بیٹے کو کیونکر دیدوں، انتقام ہی لینا ہے تو ضابطہ خاں سے جا کر لڑو اور اُس کو مار ڈالو۔

اُس کے بعد حضور والا نے اپنے چند خاص راجداروں کی معرفت اُس لڑکے کو کافی مصارف اور سامان کے ساتھ رات کے وقت رہا فرما کر اُس کے ماں باپ کے پاس بھیجوا دیا۔ کیونکہ ذات والا میں رحم و شفقت انتہا درجے کی ہے۔ چند روز بعد دوبارہ حضور والا نے ضابطہ خاں کی خطاؤں میں معاف کیں۔ اور پھر اُس کے مورثی ملک اور بخشی گری کے منصب پر بھیج دیا۔ اُس کی تفصیل مناسب مقام نہیں سمجھتا اُس لمحے اختصار سے کام لیتا ہوں۔

جب غلام قادر کا باپ ضابطہ خاں اپنی طبعی موت سے مرگیا اور یہ نمک حرام اپنے باپ کا جانشین ہوا تو بالکل ہی فرعون بن گیا۔ سر پر تیزی توپی رکھنے لگا۔ کھینچ پن اور شرارت پر زبان کھولی۔ کھلم کھلا کہنے لگا کہ بہت جلد میں شاہ جہاں آباد پہنچتا ہوں اور اپنا بدلہ لیتا ہوں۔ جس طرح بھی ہو مکرو فریب سے کام لوں گا اور اُس قلعے کو جینا میں غرقاب کروں گا۔ یہ خبریں برابر پہنچتی تھیں، ہر خاص و عام کے زبان زد ہو گھا تھا کہ عنقریب غلام قادر دلی پہنچنے اور اُسے تہ و بالا کرنے والا ہے۔ آخر کار چند مہینے کے عرصے میں اُس نمک حرام نے

اپنی فوجوں کے ساتھ دھاوا کیا۔ شاہدرہ اور اندھیوالی تک پہنچ گیا۔ شاہدرہ قلعہ مبارک سے یورپ جانب اور اندھیوالی اتر جانب ایک قریب ہے۔ یہ دونوں موضعے دریائے جمنا کے اُس پار واقع ہیں۔

وہاں سے قلعہ مبارک پر گولے برس گئے۔ اسی دوران میں چند شرطیں طے پا گئیں: لڑائی بند ہوئی اور یہ اپنے وطن کو روانہ ہو گیا۔ اِس وقت اس نمک حرام کے ارادہٴ فساد کے متعلق راقم نے بھی ایک عرضی لکھ کر خفیہ طور پر اپنی پھوپھی صاحبہ کے ہاتھ حضور میں بھیجوائی۔ ملاحظہ کے بعد ارشاد ہوا: ”ہم نہیں سمجھتے کہ اِس یتیم غلام قادر سے ہر خاص و عام کو کیوں عداوت ہے“۔ پھر ہماری پھوپھی صاحبہ سے فرمایا کہ ”مورے بچپن سے کھدیچے کہ تم ابھی بچے ہو۔ ان باتوں کو کہا جانو“ غلام قادر تو ہمارا خانہ زاد اور نمک پروردہ لڑکا ہے۔ اِس کی کیا مجال کہ گستاخی سے قدم باہر نکالے۔ یہ سب خلق اللہ کا بہتان ہے۔ سب بچے خاطر جمع رکھیں۔“ سہسنان اللہ حقیقت آگاہ سالک کیا تھیک فرما گئے ہیں: (بیعت)

چوں قضا آید طبیب آبلہ شود۔ آں دوا در راہ خود گمرہ شود

ایک سال بعد دوسری مرتبہ وہ پھر دہلی پہنچا اور تم نے سنا ہوگا کہ اس کے ہاتھ سے کیا کیا انقلاب ہو گئے۔

اِس نمک حرام بد انجام کی صورت و سیرت کا بیان۔

رات دن قسم قسم کا نشہ کرتا تھا۔ خاصکر بھنگ، گانچہ، چرس، زیادہ پیتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ علت اُبلتہ میں بھی گرفتار تھا۔ اِس وقت اسکی عمر بیس سال کی تھی۔ سبزہ آغاز، ٹوٹھیز جوان تھا۔ خوش رو لیکن بد خو، بد مزاج، قد مائل بہ پستی، نہ زیادہ موٹا نہ دپلا، آنکھیں بڑی بڑی، ناک بھی اونچی، مگر ناک کی نوک باریک اور کسی قدر نیچے کو زیادہ جھکی ہوئی تھی۔ علم قہانہ کی رو سے ایسا آدمی فتنہ پرداز ہوتا ہے۔ اِس کے بچپنے ہی میں مسجد الدولہ نے جو ایک امیر کبیر اور بہت سے علوم و فنون کے ماہر تھے۔ اُس کے باپ کو یہ بات بتادی تھی کہ تمہارے اِس لڑکے کے ہاتھ سے جوانی کے زمانے میں ایک بڑا فتنہ برپا ہوگا۔ جو یادگار زمانہ رہے گا۔ اُن کی زبان سے جیسا نکلا تھا ویسا ہی ہوا۔

پھر ہم اپنے مقصد کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔

محمد بیدار بخت فرزند احمد شاہ بادشاہ ولد محمد شاہ فردوس آرام گاہ ولد
جہاں شاہ بن بہادر شاہ بادشاہ ابن حضرت عالم گہر اول کو غلام قادر خان کا
قید سے نکالنا اور تخت سلطنت پر بٹھانا۔

ماہ ذی قعدہ سنہ ۱۲۰۱ھ کی اُنٹیسویں تاریخ کو محمد بیدار بخت عرف مہرزا کوچک ابن احمد شاہ بادشاہ ولد محمد شاہ فردوس آرام گاہ کو غلام قادر نے سلاطینی قید سے نکال کر سلطنت کے تخت پر بٹھایا۔ اور جہاں شاہ ثانی کا لقب دیا۔ اُن کے سکے کا مضمون یہ تھا: (بیخت)

”بزر سکہ زد وارث تاج و تخت - محمد جہاں شاہ بیدار بخت“

یہ سلطنت چند روز بچوں کا کھیل تماشا سا دکھا گئی، دو دن کے بعد کچھ نہ تھا۔

اس ہنگامے کی ہولناک مصیبتوں کا تھوڑا حصہ بھی بیان کیا جائے تو سنیے والے کے کان بھرے ہو جائیں گے۔ اگر قوت سامع نے یاری کی اور سامع صاحب درد ہوا تو اس کا پتہ پتہ پتہ پتہ جائے گا۔ لیکن اِس سے تجاہل کرنا شیوہ عقل سے دور اور اِس سے چشم پوشی کرنا بھی ایک بڑا قصور ہے۔ بمصداق ”العائل تکفیه الاشارة“ صرف چند سخت مصائب مختصراً لکھتا ہوں:

جس روز شاہ عالم بادشاہ مکر و فریب سے گرفتار کئے گئے تھے۔ وہ دن ”یوم یفر المرء من اخیه و صاحبته و بئیه“ کا پتہ دیتا تھا۔ اور ہم اہل قلعہ کی حالت ”یوم یكون الناس كالفراش المبثوث“ کی تفسیر کرتی تھی۔ ماہ محرم الحرام سنہ ۱۲۰۲ھ کی بارہویں تاریخ دو گھنٹی دن کو مظلوموں کے دل کے دھویں کی آگ سے باروت خانہ اور اُس کو تھکے اُرنے کا واقعہ پیش آیا۔ جس میں گولہ باروت اور سیسہ کا بڑا ذخیرہ محفوظ تھا، یہ کوتاہی راقم کے محصل سے ملا ہوا تھا۔ اِس کی آواز صور اسرافیل اور آیت ”القارعة مالمقارعة“ کی ترجمان تھی۔ اِس کو تھکے کے دیوار و در اُرنے سے ہر طرف تاریکی پھیل گئی تھی۔ گرد و غبار نے فضا کو بالکل دھندلا کر دیا تھا۔ یہ حالت آیت ”اذا الشمس کووت“ کے معنی بیان کر رہی تھی۔ گولے بارود کے اُرنے ہوا کے باہم

تکرائے اور اِس مقام کی زمیں و زمان کے لرزنے سے ”إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زُلْزَالَهَا“ کی شرح نساہیں تھی۔ قلعے کے کنگروں کا گرنا اس کے در و دیوار کا شق ہونا، اِسکے مضبوط کوتھوں اور اُنکے اطراف کا ڈھانا ”وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ“ کی تاویل آشکار کر رہا تھا۔ ہمارا محل اِس کو تھے سے بہت قریب تھا۔ اِس سبب سے ہماری ایک پھوپھی صاحبہ اور کئی بھانپوں کے پاؤں اور سروں میں ڈرا ڈراسی چوتھیں آئیں، لہکن جانیں سلامت رہیں۔ خدا اِن سب کو سلامت رکھے۔

اُس وقت کی حالت کا مختصر بیان یہ ہے کہ جو جو مکان چھپروں کے تھے اُن کا بلند بند توت کر جدا ہو گیا۔ اور اُس کی گھاس دھنے کی دھنکی ہوئی روٹی کی طرح ہر طرف بکھر گئی تھی۔ مٹی کا تیغہ جو ہم نے اپنی اناج کی کوتھوں پر دو مہینے پہلے کر رکھا تھا، وہ بھی ٹھٹ پھٹ گیا۔ جن جن دروازوں کی زنجیریں چڑھی ہوئی تھیں توت گئیں۔ جن دروازوں کی زنجیریں کلدوں میں لگی ہوئی تھیں اُنکے دونوں پت دونوں طرف سے آپس میں ٹکرا کر چوکھٹوں سے نکل کر دور جا پڑے۔ چار گھڑی تک تاریکی رہی۔ گولے پتھر گچ اور اینٹیں آسمان سے برس رہی تھیں۔ قلعے والوں کی آہ و فریاد کی آواز آسمان تک پہنچتی تھی۔ آواز پہنچانے کے سوا ہم ایک دوسرے کی صورت تک نہ دیکھ سکتے تھے۔ آوازوں ہی سے تسلی پاتے تھے۔ اِس ہولناک دھماکے کی آواز بھاد رگڑہ تک پہنچی۔ جو دھلی سے بارہ کوس پر ہے۔ ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر کانپ رہا تھا۔ اور کہتا تھا کہ ارے یہ آسمان کہاں زمین پر گر رہا ہے۔

س بد حواسی اور بھکدور کی حالت میں لوٹنے والے بہاری بہاری مال و اسباب کے سبب بوجھل ہو گئے تھے۔ سخت گھبر دھملوں کے ہاتھوں سے بچنے اور چھپنے کی جگہ ڈھونڈتے پھرتے تھے۔ اِن کی یہ حالت ”وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ“ کی آیت یاد دلادھی تھی۔ برسات کے سبب دریا پار جانا بھی دشوار تھا۔ اِس وجہ سے اِن کے ہوش و حواس پر رنج و ملال کے بادل چھا گئے تھے۔ ہر ایک نے اپنے باقی ماندہ بوجہ کو سنبھالنے سے مجبور ہو کر کچھ چیزیں تو دریا میں ڈبو دیں اور کچھ چیزیں جو جلانے کے قابل تھیں، وہ جلا دیں۔ مثلاً دوائی خانہ، کھلی خانہ، فرش اور خیمے وغیرہ۔ اسی قسم کا اور جو سامان توڑ پھوڑ دینے کے قابل تھا، مثلاً چینی خانہ، آئینہ خانہ، سنگ سماق، سنگ میشب، اور اسی قسم کی دوسری چیزیں تو اُن کو وہیں چکنا چور کر دیا۔ کچھ چیزیں بھاگنے اور جان

بچانے کی جلدی میں قلعے کے میدان ہی میں اس طرح چھوڑ بھاگے جسے کسان اپنے کھیٹوں میں بونے کے لئے بیج بکھیرتا ہے۔

دشمن ہر چند ہم شاہزادوں کے قتل کی فکر میں تھے، مگر اُس حافظ حقیقی نے بچالیا۔ ماہ محرم کی دسویں تاریخ کو باروت خانے کا کوٹھا یوں اُڑا کہ اس بلاے ناگہانی میں ہزاروں رھیلے جلکر خاک اور اُنہیں کوٹھوں میں ہلاک ہو گئے۔ جو کچھ بچے اُن کے حواس پریشان تھے، دلوں میں سخت رعب طاری ہو گیا۔ وہ نیلی چھتری کی راہ سے بھاگ گئے، جسے سلیم گڑہ بھی کہتے تھے اور نورگڑہ اُس کا لقب تھا۔

اُن کے بعد مرہٹوں کے پندارے یعنی اِس قوم کے لٹیہرے قلعے میں گھس آئے اور ہم پر توت بڑے۔ بقول شخصے: ”چھڑے کہ از دزد ماند، رمال برد“ بچا کھچا اور رھاسہا یہ ظالم لے اُڑے، خوب کھایا اُڑایا۔ تعجب کی بات ہے کہ ہم لوگ پہلے کی طرح اس دفعہ بھی بہ ہزار جد و کد متحض اپنی بر محلست و جرأت کی بدولت اس آفت سے محفوظ رھے۔ یہ بھی اسی ناصر حقیقی کی نصرت اور حفاظت کی برکت تھی۔ الحمد للہ علی ذلک۔

غلام قادر افغان کی اسیری اور نہایت سختیوں کے ساتھ اُس کا قتل۔

یہ بد بخت اس ہنگامے میں بہت سے شاہزادوں کو قید کر کے قلعے سے لے گیا اور پرگنہ میرتھہ میں لے جا کر رکھا تھا۔ مثلاً محمد بیدار بخت اور اُن کے کئی بھائی، مرزا اکبر شاہ بہادر اور اُن کے چند بھائی یعنی میرزا سلیمان شکوہ، میرزا سکندر شکوہ، میرزا احسن بخت اور کئی شاہزادے، جیسے میرزا اعلیٰ اختر فرزند طالع اختر بن محمد بلند اختر۔ یہ بلند اختر محمد شاہ بادشاہ فردوس آرام گاہ مرحوم کے حقیقی بھائی تھے۔ اِن کے علاوہ بادشاہ سلامت کے کئی بھانجے بھی اسکے اسیر تھے، جیسے میرزا بچو، میرزا مکھو، ولد محمد عزت افزا، عرف میرزا مدو، ابن ہمایوں بخت ابن محمد عظیم الشان ولد بہادر شاہ بادشاہ وغیرہ۔ لیکن ابھی اس ہنگامے کو پورے چھ مہینے کا عرصہ بھی نہیں گزرا تھا کہ یہ کم بخت اپنی فوجوں کو نہ سلیمان سکا۔ اُن کا رشتہ جمعیت اسنے اپنی حماقت سے پراگندہ کر دیا، اور سندھیا پتھیل کی فوجوں کے ہاتھوں پنججہ تقدیر میں گرفتار ہوا۔ مرہٹوں نے اس کو قید کر لیا اور سارے شاہزادوں کو قلعہ مبارک میں واپس پہنچا دیا۔ اس کا مال غنیمت کچھ تو پتھیل کی سرکار میں داخل ہوا، اور کچھ اُسکی فوجوں کی لوٹ کھسوٹ میں آیا۔

اس موقع پر کسی شاعر کی ایک بیت یاد آئی جو غلام قادر ملعون کے حسب حال ہے۔ بیت: دیدی کہ چہ کرد مردک خر - خود مظالم برد دیگرے زر۔

آخر تہرمان حقیقی کی غیرت کو جوش آیا اور یہ ملعون مٹھرا میں اپنے کیندہ اعمال کی سزا کو پہنچا۔ طرح طرح کے عذاب اور ذلت کا مزہ چکھ کر جہلم واصل ہوا۔ مرہٹہ مذکور نے اُسکے دونوں کان ناک اور نیچے کا ہونٹ کٹوا ڈالا اور آنکھیں بھی نکلوا کر الگ الگ ڈبیوں میں رکھوائیں۔ پھر یہ چیزیں تحفہ مبارک باد کی طور پر اس مجبور بادشاہ کے حضور میں بھجوائیں۔ اُس وقت اپنے تمام بھائیوں کے ساتھ میں بھی شاہ جہاں آباد کے قلعے میں اسیر تھا۔ ہم سب اپنی جانوں سے ہاتھ دھوئے بیٹھے تھے، حضرت قدر قدرت کے حکم سے یہ تحفے ہم سب شاہزادوں کی نظر سے بھی گزرے اور ہم خدا کے واحد کا شکر بجالاے۔

اُس خدائے منان نے ان دیوتا افغانوں کی مصیبت اور پلنگہ ستم سے ہم سبکو جس طرح بچایا اور اپنی حمایت و حفاظت کے مضبوط قلعے میں محفوظ رکھا، اگر اسکی تفصیل کی جائے تو نہ جاننے والے "المردیقیس علی نفسه" کے مصداق جھوٹ سمجھیں گے اور فضول بکواس پر محسول کریں گے۔ لیکن جو لوگ قلعہ اور دہلی میں موجود تھے وہ اچھی طرح جانتے ہیں۔ وہ اپنی زبان سے تعریف اور تصدیق کریں گے۔ یہی نہیں بلکہ تیز رفتار خبر رسانوں کی پامردی، اخبار گزاروں اور وقائع نگاروں کی ہمت اور جرأت سے یہ خبریں دور دراز کے رئیسوں تک پہنچ گئیں اور مخفی نہ رہ سکیں۔ اس موقع پر دل میں ایک سانحہ گزرا جو حوالہ قلم ہے:

اظفری! "ہمت مردان مدد خدا" بالکل صحیح مقولہ ہے۔ ہم نے بھی آزمایا۔ غلام قادر کے اس ہلکامے اور گورگانی خاندان کی بربادی کے عالم میں ہم سب گلہنگار شاہزادے محض اپنی ہمت کی بدولت افغانستان کی ذلت و سانی سے محفوظ اور مامون رہے۔ یہ ہمت محض خدا کی رحمت تھی۔ اسکی تفصیل لکھوں تو اندیشہ ہے کہ اہل دنیا اپنی عادتوں کے موافق فضول بات یا محض ایک قصہ کہانی قرار دینگے۔ قطعہ:

اظفری! چیست ہمت مردان؟ - مدد کردگار بے ہمتا است
کوا کاہ است و خار پیشش گل - در مصوبات حافظ چانہا است

ولی عہد بہادر مرزا اکبر شاہ کی اپنے چچاؤں اور چچیرے بھائیوں کے ساتھ

میرے مکان پر تشریف آوری۔

اس نمک حرام غلام قادر کے مزاج میں ایک قسم کا خبط تھا۔ اس نے پرگنہ میرتھہ میں بیدار شاہ کو سلطنت سے معزول کر کے میرزا اکبر شاہ ولی عہد کو بادشاہ بنایا۔ وہ تیرہ روز بادشاہ رہے۔ یہ خبر جب دہلی پہنچی تو اُن کے احباب کے لئے باعث مسرت ہوئی۔ میں نے اُن کے نام نامی کے سکے کیلئے ایک بیت کہی اور لکھ کر اپنے پاس بحفاظت رکھ چھوڑی، تاکہ جب موقعہ ہوگا پیسے کروں گا۔ مگر بہت جلد جناب ولی عہد بہادر دوسرے شاہزادوں اور سلاطین کے ساتھ میرتھہ سے نجات پا کر قلعہ مبارک میں تشریف لے آئے۔ اور دو تین روز بعد اپنے چند بھائیوں، چچاؤں اور چچیرے بھائیوں کے ساتھ میرے گھر آئے۔ اپنی مبارک تشریف آوری سے ہمارے گھر کو روشن اور معطر فرمایا۔ اور اپنے الطاف شاہانہ سے نوازا۔ اگلے دستور کے موافق میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور گلے لگانا چاہا۔ مگر میں نے سر جھکا کر قدمبوسی کا ارادہ کیا۔ ولی عہد بہادر نے فوراً اپنے دونوں ہاتھوں سے یہ جبر مجھے اوپر اُٹھا کر گلے سے لگالیا۔ اس طرح کہ میرے اور جناب موصوف کے رخسارے ایک دوسرے کے رخساروں سے رکتے گئے۔ پھر اپنی زبان فیض ترجمان سے ارشاد ہوا کہ آج خلاف معمول ان تکلفات کی کیا ضرورت تھی؟ ایسا کیوں کہا؟ میں نے عرض کی: حضور بادشاہ سلامت ہو گئے ہیں۔ رشک داری کے سب تعلقات الگ رہے، اب تو ہم سب خانہ زاد غلام ہیں، حضور نوازیں، یا مارتا الیں، "اختیار بدست مختار" ہماری کیا مجال جو مثل سابق برابری کا دم ماریں، اور مساوات کا قدم زمین پر رکھیں۔

مسکرا کر ارشاد فرمایا کہ: "خدا کی قسم میں آپکو اب بھی ویسا ہی اپنا فرزند جگر بند سمجھتا ہوں، اور خدانے چاہا تو ہمیشہ سمجھو تا" اسکے بعد میں جناب کو اپنے مکتب خانے کے بنکے میں لایا، ولی عہد بہادر نے میرا ہاتھ کھینچ کر اپنے پاس بیٹھنے کا حکم دیا، میں آداب بجالا کر بیٹھ گیا، اور اب وہ کاغذ پیش کیا، جس پر ضرب سکے کی بیت لکھ رکھی تھی، بیت یہ ہے:

بزد بقرص مہ و مہر ضرب سلطانی - خدیو شاہ جہا نکیر، اکبر ثانی

ملاحظہ فرما کر بہت مسرور ہوئے۔ اب وہ کاغذ میں نے دست مبارک سے لے لیا تو فرمایا کہ: "ہاتھیں یہ کیا بات ہے، دی ہوئی چیز کو واپس لیتے ہو" میں نے

عرض کی: ”کیا مجال! مگر یہ ادب کا موقعہ ہے۔ خدائے تعالیٰ حضور شاہ عالم کو سلامت رکھے، خانہ زاد کے پاس یہ بیعت امانت رہے گی۔ خدانے چاہا تو وقت آنے پر جناب میں بھجوادونگا۔ کیا حضرت وعدہ فرماتے ہیں کہ یہی بیعت حضور آپے سکتے مبارک پر ضرب فرمائیں گے؟“ ارشاد فرمایا کہ ”تمہاری درخواست قبول ہے“ میں آداب بجالایا، اور میرزا مغل میرزا طغل وغیرہ دیگر شاہزادوں کو بھی گواہ بنایا جو ساتھ تھے۔

اس وقت کے علاوہ اور کئی بار ولی عہد بہادر اپنے بھائیوں، میرزا سلیمان شکوہ اور سکندر شکوہ بہادر وغیرہ کے ساتھ اس گلہ گار کے غریب خانے پر تشریف لاکچے ہیں اور بیعت نوازشیں فرماتے رہے ہیں۔ اور یہ دونوں شاہزادے آجکل لکھنؤ میں رہتے ہیں۔

خاکسار کی دیوڑھی پر شاہانہ شان و شوکت کے ساتھ

حضرت قدر قدرت کی تشریف آوری۔

ملعون غلام قادر کے ہنگامے میں، اُن دردناک حالات پر میلے ایک تاریخی رباعی اردو زبان میں، اُخرب کے وزن پر بطور قطعہ کہی تھی۔ ہنگامے کے فرور اور غلام قادر کے قتل ہونے کے بعد پھر شاہ عالم تخت سلطنت پر سرفراز و متمکن ہوئے۔ وہ مجبہ پر بیش از بیش خسروانہ توجہ مبذول رکھتے تھے۔ کمال محبت اور فرزند نوازی فرماتے تھے۔ چنانچہ اسی سال عید الفطر کے دن، ازراہ نوازش چتر و تخت اور نہایت شاہانہ تجمل سے خاکسار کی دیوڑھی پر رونق افروز ہوئے۔ غلام قادر دھیلے کا ہنگامہ جس وقت شدید تھا اسکے دوران میں، میلے بادشاہ زادہ میرزا اکبر شاہ ولی عہد بہادر کی معرفت، اور شہزادہ میرزا مغل اور شہزادہ میرزا طغل سلمہما کے توسط سے (جو محمد علامہ والد ولہ معروف بہ میرزا بابا مرحوم کے فرزند تھے) اور یہ بادشاہ سلامت کے حقیقی چچا زاد بھائی) کئی عہد و پیمان استوار کر لگے تھے۔ اس موقع پر وہ عہد و پیمان یاد دلائے۔ حضرت قدر قدرت نے نہایت تسلی بخشی دی۔ اور امید دلائی کہ ضرور پورے کئے جائیں گے۔ چنانچہ ازسرنو وہ عہد و پیمان مضبوط اور استوار فرمائے۔ پھر نہایت الطاف کے ساتھ خاص اپنے دست مبارک سے ایک گراں قدر رقم میرے ہاتھ میں رکھ دی۔ اور میری ملہی بلغد فرما کر اپنے شاہانہ اخلاق سے حد درجہ مسرور و سرفراز فرمایا۔

غلام قادر کے نامبارک حادثے کے بعد یہ پہلا موقعہ تھا کہ حضور اپنے ”مصل معلے“ سے برآمد ہوئے۔ اور ہماری ڈیوڑھی پر تشریف لائے تھے۔ حضرت اقدس، میرے اشعار کو بہت شوق سے ملاحظہ فرماتے تھے۔ اکثر و بیشتر اپنا کلام مبارک عنایت فرماتے اور جواب لکھنے کی فرمائش ہوتی تھی۔ اس عادت کے موافق حضور کی فرمائش پر راقم نے اپنے فارسی، ترکی، اردو کے چند شعر سنائے۔ اور وہ قطعاً تاریخ بھی دست اقدس پر رکھ دیا، جو اس جانکاہ حادثے کے متعلق کہا تھا، قطعہ یہ ہے :

چوں من ذہب کریمتی کا مژدہ - امسال ہوا نصیب شاہ عالم
تھا فکر میں تاریخ کی، بولا ہاتف - ہے اظفری تاریخ یہ عالم کا غم
۱۲۰۲

اس تاریخ میں ایک عدد زیادہ ہے۔ یعنی ایک سال بڑھا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سال ختم ہو رہا تھا، چند روز بعد ہی دوسرا سال شروع ہو گیا۔

حضرت قدر قدرت کے اُن عہد و پیمان کا ذکر جو راقم سے ہوئے تھے۔

افغانیوں کے ہولناک اور مصیبت خیز ہتھکامے میں جبکہ عین شدت کی حالت تھی، میں نے حضور کی قابل قدر خدمتیں انجام دی تھیں۔ اور ولی عہد بہادر نیز مرزا مغل، مرزا طغل کی معرفت ایک عرضی پیش کی تھی کہ ان خدمات کے صلے میں میرا دلی مدعا پورا کیا جائے۔ حضور نے منظوری کے دستخط فرمادئے تھے۔ وہ عرضی میں نے اپنے پاس احتیاط سے رکھ لی تھی، وقت کا منتظر تھا۔ درخواست کا ماحصل یہ تھا کہ اگر خدا اپنا فضل فرمائے اور امور سلطنت کی باگ پھر حضور کے دست مبارک میں آئے تو اس خانہ زاد کو اپنی خدمتوں کے صلے میں قید سلاطینی سے آزاد کیا جائے اور اُمرام کے سلسلے میں منسلک فرمایا جائے۔ راقم ہمیشہ حضور کی ہر ممکن خدمت کی بجائے آوری میں سرگرم رہتا۔ کبھی یہ تصور بھی نہ کریگا کہ سلطنت میں ہمارا کوئی حصہ ہے، نہ کبھی اپنا دامن حدادب سے آگے بھینکا اور نہ کبھی بغاوت و سرکشی کی طرف قدم بڑھا ٹھکا۔

اس وقت اس سے زیادہ اُن عہد و پیمان کو تحریر میں لانا فضول ہے، طول نگاری کے سوا کوئی نتیجہ نہیں کیوں کہ :

آن قدح بشکست و آن ساقی نماند

حضرت قدر قدرت ظاہری بصارت سے متحرور ہو جانے کے بعد بھی محض دست مبارک کے اشارے سے عرضیوں کو اپنے دستخط خاص سے مزین فرماتے ہیں۔ ایسی چند عرضیاں راقم کے پاس بھی موجود ہیں۔ غرضکہ حضرت اقدس نے وہ تمام وعدے جو راقم سے کئے تھے تخت سلطنت پر دوبارہ متمکن ہونے کے بعد تھکرا دئے۔ ایک بھی پورا نہ فرمایا بلکہ صاف انکار کر دیا۔ میلے بھی شرعی قسم کھالی کہ وعدے پورے نہ کئے گئے تو میں بھی ہرگز قید سلطینی میں نہ رہونگا۔ اس کے بعد میں اپنے محل سے نکلا اور اُس مسجد میں آیا جو متصلے کے قریب اور دلی دروازے سے متصل ہے۔ اب تک حضرت قدر قدرت بھی دیگر سلاطین کے ساتھ اُسی محل میں تشریف رکھتے تھے جس میں ظلام قادر ملعون نے رکھا تھا۔ ہنوز اُس محل میں تشریف فرما نہیں ہوئے تھے جو بادشاہ کے لئے مخصوص ہے۔ میں نے مسجد میں بیٹھ کر خدا کو گواہ کر کے احمد علی خاں اور راجہ رام ولد کنور شنکر ناتھ کی معرفت حضور میں پیام نیاز بھیجا۔ دونوں کو سخت تاکید کر دی کہ خبردار! میرا پیام ضرور بالضرور حضور کے گوش گزار کر دینا۔ ورنہ ضرور ایک دن ایسا آئیگا کہ بحول و قوت الہی مجھ سے یہ جزآت عمل میں آئے گی۔ تم نے اگر اس پیام کے پہنچانے میں خیانت سے کام لیا تو تمہیں ندامت کا ملہ دیکھنا پڑیگا۔ پھر میں نے اپنے جی میں سوچا کہ اس وقت میں بہادروں کی طرح اپنا دلی راز زبان پر لے آیا ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ میری بیٹھ بے دغا بازی سے منسوب کریں۔ اور میرے حق میں ملامت سے کام لیں۔ احمد علی خاں نے یہ بات سنکر عرض کی کہ: گستاخی معاف! شاید جناب اس قہد خانے سے آڑ جائینگے، میں نے جواب دیا: خدا کی قسم جس طرح اللہ چاہیگا میں یہاں سے نکل جاؤں گا۔ سننے والوں نے میری باتوں کو نصی پر متحول کیا۔ اور میری خبر خواہی کے خیال سے حضور میں کچھ عرض نہ کی۔ آخر کار دل میں جو بات جسی ہوئی تھی، ظہور میں آئی، اور جو کچھ میری زبان سے نکلا تھا پورا ہو کر رہا! ان لوگوں کو پشیمانی اُٹھانا پڑی۔

چند صاحب کمال و کرامت اور ارباب استدراج کا ذکر جنہیں

میں نے قلعہ مبارک میں دیکھا تھا۔

شاہزادوں کو قید میں رکھنے کی رسم ہمارے جد امجد یعلیٰ حضرت

معزالدین بادشاہ (جو جہاندار شاہ عرش آرام گاہ کے نام سے معروف ہیں) کے زمانے سے، نئے سرے سے زندہ ہوئی ہے۔ اُس دور سے لیکر اِس نسخے کی تحریر تک تقریباً ایک سو سال کا زمانہ ہوتا ہے، ہنوز یہی رسم جاری اور تیسوری نسل پر ایک آفت کی طرح طاری ہے۔ میں خدا کو گواہ کر کے لکھتا ہوں، یہ حقیقت ہے کہ ہمارے مستحکم چچاؤں میں سے دو بزرگوار اکثر یہ کہا کرتے تھے کہ ”ہم تیرہویں صدی کو نہ دیکھینگے، اِسی بارہویں صدی میں، جس میں ہم موجود ہیں، اس گوشۂ خفا سے چل بسینگے اور زیر زمیں زاویۂ فنا میں جا چھینگے۔ خاطر جمع رکھو کہ اِس بیوفا دنیا سے ہمارے رخصت ہونے کے بعد یقیناً تم لوگ اس قید سے نجات پاؤ گے۔ اور اپنے دلی مقاصد کو پہنچو گے۔“ ہم لوگ اُن سے یہ پوچھتے کہ بھلا یہ غیر ممکن بات ظہور میں کیوں کر آئیگی تو جواب دیتے کہ اِن جزئی باتوں کا علم صرف اس ذات خدا کو ہے جو تمام مخفی اور راز کی باتوں کو جاننے والا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ جو کچھ اِن بزرگوں نے ارشاد فرمایا تھا، وہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ تیرہویں صدی کے آغاز میں دو تین سال باقی تھے کہ میرے چچا نے انتقال کیا اور جواد رحمت الہی میں پناہ لی۔ پھر سنہ بارہ سو شروع ہوتے ہی ماہ محرم الحرام کی ۲۸ تاریخ کو میرے والد بزرگوار نے اس دارفانی سے روضۂ نعیم جاودانی کی طرف کوچ فرمایا۔ وفات جس وقت ہوئی ہے، شب جمعہ کے تین پہر گزر چکے تھے، اور وہ شاہ جہاں آباد کی اسی قید سلاطینی میں اسیر تھے۔ جناب کا اسم گرامی سلطان محمد ولی اور عرف منجھلے صاحب تھا۔ خدا اُن کی اور اُن کے ماں باپ کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔ میں نے حضرت مرحوم کی وفات پر ایک قطعۂ تاریخ کہا تھا، جو درج کیا جاتا ہے۔ قطعہ :

گر تو تاریخ وفات آن ولی را طالبی
برکن از تاریخ هر دو حرف علت اظفری!

در محرم، ہم شب آدینہ دنیا را گذاشت
روز جمعہ شد بخواب اندر مزار انوری

معلوم ہوتا ہے کہ یہ قطعۂ تاریخ بعد کو کہا گیا ہے کیوں کہ جس وقت کا یہ راتما ہے اُس وقت اظفری کا تخلص غیظور تھا

اُسی زمانے میں، ایک بزرگ محمد پلہ نامی تھے۔ انہوں نے بھی والد مرحوم کے حادثہ وفات پر چند شعر کہے تھے، جو درج ذیل ہیں:

آن ولی حق زحق آگاہ شد - پدش حق باعزت و باجاء شد
 بسکہ کامل بود در تقوی و دین - با خدا و مصطفی آگاہ شد
 در شریعت، در طریقت مستقیم - در حقیقت عارف باللہ شد
 در عبادت، در ریاضت بے نظیر - در سخاوت فی سبیل اللہ شد
 دائما در ذکر حق مشغول بود - روز و شب وردش کلام اللہ شد
 گر بظوانی جملہ اش اسم شریف - بامحمد آن ولی همراه شد
 از جہان بہوفا چون این سفر - روز آدینہ محرم ماہ شد
 یک ہزار و دو صد از ہجری گزشت - کاں ولی در سوے جنت راہ شد
 جسم پاکش چون فرورفتہ بخاک - خلق را چون یوسف اندر چاہ شد
 روح پاکش عالم بالا گرفت - بر سپہر ہفتمیں چون ماہ شد
 دوستان را از فراق آن ولی - سوز دل، اشک روان، پر آہ شد
 گر ہی پرسی مر ازین واقعہ - بر دل من سخت غم جانکاہ شد
 لہک جز صبرے نہ دیدم چارہ - چونکہ ہر یک را گذر زین راہ شد
 بہر تاریخ وقات آن ولی - بلندہ را سوے خدا دل خواہ شد
 گذشت ہاتف سال تاریخ وقات - داخل جنت ولی اللہ شد

انہیں بزرگ کا ایک تاریخی شعریہ ہے:

اے آنکہ تو بر جمال حق شیدائی - تاریخ وصال از رخت پیدا شد
 ۱۲۰۰

غرضکہ والد مرحوم کی وفات کے تین سال دو ماہ بعد ہم کو قید سلاطینی سے نجات ملی اور جس طرح ملی اس کا تفصیلی بیان اس مختصر کتاب میں درج ہے۔

ایسا ہی اور ایک واقعہ: اس زمانے میں میں میاں غلام چشتی ایک باکمال درویش تھے۔ اپنی رہائی سے سات سال پہلے ہم چند نوجوان بھائیوں نے حکیم عنایت اللہ کی معرفت اپنی تملائے رہائی کے متعلق ان بزرگ سے سوال کیا کہ آیا ہماری رہائی ہوگی یا نہیں۔ ان بزرگ نے حکیم صاحب کے ذریعے جواب بھیجا کہ: ایسا معلوم ہوتا ہے، آج سے سات سال بعد دہلی اور اُسکے بادشاہ پر کوئی سخت آفت آنے والی ہے۔ ایسی سخت مصیبت کہ سلطنت

تیموریہ کے آغاز سے لیکر اب تک ایسی مصیبت کسی نے نہ دیکھی ہوگی۔ اس ہولناک آفت کے دوران میں ہر چھوٹے بڑے پر زلزلے سے پڑینگے۔ قلعے کی دیواریں اور کنگرے تک ہل جائیں گے۔ ممکن ہے کہ گر بھی جائیں۔ سلطنت کے تمام نظم و نسق میں تغیر رونما ہوگا۔ بلکہ تہ و بالا ہو جائیگا۔ ان حوادث کے بعد تم نجات پاؤ گے اور اپنی مراد کو پہنچو گے۔ راقم نے اس خوش خبری کی تاریخ ایک کتاب کی پشت پر لکھ کر رکھ لی۔ آخر غلام قادر افغان کا ہلکا مہ رونما ہوا اور اسکے بعد مجھے قلعے سے بھاگ نکلنے کا موقعہ مل گیا۔ پھر مہرے فرار اور اس ہلکامے کی بدولت سب شاہزادوں کی رہائی ہوئی۔ یہ سب حالات تھیک اسی تاریخ کے موافق ظہور میں آئے، جو درویش موصوف نے بتائی تھی۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس نامبارک واقعے سے چند روز پہلے درویش موصوف اس جہان فانی سے رخصت ہو چکے تھے۔
رحمة الله عليه.

ایسا ہی ایک اور واقعہ

مجھے خوب یاد ہے، والد ماجد کی وفات کے چند روز بعد ایک دبلے پتلے مریض درویش کسی تقریب سے ہماری دیوڑھی پر آنکلیے۔ ان کا نام شاہ عظیم تھا۔ مجھے عاصی پر بہت توجہ فرماتے رہتے تھے۔ رمضان کا مہینا تھا، ایک روز انہوں نے مجھے تنہا پا کر فرمایا کہ: ”آپ کے لئے ایک تحفہ لایا ہوں،“ میں نے پوچھا: کیا چیز ہے اور اسکے فوائد کیا ہیں؟ فرمایا کہ جو چاہو اس سے کام لے سکتے ہو۔ میں نے کہا: میرا تو اہم مقصد یہ ہے کہ کسی طرح قہد سلاطینی سے رہائی ہو اور اپنی مراد کو پہنچوں۔ ارشاد ہوا کہ یہ سب ممکن ہے۔ پھر میں نے کہا: اللہ کے فضل سے یہ تو بڑی غیر مترقبہ نعمت ہے، اچھا تو عنایت فرمائے۔ شاہ صاحب نے کہا: آپ ہمیں اس کا کیا صلہ دیں گے۔ میں نے کہا: جو کچھ جناب فرمائیں۔ مسکرا کر شاہ صاحب نے فرمایا کہ: ہم تو اس زمانے تک زندہ نہیں رہیں گے۔ اس جواب سے میں یہ سمجھا کہ غالباً ابھی ہماری رہائی میں طویل مدت باقی ہے۔ بیعتاب ہو کر پوچھا کہ: تو کیا عاصی کے حصول مقصد میں ابھی بہت دیر ہے؟ فرمایا: نہیں آپ بہت جلد نکل جائیں گے۔ میں نے پوچھا: تو کیا آپ اس سے بھی پہلے دنیا سے کوچ کر جائیں گے، ایسا ہوا تو میں اپنی کامیابی کے بعد آن جناب سے کیوں کر سلوک کر سکتا ہوں؟ فرمایا کہ مجھے فقیر کی ایک بیٹی اور اس کا شوہر منصف علی خاں نامی موجود ہیں۔

مہیری عوض اُن پر نظر کرم رہے۔ جو کچھ خدا تو فہیق دے، اُنہیں پہنچاتے رہ گیا۔ مہینے قبول کر لیا۔

اس گفتگو کے بعد اِن بزرگ نے عمل سکھایا اور یہ بھی کہا کہ مہینے اس کو عمل میں لانے کے لئے جو جو نراکتیں بیان کی ہیں، ان سب کا ضرور خیال رہے۔ مہیری ہدایات کے موافق اگر پڑھا تو ضرور آپ اپنے مدعا کو پہنچیلگے ورنہ نہیں۔ اور یہ اسم جمالی ہے جلالی نہیں، کسی صورت بھی آپ کو ضرر نہ پہنچےگا۔ عمل سیکھ لہنے کے بعد مہین نے شاہ صاحب سے پوچھا کہ کیا آپ نے یہ عمل مجھے ہیہ کیا؟ کہا کہ نہیں بلکہ رخصت دی ہے۔ تین بار مہینے ہیہ کے لئے پوچھا، مگر تینوں بار اُنہوں نے یہی کہا کہ نہیں رخصت دی ہے۔ پھر فرمایا کہ اجازت بھی نہیں صرف رخصت ہے۔ آپ جانتے ہیں رخصت اور اجازت میں کیا فرق ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ صرف آپ کر سکتے ہیں، دوسروں کو نہ سکھائیں۔ اجازت دیدیتا تو آپ اوروں کو سکھانے کے حقدار اور مختار ہو جاتے۔

راقم نے اِن باتوں کو فضول بکواس پر محمول کیا، کہ ظاہری فقیروں اور عام بھک منگوں کی یہی عادت ہوتی ہے۔ لیکن اس بات چیت کو دو مہینے ہی گزرے تھے کہ شاہ صاحب کا انتقال ہو گیا۔ یہ خبر سنکر میں ہشیار ہوا اور دل میں سوچا کہ بیشک یہ شخص پکا ولی تھا۔ دو مہینے پہلے مجھے اپنی موت سے آگاہ کر گیا۔ اُس اسم اعظم کا اثر بھی غالباً ضرور ہوگا۔ تاہم اِس وجہ سے عرصے تک عمل موقوف رہا کہ اُس کے وقت کی تعیین میں بڑی دشواری تھی، ورنہ پڑھنے اور کرنے میں تو آسان تھا۔ غرض دھیلے کا ہلکا مہ سر پر آ گیا۔ عام طور پر یہ خبر پھیل گئی کہ غلام قادر خاں، شاہ عالم بادشاہ کے بیٹوں کے ساتھ دوسرے دولت مند اور ذی عزت شاہزادوں کو بھی پکڑ کر لے جانے والا ہے۔ یہ خبر سنکر سب پریشان تھے۔ اکرم احمد خاں عرف مرزا مغل اور محمد عبدالمتقدر عرف مرزا طغل دونوں شاہزادے مجھ سے بہت زیادہ عقیدت رکھتے اور نازک معاملات میں مجھے بھروسا کرتے تھے۔ اُنہوں نے یہ وحشتناک خبر پا کر، منصفی طور پر مجھے لکھا کہ "اے ہمارے یارِ غم گسار! آپ کے پاس جو عمل ہے اُسے ہمارے کام میں لائیں، تاکہ رھیلادوسرے شاہزادوں کے ساتھ ہمیں قلعے سے نہ لے جائے۔" مہینے اُن کے اصرار پر عمل اسم اعظم شروع کر دیا۔ خود بھی اسکا اثر دیکھنا اور آزمانا تھا۔ خدا کے فضل

سے کچھ ایسا مؤثر نکلا کہ دھیلا دوسرے شاہزادوں کو لے گیا مگر ان دونوں کو ذرا سی حرکت بھی نہ دی۔ حالانکہ یہ بھی بڑے عزت دار اور دولت مند مشہور تھے۔ یہ اثر دیکھ کر میری ہمت اور بڑھی۔ اور اپنے مقصد کے لئے سرگرم ہو گیا۔ چند روز بعد پھر ہھیلا آیا، ادھر اُس نے سلاطین، شاہی متصل اور قلعے کے رہنے والوں کو لوٹنا شروع کر دیا، ادھر راقم نے اپنے اہل و عیال کی عزت، بچوں کی جانیں اور اپنا مال و اسباب بچانے کے لئے دوبارہ یہ عمل شروع کیا۔ خداے برتر کا ایسا فضل ہوا کہ ہماری آبرو میں اور بال بچوں کی جانیں سب محفوظ رہیں۔ ہمارا تمام مال و متاع بھی سلامت رہا، کچھ نقصان نہیں پہنچا۔ اس اجمال کی تفصیل اس مختصر نسخے میں دشوار اور باعث طول ہے۔ غرضکہ جب میں مکرر اس عمل کا اثر دیکھ چکا تو پورا اطمینان ہو گیا۔ اور اس ہنگامے کے فرو ہونے کے بعد نکل بھاگنے کھانگے پھر شروع کی۔ دو تین چلوں کے بعد ہی اس کے اثر کی برکت سے دشواری آسان ہو گئی۔ اب تو مجھے یقین ہو گیا کہ ضرور وہ بزرگوار کامل ترین اولیاء اللہ میں سے تھے۔ صورت میں انسان لیکن سمیرت میں فرشتہ تھے۔ اُن کی ذات گرامی بہت سی عمدہ صفات اور پسندیدہ اخلاق کی حامل تھی۔ کتب آثار میں جو صنعتیں میں نے اولیاء سلف کی دیکھی اور پڑھی ہیں، وہ ان میں پائی جاتی تھیں۔ یہ بات تو خاص طور پر پائی کہ کبھی انہوں نے اپنی زبان کسی شخص کی مذمت سے آلودہ نہ کی۔ ادنیٰ ہو کہ اعلیٰ مردہ ہو یا زندہ لیکن کبھی کسی کی غیبت اُن کی زبان سے نہیں سنی گئی۔ جب کبھی بات چیت یا زید عمرو کے ذکر اذکار میں کسی کے عیب اور برائی کا کچھ ذکر آجاتا تو فوراً خاموش ہو جاتے اور فرماتے تھے کہ فلاں کیا اچھا آدمی تھا، یا کیا اچھا انسان ہے۔ غرضکہ اُن میں بہت سی عمدہ صفات تھیں، مگر میں طول کتاب کے خوف سے لکھنا مناسب نہیں سمجھتا۔ [رحمۃ اللہ علیہ] قلعے سے نکلنے کے بعد سے لیکر آج تک پھر کبھی میں نے ایسا صاحب کمال نہ دیکھا۔ اتفاقاً اگر کبھی کسی بزرگ کا ذکر سنا تو اپنے قدیم ذوق کی بنا پر فوراً اُن کی ملاقات کو پہنچا، مگر سچ تو یہ ہے کہ ریا کی بو اور طلب دنیا کے سوا کچھ نہ پایا۔ آخر اپنی لغو حرکت پر نادم ہونا پڑا۔

اور ایک واقعہ

جس زمانے میں جے پور کے راجہ سے خط و کتابت اور اُس کے ذریعے عہد و پیمان مضبوط ہو رہے تھے، میں خفیہ طور پر اپنے فرار ہونے کی فکر میں لگا ہوا تھا،

تو اسی قسم کے ایک اور کامل نجومی سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ یہ شخص سرکار والا کے فوجی توپ خانے میں نوکر تھا، مہتاب رائے اُسکا نام تھا۔ وہ کسی تقریب سے ایک روز ہماری دیوڑھی پر نکل آیا۔ سرسری طور پر میں نے اُس سے پوچھا کہ: سلتنا ہوں آپ نجوم خوب جانتے ہیں، اچھا یہ تو بتائیے کہ اِن دنوں ہماری قسمت کا ستارہ کس حالت پر ہے؟ اِس نے پہلے تو ایک تلکے سے طلوع آفتاب کی بلندی ناپی، پھر کاغذ کے ایک پرزے پر میرا نام اور سوال سے مہرے طالع کا زائچہ نکال کر لکھا۔ پھر اُس کو دیکھ کر ہنسا اور کچھ سوچنے لگا۔ میں نے پوچھا کہ بتاؤ تو کیا پتہ چلا۔ اُس نے جواب دینے میں ذرا توقف سے کام لیا۔ مجھے گمان ہوا کہ شاید زائچے میں طالع کی کمزوری نظر آئی، جبھی یہ بتانا نہیں چاہتا، خاموش ہے۔ پھر میں نے کہا: تمہیں اپنے دھرم کی قسم ہے جو کچھ بھی نجوم کی رو سے معلوم ہوا ہے، صاف صاف کہدالو، اپنی طرف سے کوئی کمی بیشی نہ کرو۔ نجومی کہنے لگا 'کیا کہوں' جس شخص کے طالع میں تین ستارے حالت شرف میں ہوں، وہ بادشاہ ہوتا ہے۔ اِس وقت آپ کے طالع کے ڈھائی ستارے مقام شرف میں ہیں۔ وزارت کے درجے سے ترقی کر چکے ہیں۔ اِس عرصے میں جناب والا اگر ارادہ کریں گے تو سلطنت بھی مل جائیگی۔ اِس سے زیادہ میں کیا کہوں۔۔۔ میری سنبھتہ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ قہد سلاطنتی میں یہ صورت کیوں کر ممکن ہے۔ کیوں کہ اس قیدخانے میں تو لفظ سلطنت بھی زبان سے نکالنا نہایت خطرناک اور بڑا جرم ہے۔ خواجہ سرا اور شاہی پیادے ہم پر مسلط ہیں، جو ہر وقت حاضر اور ہماری نکالنا نہیں تارتے دھتے ہیں۔ یہ سوچکر میں بجائے خود خوفزدہ سا ہو گیا۔ اور بات کا رخ پھیر کر اُس سے کہا: "میاں! ہم سے کیا دل لگی کرتے ہو، ہم قہد یوں سے اس قسم کے مذاق کی باتیں اچھی نہیں دیاؤں تو نہیں ہو گئے ہو، جو اس طرح کی لغو باتیں بک رہے ہو۔ خدائے تعالیٰ شاہ عالم بادشاہ کو ہمارے سروں پر سلامت رکھے۔ یوں بھی گویا یہ سلطنت ہماری ہی ہے۔" یہ کہہ کر جھٹ مہلے پان کا بیڑا دے کر نجومی کو رخصت کیا اور اب میں اِس نیک فال کے انتظار میں رہنے لگا۔ آخر یہی ہوا کہ دو مہینے کے قلیل عرصے میں مجھے قلعے سے نکل بھاگنے کا موقع مل گیا۔ چیرپور اور چودھپور کے راجاؤں نے مہرے لئے تفت اور چتر بھی بلوائے اور بہت قابل قدر خدمتیں انجام دیں۔

ایسا ہی اور ایک واقعہ

جس زمانے میں اس گمنام کے والد ماجد اور کئی محترم چچا، اس زندگی مستعار کی قید میں تھے، میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ علامت روزگار تھی۔ فارسی علوم اور قدرے عربی میں بھی داخل رکھتی تھی۔ علم تکسیر میں بے نظیر تھی، شکستہ خط خوب لکھتی تھی، اور اپنے کو سیدانی بتاتی تھی۔ اتفاق سے کتلیوں کے فریب میں آکر، ہمارے چچیرے بھائیوں میں سے ایک صاحب نے اسکی بیٹی کے ساتھ نکاح کر لیا۔ لیکن جلد ہی دنوں میں، میان بیوی میں ان بن ہو گئی، رات دن لڑائی جھگڑے رہنے لگے۔ یوں تو اس نا اتفاقی کے اور بھی بہت سے اسباب تھے۔ مگر سب سے بڑی وجہ دُلہا کی ماں کی بد مزاجی اور سختی تھی۔ اکثر عورتوں کی عادت ہے کہ اپنی بہو کے ساتھ دشمنی کرنے لگتی ہیں، جھگڑے فساد کراتی رہتی ہیں، میان بیوی میں اختلاف پیدا کرانے سے کبھی چوکتی ہی نہیں، بہو ساس کے گھر میں آئی اور فتنوں کا دروازہ کھلا۔ غرض اُدھر یہ سختی تھی، اُدھر دلہن کی ماں اور خالہ اپنی بیٹی کی حمایت پر اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ یہاں تک کہ چند مہینے کے بعد ہی اپنے داماد کو خنیفہ طور پر زہر دیکر مارتا والا اور ایک ہی رات میں ہمیشہ کیلئے دفع کر دیا۔ بڑی عجیب بات یہ ہے، جو ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ خدا جانے کس فریب یا جادو، یا علم تکسیر کے زور سے اُسی رات مرحوم کی ماں، باپ، بھائی اور چچاؤں کو کچھ ایسا رام کیا کہ مرحوم کے دفن ہونے تک، سبکو اپنی بیٹی کا مطیع بنا لیا۔ حالانکہ دفن میں زیادہ سے زیادہ آدھا دن صرف ہوا ہوگا۔ مطیع بھی ایسا کہ ہر ایک کی طبیعت بس دلہن کی رضا جوئی اور خوشنودی پر متوجہ تھی۔ مرتے والے کا غم بالکل بھول گئے تھے۔ کئی ہفتے تک مینے یہ رنگ دیکھا تو مجھے بڑا تعجب ہوا۔ آخر ایک روز مرحوم کی ماں سے پوچھا کہ آپ نے اتنی جلدی اپنے پیارے بیٹے کا غم کیوں کر بھلا دیا۔ جس بہو سے رات دن لڑائی جھگڑا رہتا تھا، جوان بیٹے کے مرتے ہی اُس کی اس قدر مطیع ہو گئیں، اور خوش خوش زندگی بسر کر رہی ہیں۔ یہ کیا ماجرا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ”میں تم پر وادی! روئے اور غم کرے تو وہ جس کا بیٹا مر گیا ہو، میں خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میرا بیٹا تو روزانہ رات کو خوب بن نہیں کر اپنے گھر آتا ہے اور مر صغ چھپرکھت پر دلہن کے ساتھ سوتا ہے۔ قسم قسم کے کھانے اور طرح طرح کے میوے مہیا رہتے ہیں۔ ہم بھی کھاتے اور خوش ہوتے ہیں۔“ رفتہ رفتہ راقم

نے دیکھا کہ اس ظالم کے جادو یا عمل تسخیر کا اثر اس درجے تک پہنچا کہ بہادر شاہ بادشاہ کے بیٹے شہزادہ رفیع الشان کی بیٹی بھی اُس کی تعظیم کے لئے اُتھ کھڑی ہوتیں اور ادب سے سلام کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ یہ جادو بھری باتیں مزے مزے کے ساتھ نقل ہو ہو کر حضرت قدر قدرت کے کانوں تک بھی پہنچیں۔ بادشاہ بھی متاثر ہوے اور اُس کی منہ مانگی مرادیں پوری کر کے اُسے قلعہ مبارک سے باہر نکلوا دیا۔ یہ قصہ بہت طویل چاہتے ہیں۔ اس مختصر کتاب میں ان کی گنجائش کہاں۔

ایساہی اور ایک واقعہ: مرزا مغل اور مرزا طغل کے والد ماجد شاہزادہ مرزا بابا علاء الدولہ کی وفات کے بعد کم و بیش ایک ہفتے کے اثنا میں یقین شاہ نامی ایک پردیسی جادوگر و عزیمت خواں یہاں آیا۔ بعض تقریبات کے سلسلے میں اس کی رسائی قلعہ مبارک میں بھی ہو گئی۔ یہ ادھیڑ عمر کا آدمی تھا۔ اپنے مکر و فریب اور شعبدہ بازی کی بدولت مرزایان موصوف اور راقم کی ذیوڑھی پر بھی آپہنچا اور اپنی کرامتیں دکھانے لگا۔ مگر یہ کرامتیں نہیں بلکہ حقیقت میں استدراج تھیں۔ اس کی بہت سی عیاریوں میں سے اس وقت ایک شعبدہ یاد آیا وہ حوالہ قلم کرتا ہوں:

”ایک رات مرزایان مذکور نے اپنے مرحوم باپ کو خواب میں بالکل برہنہ دیکھا۔ بہت متفکر ہوے اور صبح اُس مکار سے اپنے خواب کی تعبیر چاہی۔ اس نے کہا کہ مرحوم کے جوڑوں میں سے کچھ کپڑے کسی بزرگ فقیر کو دیدیجئے۔ اُنہوں نے ایسا ہی کیا۔ مگر دوسری رات کو پھر دونوں نے اپنے باپ کو خواب میں ویسا ہی نلکا دیکھا۔ صبح کو پھر اسی عیار سے تعبیر پوچھی۔ اس نے جواب دیا کہ آپ لوگوں نے جس شخص کو مرحوم کے کپڑے دیے ہیں وہ غالباً مستحق نہ ہوگا، کسی اور کو دیجئے۔ جو اس سے زیادہ بزرگ اور صاحب کمال ہو، تب ضرور آپ اپنے والد مرحوم کو لباس پہنے ہوے دیکھینگے۔ دونوں عزیز بیٹوں نے مرحوم کے لباس فاخرہ میں سے چند کپڑے نکال کر اُسی کی خدمت میں پیش کئے، اور کہا کہ ہمیں تو جناب سے بہتر کوئی اور بزرگ نظر نہیں آتے۔ آپ ان کو قبول فرمائیں۔ بےحد اصرار کے بعد شاہ یقین نے وہ کپڑے لے لئے، اور اپنے گھر رکھے آیا۔ اسی رات دونوں مرزاؤں نے خواب میں دیکھا کہ مرحوم باپ وہی لباس پہنے ہوے ہیں۔ اب تو وہ بہت خوش ہوے اور صبح ہوئے ہی یہ خواب اپنے عزیزوں کو سنایا۔ سب کے سب خوش اور

مسرور ہوئے، اور اس مکار کے زیادہ عقیدت مند ہو گئے۔ دوسری رات پھر مرحوم خواب میں نظر آئے، اپنے بیٹوں سے اپنی تلوار اور دوسرے ہتھیار طلب کئے اور کہا کہ جو کچھ تم یقین شاہ کی معرفت میرے نام بھیجو گے، اسی وقت مجھے پہنچ جائیگا۔ صبح ہوتے ہی اس خانہ خراب کی ہدایت کے موافق فرزندوں نے باپ کے سب ہتھیار اسی عیار کے پاس پہنچا دیئے۔ قصہ جو کچھ مکر و فریب وہ جانتا تھا، سب کر دالے۔ متوفی کا تمام قیمتی سامان، اور نقد روپیہ ان کے وارثوں سے گھسیت لیا۔ اس کے بعد جو کچھ سرمایہ مرزا مغل کے پاس تھا، وہ بھی اس کے فریب میں آکر کھو بیٹھے۔ اپنے آپ کو اس کے ہاتوں بالکل مفلس بنا لیا۔

یقین شاہ کا دستور یہ تھا کہ وہ ہمیشہ دہلی کے تمام مشائخ کی ہجو کرتا رہتا، بلکہ حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شان میں بھی حد درجہ بے ہودگی اور حقارت کا اظہار کیا کرتا تھا۔ یوں وہ اپنی عقیدت اور ارادت بڑھاتا رہتا تھا۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ مرزا مغل، مرزا طفیل اور ان کی بہن فقیرہ بیگم عرف چیوننا بیگم کی طبیعتیں دہلی کے دوسرے بزرگوں مثلاً خواجہ میر درد، مولانا فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی عقیدت سے ایسی برگشتہ ہو گئیں کہ ان لوگوں کے دلوں میں بزرگوں کا کچھ مرتبہ ہی نہ رہا۔

یاد رہے کہ مرزا مغل و مرزا طفیل رشتے میں گو میرے چچا ہوتے ہیں۔ لیکن دونوں اپنے ذاتی نازک معاملات اور راز کی باتوں میں ہمیشہ مجھ سے مشورہ لیتے تھے۔ ترکی زبان سمجھنے اور اپنے طبع زاد اشعار کی اصلاح کھلنے بھی میری ہی طرف رجوع کرتے تھے۔ مگر اس نامبارک دنوں میں جبکہ ان پر یقین شاہ کا اثر تھا۔ میرے ساتھ ان دونوں کا وہ سلوک نہ رہا۔ پھر بھی میں انہیں اس مکار سے ہشیار رہنے کی تاکید اور نصیحت کرتا رہتا تھا۔ یہ خبر اس مردود کو بھی پہنچ گئی۔ وہ میرا جانی دشمن ہو گیا اور اک دم مجھ سے ملنا جلنا ترک کر دیا۔ تاہم مرزا مغل و مرزا طفیل مجھے برابر متواتر خط لکھتے اور روزانہ آگاہ کرتے رہتے تھے کہ آج شاہ صاحب کی یہ کرامت دیکھی، اور کل یہ معجزہ مشاہدے میں آیا۔ آپ ہی فرمائیے پھر ہم شاہ صاحب کے کیوں کر معتقد نہ ہوں۔ ایک روز مرزا مغل نے مجھے لکھا کہ: اے ہمارے دوست شاہ صاحب کی بہت سی کرامتیں دیکھنے میں آئیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ جو تماشا میں دیکھنا چاہتا ہوں، شاہ صاحب سے کہتا ہوں، وہ ایک

تعوینڈ دیتے ہیں۔ اور ہمیں اسکے عمل میں لانے کی ترکیب بتاتے ہیں۔ ان کی سسجھائی ہوئی ترکیب کے موافق ہم ایک حجرہ خلوت میں بیٹھ کر عمل کرتے ہیں۔ تو سینکڑوں سفید و سیاہ رنگ کے پستہ قد آدمی نظر آتے ہیں۔ اور عجب عجب تماشے دکھاتے ہیں۔ جس رات ہمارا جی چاہتا ہے شاہ صاحب کی ہدایت کے موافق عمل کر کے یہ تماشے دیکھ لیتے ہیں۔ 'استغفر اللہ ملہا' غرض اس خبیث کا استدراج بار بار دیکھ کر مرزاؤں کا اعتقاد اس درجے کو پہنچ گیا کہ مرزا مغل بے اختیار اسکے مرید ہو گئے۔ لیکن ابھی مرید ہونے سے ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ یکایک دونوں بھائیوں کی آنکھیں کھلیں۔ عقیدت اور ارادت، عداوت و نفاق سے بدل گئی۔ دوستی دشمنی کی حد تک پہنچ گئی۔ ناگاہ مجھے مرزا مغل کا ایک نہایت طویل خط ملا، جو انہوں نے خفیہ طور پر ترکی زبان میں لکھ کر کمال احتیاط کے ساتھ ناظر عنایت رسول خاں کے ہاتھ میرے پاس بھیجا تھا۔ اس خط کا لفظ لفظ اور حرف حرف بے ایمان شاہ یقین کی شعبدہ بازی و عیاری کی شکایت، دغا بازی اور ابلہ فریبی کے گلے سے بھرا ہوا تھا۔ انہوں نے لکھا تھا کہ: اے یار غم گسار! اس عیار کے جادو کا اثر اب ہم سے دور ہو چکا ہے، ہم سمجھ گئے کہ اُس مردود نے ناحق ہمارا حال برباد کیا۔ اب ہماری جان لینے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس وقت ہماری بڑی بہن قتلت بیگم عرف جیونا بیگم کو مالدار دیکھ کر فریب میں لایا ہے۔ جو مرزا جوان بخت ولی عہد بہادر کی محل خاص ہیں۔ ہر روز اُن کا مال اُڑا لے جاتا ہے۔ خدارا جس طرح بھی ہو سکے اس موذی کو شہر سے دفع کرائیے۔ ورنہ اگر یہ راز ظاہر ہو گیا تو ہماری جانوں کی خہر نہیں۔"

بات یہ ہے کہ جیونا بیگم کے شوہر میرزا جوان بخت ولی عہد بہادر بادشاہ کی بغیر اجازت قلعہ مبارک سے فرار ہو کر چلے گئے تھے اور ان دنوں لکھنؤ میں تشریف رکھتے تھے۔ جیونا بیگم اپنے شوہر سے ملنے کے لئے دیوانہ وار بیقرار تھیں۔ وہ چاہتی تھیں کہ خواہ کتنا ہی زیادہ روپیہ خرچ ہو، مگر وہ کسی طرح اپنے شوہر کے پاس پہنچ جائیں۔ عورتوں کے مذہب کے موافق وہ ہر وقت تعویذ گندوں کی تلاش و طلب میں پھرزاؤں کی طرف متوجہ رہتی تھیں۔ مکار شاہ یقین حقیقت حال کو تازہ کیا۔ اُس نے بیگم صاحبہ موصوفہ سے سوال و جواب کر کے اقرار کر لیا کہ مہینے رات کے وقت غیبی موکلوں کے ذریعے آپ کو لکھنؤ پہنچا دیتا ہوں۔ یہ میرا ذمہ ہے۔ اس حیلے سے تقریباً سال بھر تک

اُن کو طرح طرح کے شعبدے دکھاتا اور لکھنؤ پہنچانے میں تال مٹول کرتا رہا۔ اس سلسلے میں اُس نے بیگم صاحبہ کی سرکار سے ایک بڑی رقم کھینچ لی اور خوب مالدار بن گیا۔ آخری استدراج یہ تھا کہ ایک روز اُس نے بیگم صاحبہ کو ایک تعویذ دیا۔ اور ترکیب بتائی کہ اس طرح عمل کر کے آدھی رات کو پیچھے کے کونے پر اپنے سونے کے پلنگ پر اپنا جڑاؤ زیور اور ضروری گران قدر سامان جتنا بھی پلنگ پر ساسکے، لیکر بیٹھ جائے۔ اور ہرگز خوف نہ کھائے، خدا کی قدرت کا تماشا دیکھئے کہ غیبی موکل کیوں کرتے ہیں۔ اور پلنگ سمیت آپ کو لے جا کر منزل مقصود پر پہنچاتے ہیں۔ جب رات ہوئی تو بیگم صاحبہ اس مکار کی ہدایت کے موافق تیار ہو گئیں۔ اُنہوں نے دیکھا کہ پلنگ چھت کی سطح سے کوئی ایک گز بلند ہوا۔ مگر پھر اتر کر وہیں آگیا۔ اسکے بعد وہ دیر تک اِس امید و انتظار میں رہیں کہ اب پلنگ روانہ ہوتا ہے، مگر پھر کچھ نہ ہوا۔ صبح ہوتے ہی بیگم صاحبہ نے رات کا سارا ماجرا لکھ کر اُس مکار کے پاس بھیجا، اُس نے جواب دیا کہ میں نے جو طریقے بتائے تھے، ضرور آپ سے اُن میں کوئی کوتاہی ہوئی ہے۔ خیر کچھ مضائقہ نہیں، گھبرائے نہیں، میں پھر آپ کی خاطر اپنے اوپر اور ایک چلے کی محنت اُتھاتا ہوں اور جلد آپ کو منزل مقصود پر پہنچا دیتا ہوں۔ اِس کے بعد بیگم صاحبہ سے دس روز کیلئے سفر کی اجازت لیکر کسی طرف چل دیا۔ اور ایسا غائب ہوا کہ ہر چند بیگم صاحبہ نے لوگوں کو تلاش میں اُدھر اُدھر دوڑایا مگر کہیں اُسکا پتہ نشان نہ چلا، سب ناکام و نامراد واپس آئے۔

علم تکسیر کے جاننے والے کہتے ہیں کہ اِس فن کی کتابوں میں گوشت وغیرہ کھانا ممنوع لکھا ہے۔ لیکن اِس مکار کو جب دولت نصیب ہوئی تو یہ گوشت وغیرہ کھانے سے باز نہ رہ سکا، نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا عمل کامیاب نہ ہوا۔ اور جب اِس نے یہ دیکھا کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا پردہ فاش ہونے والا ہے تو کہیں بھاگ گیا، اور آرام سے کسی گوشہ گمنامی میں جا چھپا۔ میں اگر مکار کی پوری پوری حقیقت لکھوں تو ایک مستقل کتاب مرتب ہو جائے گی، اور بہت طول ہوگا۔ اِن واقعات کے دہرانے کا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ جب سے میں قلعہ مبارک سے نکلا، پھر کہیں کوئی ایسے کمالات والا آدمی میری نظر سے نہیں گزرا۔ نہ علم علوی میں اور نہ علم سفلی میں۔ البتہ فسانوں کی طور پر بہت کچھ سنانے میں آیا۔

ایسا ہی اور ایک واقعہ: حضرت خواجہ ابوالعلاء خواجہ محمد مہار اور خواجہ نور اللہ نقشبندی اکبر آبادی رحمۃ اللہ علیہم بڑے کامل و بزرگ اولیاء اللہ گزرے ہیں۔ ان حضرات کی کرامتوں اور خرق عادات کے تذکرے متاخرین مصنفوں کی کتابوں میں بہت کچھ مذکور اور مشہور ہیں۔ اس مختصر کتاب میں ان کے بیان کی نہ ضرورت ہے اور نہ گنجائش۔ میری والدہ ماجدہ انہیں بزرگوں کی اولاد میں تھیں۔ اکثر اوقات اس قسم کی کرامتوں کی باتیں حضرت والدہ ماجدہ اور دوسری عصمت مآب مستورات سے متواتر سرزد ہوتی رہتی تھیں۔ خاصکر نواب تاج محل بیگم صاحبہ سے جو محمد شاہ فردوس آرام گاہ کی محل عالیہ اور میری والدہ کی نانی تھیں۔ ان خواتین کی عصمت و عفت کے متعلق عجیب عجیب روایتیں ہیں۔ ان میں سے صرف ایک واقعہ لکھتا ہوں۔ میں نے یہ واقعہ اپنی والدہ ماجدہ کے ماموں اور بیگم صاحبہ موصوفہ کے حقیقی بھانجے سے سنا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ ”ہماری خالہ صاحبہ نواب تاج محل مرحومہ نے اپنے بیٹوں حقیقی بھائیوں اور بہنوں کی اولاد میں سے کسی دودہ پیتے بچے تک کو اپنی گود میں نہیں لیا۔ وہ فرماتی تھیں کہ مجھے مرد کی ذات سے حیا آتی ہے۔ ننھا اور کسن بچہ ہی کہوں نہ ہو۔ اپنے بالغ ہونے سے مرنے تک کبھی بیگم صاحبہ نے کسی حکیم کو اپنی نبض اور قارورہ نہیں دکھایا۔ جس وقت وہ مرض الموت میں مبتلا ہوئیں، ان کے بیٹے احمد شاہ بادشاہ کا عہد حکومت تھا۔ فرزند عزیز نے جناب عالیہ کے حضور میں عرض کی کہ اس وقت حکیموں کو نبض دکھانا ضروری ہے تاکہ تھیک علاج ہو سکے تو فرمایا کہ اے نور چشم! میری ساری عمر اس طرح گذری ہے کہ تمہارے والد مرحوم کے سوا کبھی کسی غیر مرد کا ہاتھ میرے ہاتھ کو نہیں لگا۔ اب کہ زندگی کا آخری وقت ہے، خدا نہ کرے ایسا ہو۔ اتنا فرمایا اور اپنی جان عزیز خازنان بہشت کے حوالے کر دی۔“

ایسی ہی عصمت و عفت میں اپنی آنکھ سے، اپنی والدہ ماجدہ کی دیکھی ہے۔ مجھے یاد نہیں کہ کبھی انہوں نے اپنے بھتیجوں کو محبت سے گود میں لہا ہو۔ بلکہ لڑکے جب چار سال سے زیادہ عمر کے ہوتے تھے تو ان سے اپنا چہرہ چھپانے لگتی تھیں۔ پھر کبھی آمناسامنا نہ ہوتا تھا۔ ماں اور باپ دونوں کی جانب سے ہماری نسل و اصل میں کوئی فتور واقع نہیں ہوا۔ مگر تقویٰ اور طہارت میں بڑا قصور ہوتا رہا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن مجید

کی اس نص قطعی کے بموجب 'اقر بکم اتقاکم' تقویٰ اور طہارت نہ ہونے کی وجہ سے، کرامات اور خرق عادات کی راہوں سے ہم سب دور جا پڑے ہیں۔ ہم نے اپنے اوپر گمراہی کے دروازے کھول لئے ہیں۔ بھلا پھر ہم سے کرامت اور خرق عادت کیا ظاہر ہو۔ البتہ شاہ عالم بادشاہ اور چند دوسرے بزرگوں کے بہت سے ایسے واقعات ہیں، جو کرامت کہے جاسکتے ہیں۔ لیکن اُن کا بیان بھی طوالت بیجا سے خالی نہیں۔ صرف اپنے چند خواب اس مختصر کتاب میں لکھتا ہوں، 'والله الهادی الے سبیل الرشاد'۔

راقم کے چند خواب

قلعہ مبارک سے نکلنے سے پانچ سال پہلے کا واقعہ ہے کہ ایک رات میں نے یہ خواب دیکھا کہ "قلعے کی مغربی دیوار شق ہو گئی ہے اور میں باہر نکل کر جنوب جانب روانہ ہو گیا۔ چلتے چلتے شام کے وقت ایسی جگہ پہنچا، جہاں کسی بزرگ کی درگاہ تھی۔ یہ عمارتیں عالی شان ہیں، شان و شوکت کے کارخانے ہیں۔ مزار کے آس پاس بلند کتھرے ہیں۔ اتنے اونچے کہ میں مزار شریف پر پہول چڑھانا چاہتا ہوں تو میرا ہاتھ نہیں پہنچتا۔ بارے بہزاد دشواری میں اس کام کو انجام دیا،۔۔۔ قلعہ مبارک سے نکل کر جب میں اجیبر شریف میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ کی درگاہ پر پہنچا تو بے کم و بیش وہی حالات اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کئے جو خواب میں دیکھے تھے۔

ایک اور خواب: اپنے فرار سے تین چار مہینے پہلے کا ذکر ہے کہ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ قریب قریب شام کا وقت ہے۔ ہمارا دروازہ معمول کے موافق بند ہو چکا ہے۔ اتنے میں کوئی عورت میرا نام لیکر پکارتی ہے کہ لچھی دروازے پر کھڑی ہوئی تمہیں بلا رہی ہے۔ (لچھی ہندوؤں کے عقائد کے موافق دولت کی دیوی کا نام ہے) پھر کسی دوسرے شخص نے کہا: کیا لچھی صرف بڑے مرزا کو بلاتی ہے، یا اوروں کو بھی۔ تب میں نے سنا کہ لچھی نے پکار کر کہا: میں بڑے مرزا ہی کے پاس آئی ہوں۔ میں اسی وقت اپنے گھر سے نکل کر لچھی کے پاس گیا۔ اُس نے دروازے کے باہر سے، کواڑ کی درزوں میں سے مجھے دیکھ کر کہا کہ میں تمہارے ہی پاس آئی ہوں، کیا ابھی آجاؤں۔ میں نے کہا آؤ۔ لچھی بولی کہ آجاؤں تو میرے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟ میں نے کہا:

جو کچھ مجھ سے ہوسکیگا۔ لچھمی نے کہا: بہت اچھا میں آتی ہوں۔ اتنی ہی بات چہت ہوئی تھی کہ میری آنکھ کھل گئی۔

چند ماہ کے بعد میں قلعے سے نکلا۔ جے پور پہنچا تو راجاؤں نے مجھے سلطنت کی دعوت دی۔ میرے لئے تخت اور چتر بنوائے۔ لیکن نہ معلوم مجھ سے کیا بد سلوکی عمل میں آئی، اور لچھمی کی خدمت میں کیا کوتاہی ہوئی کہ بہت جلد حالات بدل گئے۔ سلطنت کا معاملہ یونہی مبہم اور مہمل رہ گیا۔

ایک اور خواب: ماہ محرم کی دسویں تاریخ کی رات تھی، قلعہ مبارک کا باروت خانہ نویں کی صبح کو جل چکا تھا۔ ہم سب لوگ غلام قادر کے ہلکے کی وجہ سے بیدار تھے۔ قسم قسم کی آفتیں اور بلائیں نازل ہو رہی تھیں۔ اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کیلئے کمر باندھ کر تیار و ہشیار تھے۔ غلام قادر اپنی فوجوں کو لیکر قلعے سے فرار ہونے کا ارادہ کر رہا تھا۔ آخر آدھی رات کے بعد قلعہ مبارک کے دروازے اندر کی جانب سے، لوہے کی مہنوں سے بند کر کے نہلی چھتری کے رستے سے باہر نکل گیا۔ اپنا لشکر اور اسباب بھی لے گیا۔ قلعہ غنیم سے خالی ہو چکا تھا۔ پھر کیا دیکھتا ہوں کہ چار گھڑی بعد اس کسبخت کی راے بدلی۔ پھر ہم سب سلاطین کے قتل کے لئے اپنی فوجیں لیکر قلعہ مبارک میں گھس آیا۔ ان دیو صفت افغانوں کی ہو ہا سے سارا قلعہ لرز رہا تھا۔ قیدیوں میں سے ہر ایک کو اپنی عزت اور جان کے لالے پڑے تھے۔ اسی حالت میں میرے دماغ پر اونگھ کا غلبہ ہوا، جو نیند کی پیش خیمہ ہے، جو حواس ظاہری کو درہم و برہم اور بیکار کر دیتی ہے۔ میں اسی طرح کمر کسے ہوئے بستر پر پڑ جاتا ہوں، اور جیسے ہی غافل ہوتا ہوں، کیا دیکھتا ہوں کہ کسی شخص نے پوری قوت سے تلوار کا ہاتھ یا چابک میری پیٹھ پر مارا۔ مجھے بہت درد محسوس ہوا، اسی وقت آنکھ کھل گئی، نیند سے ہشیار ہو کر اُتھ بیٹھا اور یہ سمجھا کہ ضرور کسی دشمن نے وار کر کے مجھے زخمی کر دیا ہے۔ فوراً اپنی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا تو زخم کا کوئی نشان و اثر نہ پایا۔ لاجول ولاقوۃ الابلہ پڑھی اور پھر کروت بدل کر لیت رہا۔ مگر جیسے ہی ذرا غافل ہوا، ایک ہولناک آواز سنائی دی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ فضا تاریک ہو گئی ہے۔ پتھر اور اینٹیں آسمان سے برس رہی ہیں۔ صوتیں تو نظر نہیں آتیں۔ مگر ایک دوسرے کی ہاے واریلا کی آوازیں کانوں میں

پہنچ رہی ہیں۔ پھر دوبارہ میں گہرا کر جاگ پڑا۔ اسکے بعد نہ سویا، دیکھا کہ نماز صبح کا وقت ہے۔ بھر کیف فریضہ صبح کی دو رکعتیں ادا کر کے چھت پت حفاظت کے خیال سے دیوڑھی پر پہنچ گیا۔ اور منتظر تھا کہ دیکھئے غیب سے کہا لطیفہ ظہور میں آتا ہے۔ اتنے میں اکدم وہی بھیانک آوازیں وہی فضا کی تادیکی، وہی پتھروں اور اینتوں کی بادش، وہی لوگوں کی واویلا ظہور میں آئی، جو خواب میں دیکھی تھی۔

اس قسم کے سچے خواب اکثر قلعہ مبارک میں مجھے دکھائی دیتے تھے۔ اب تو مدت سے ایسا کوئی اتفاق پیش نہیں آیا۔

میں علم رمل میں بھی تھوڑا بہت دخل رکھتا ہوں۔ اور میرے نکالے ہوئے اکثر احکام ایسے مطابق واقعہ ثابت ہوئے کہ حیرت ہوتی تھی۔ چار مہینے پہلے ہی شاہ یقین کے دفع ہونے کا مہینا لکھ کر مرزا مغل اور مرزا طغل کے پاس بھیج دیا تھا۔ اور غلام قادر کی گرفتاری، پھر شاہ عالم کی تخت سلطنت پر واپسی کا حال بقید ماہ و تاریخ رمل کے قرعے سے نکال کر دو مہینے پہلے ہی ایک تختی پر لکھ لیا تھا۔ اپنے تمام بھائیوں کو بھی دکھادیا تھا کہ پریشانی دور ہو۔ یہی نہیں بلکہ خفیہ طور پر شاہ عالم بادشاہ کے حضور میں بھیج دیا تھا۔ غرض کہ ویسا ہی وجود میں آیا۔ ایک بار اکبر شاہ ولی عہد بہادر، مرزا مغل، مرزا طغل کے ساتھ اپنے بھائیوں اور چند چچاؤں کو لیکر مہرے مکان پر تشریف لائے تھے۔ اُس وقت وہ لوح انہیں بھی دکھائی تھی۔ جب غلام قادر غدار کا ہنگامہ گرم ہوا، عین شدت کی حالت تھی، وہ غدار بڑے بڑے شاہزادوں کی عزت لے رہا تھا۔ اُن کے گھروں کو لوٹ کر مال و اسباب بالکل غارت کر رہا تھا، تمام بھائیوں نے اصرار کیا کہ رمل کے ذریعے قرعہ نکالنا چاہئے کہ آخر کار ہم پر کہا بیٹنا پڑے والی ہے۔ گو میں نے بہت انکار کیا کہ غیب کی باتوں اور رازوں کو جاننے والی صرف پروردگار کی ذات ہے۔ مگر جب ان کا اصرار بہت زیادہ ہوا اور تکرار حد سے بڑھ گئی تو ناچار نہایت عاجزی و زاری کے ساتھ اپنے پیدا کرنے والے خدا کی بارگاہ میں اپنی آئندہ حالت کے متعلق سوال کیا، اور قرعہ ڈالا۔ دیکھا کہ تمام شکلیں خوریت اور سلامتی حال کی خبر دیتی ہیں۔ مجھے بہت حیرت ہوئی، دم بخود رہ گیا، مگر یقین نہیں ہوا۔ دل میں سوچا کہ جو کچھ حالات بظاہر نظر آ رہے ہیں، انہیں کے موافق بیان کروں۔ قرعے میں جو کچھ نکلا ہے، ان لوگوں سے نہ کہوں۔ میں اسی

سوچ میں تھا کہ میڈری خاموشی اور تردد کو ان لوگوں نے بد فالی پر محمول کیا۔ اور نہایت سخت قسم دیکر کہا کہ خدارا امانت داری سے کام لیجئے اور اشکال رمل کے موافق حالات بیان کیجئے اپنی طرف سے کچھ نہ کہئے۔ ان کے قسم دینے پر مجھے بھی تذبہ ہوا۔ اپنے دل میں سوچا کہ غیب سے جو کچھ بیان کرنے کا مجھے حکم ہوا ہے، وہی کہنا چاہئے۔ بے شک اُسکے خلاف بیان کرنا خیانت ہے۔ غرض کہ جوش مسرت سے میں چلا پڑا کہ آپ سب صاحبوں کو خوش خبری ہو۔ قرعہ اور رمل کی تمام شکلوں کے ذریعے غیب سے مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ ہم پر کسی قسم کے نقصان کا اثر نہ پڑے گا۔ بلکہ جو ہماری پناہ میں آجائیکا وہ بھی محفوظ اور صحیح و سلامت رہیگا۔ آگے چلکر واقعات اسی قرعے کے مطابق پیش آئے۔ ہم لوگ اُس منعم حقیقی کا شکر یہ بجلائے۔ ان حالات کو دہلی میں خاص و عام سب جانتے ہیں اور جرأت و ہمت کے مواقع پر مثال کی طور پر بیان کرتے ہیں۔

ان حالات سے دو سال پہلے کا ذکر ہے کہ ہماری ڈیوڑھی پر ایک خواجہ سرا غلام محمد نامی متعین تھا۔ یہ نہایت متقی اور فقیر دوست آدمی تھا۔ ایک روز صبح سویرے وہ سیرے پاس آیا اور عرض کی کہ حضور آج رات میں نے خواب میں ایک عجیب و غریب واقعہ دیکھا ہے۔ مجھے دریافت کیا وہ کہا خیر تو ہے؟ غلام محمد نے بیان کیا: میں نے یہ خواب دیکھا کہ دہلی میں ایک قیامت خیز ہنگامہ اور شور و غل برپا ہے۔ سلطنت برباد ہوئی اور ہر ایک مصیبت میں گرفتار ہے۔ اتنے میں کہا دیکھتا ہوں کہ دو جھنڈے بلند ہوئے۔ اور ایک شخص پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ پہلا جھنڈا بڑے مرزا علی بخت کا ہے اور دوسرا مرزا جان کا۔ (یہ مرزا ہمایوں بخت کے علائی بھائیوں میں سے تھے۔) جو کوئی ان جھنڈوں کے نیچے آجائیکا، ہر آفت سے محفوظ رہیگا۔ یہ سنتے ہی میں دوڑا اور قریب پہنچا تو دیکھا کہ پہلے جھنڈے کے نیچے آپ خدم و چشم کے ساتھ کھڑے ہیں۔ دوسرے جھنڈے کے نیچے مرزا جان بڑی شان و شوکت کے ساتھ قیام پزیر ہیں۔ لوگ آکر دونوں جھنڈوں کے نیچے پناہ لیتے ہیں اور مصائب سے نجات پاتے ہیں۔ یہ خواجہ سرا معتبر آدمی تھا۔ اسکی زبانی یہ واقعہ سنکر میں نے یہ سمجھ لیا اور بہت مسرور ہوا کہ میرے حق میں یہ خواب غیبی خوش خبری ہے۔ خواجہ سرا کو میں نے یہ تعبیر بتائی کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

انشاء اللہ تم فدویوں کے اس خواب ہی کے موافق ہوگا اور تمام خلق اللہ کی سلامتی دھیگی۔ اس کے بعد جب یہ قیامت خیز ہنگامہ برپا ہوا تو یہ خواجہ سرا اپنے خواب کے بہرے پر اپنا کئی ہزار کا سامان اور زر نقد عاصی کے پاس بطور امانت رکھے گیا۔ خود بھی ہماری پناہ میں آ رہا۔ اُس کے علاوہ قلعہ مبارک کے اور بہت سے دولت مند لوگ اپنا اسباب، نقد و جلس وغیرہ ہماری حفاظت میں رکھے گئے۔ غرض ہر ادنیٰ و اعلیٰ کا گھر اور محل جو بھی ہماری دیورہی کے قریب یا سامنے تھا، اُس خدائے بے ہمتا کے فضل اور ہم گناہکاروں کی جرأت سے محفوظ رہا۔ خصوصاً مرزا اعلیٰ اختر ولد طالع اختر ولد بلند اختر، عرف اچھے میاں کو ذرا بھی آنچ نہ آئی۔ یہ محمد شاہ فردوس آرام گاہ کے سکے بھائی تھے۔ ان کے محل کی دیوار ہمارے مکان کی دیوار سے لگی ہوئی تھی۔ انہیں ہم نے نہایت سعی و کوشش اور ہمت سے دھیلے کی لوت مار سے محفوظ رکھا۔

اسی طرح عنایت رسول خاں ناظر کے گھر کو بھی بربادی و غارت سے بچا لیا۔ ہنگامہ فرو ہونے کے بعد تمام مال و دولت اور جنس جو کچھ بطور امانت ہمارے پاس تھا، حبہ حبہ مالکوں کو پہنچا دیا۔ اور بار امانت سے سبک دوش ہوئے۔ اس ماجرے کو سن کر حضرت قدر قدرت نے بہت افسوس اور ندامت و حسرت کا اظہار کیا۔ فرمایا کہ کاش سرکار والا کے زر نقد اور قیمتی جواہرات میں سے تھوڑا بہت اظفری کے پاس امانت رکھ دیا ہوتا کہ آج کام آتا اور ضروریات میں صرف ہوتا۔

قلعہ مبارک کی سلاطینی قید سے ہمارا نکل جانا اور خفیہ طور پر

چیپور و جودھیور پہنچنا اور اُس وقت کی سرگزشت

ان حالات کو دیکھنے کے بعد جلکا ذکر اوپر کیا گیا ہے، کچھ اِس قدر غیرت و شرم دامن گہر ہوئی اور ایسا صدمہ دل پر گزرا کہ صبر کا گریبان دامن اضطراب تک چاک ہو گیا۔ آخر ایک سال دو ماہ گزرنے کے بعد جس طرح بھی مجھ سے بن پڑا، اپنی جان پر کھیل گیا۔ جانناز رفیقوں سے سازش کر کے انہیں اپنی امداد پر تیار کر لیا۔ مگر اس وقت اُن کے نام لکھنا مصلحت وقت کے

خلاف ہے۔ کیونکہ دہلی میں ان لوگوں کی املاک اور جائداد ہے۔ ایسا نہ ہو کہ نام معلوم ہونے کے بعد، ان کے دشمن، ان کے گھربار کو لوت ڈالیں۔ اس اندیشے کا قوی سبب یہ ہے کہ حکومت کو پہلے چند لوگوں کے ناموں کا پتہ چل گیا تھا، مثلاً مرزا فاضل بیگ خانسماں اور حکیم عنایت اللہ خاں وغیرہ۔ تو ان کے گھر لوت لئے گئے اور یہ بھجڑارے قید کر کے جیل خانے میں ڈال دئے گئے۔ نیز ہماری ڈیوڑھی کے چند دریانوں کو کوزے لگا لگا کر لہو لہان کر دیا گیا۔ سخت سزائیں دی گئیں۔ خدانے چاہا اور کبھی کامل اطمینان نصیب ہوا تو اور ایک مفصل کتاب لکھوں گا، اُس میں اپنے دوستوں اور رفیقوں کے نام اور اس ماجرے کی پوری حقیقت بیان کروں گا۔ اس فرار سے پہلے میلے ایک سرکاری ستھ، میردہہ اور چوہدار کے دو لڑکوں کو بھی کچھہ رشوت دیکر راز فرار سے آگاہ کر دیا اور اپنا موافق بنا لیا تھا۔ یہ دونوں ہماری ڈیوڑھی میں قفل لگانے پر مامور تھے۔ ان تینوں کے علاوہ پچاس گوجروں کو نوکر رکھ لیا تھا جو ہر طرح سے بہروسے کے قابل تھے۔ ان میں سے چند نفر کو ڈاک کی طور پر لوہا منڈی میں تعینات کیا۔ دو میاں، سولہ کھار اور چند گوجر اس سے آگے، اسی قدر کھار وغیرہ ہر سرو کی گڑھی میں، اس سے دنگلے آدمی بتودی میں مقرر کر دئے تھے۔ بارہ پور بیسے برقداز، ایک گھوڑی اور چند راس گھوڑے، ایک بہنگی کپڑوں کی اور خاص کاٹھی، چند جانباز خواص کے ہمراہ ریوڑی میں متعین کر رکھے تھے۔ اور اس انتظام سے پہلے ہی چہ پور اور جودھپور کے راجاؤں سے اچھی طرح سازش کر رکھی تھی۔ اسلئے کہ وہ مجھے طلب کرنے اور ہر خدمت بجالانے پر ہر طرح آمادہ تھے، اُن کی پوری سرگرمی کا مجھے اندازہ ہو چکا تھا۔ اب میں نے یہ راز اپنے چھوٹے حقیقی بھائی میرزا محمد جلال الدین بہادر کو بتایا۔ جن کا عرف چھوٹے مرزا ہے۔ ان کے سوا، دو تین دوسرے چچھرے بھائیوں کو بھی سخت قسمیں دیکر اپنے ارادے سے آگاہ کر دیا۔ جن میں میرزا ابوالقاسم ہمایوں بخت خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ میں نے ان سب بھائیوں کو اس بات پر آمادہ کر کے وعدہ لے لیا تھا کہ جس طرح بھی ہو سکے، کم از کم چوبیس گھنٹے تک اس راز کو ضرور چھپائے رکھیں، تاکہ میں پوری طور پر باطمینان دشمنوں کی عملداری سے باہر ہو جاؤں۔ پھر تو خدا کے فضل سے کچھہ اندیشہ نہیں، سب کچھہ ہو سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ شفیق بھائی بھاگنے میں میری مدد نہ کرتے اور رازداری سے کام نہ لیتے تو مشکل تھا کہ شاہد مقصود اپنا چہرہ زیبا دکھاتا۔

میرے ساتھ ان تمام بھائیوں کو اتصاد و محبت ہے۔ اور درحقیقت اس کی کئی وجہیں ہیں۔ مختصر یہ کہ اول تو یہ لوگ میرے اخلاق سے بہت مسرور اور شکرگزار تھے۔ اسکے علاوہ ان تمام بھائیوں اور چچاؤں کا لکھنا پڑھنا تعلیم و تربیت سب میرے قبضہ اختیار میں تھی۔ ان کے متعلق جو کچھ بھی ادنیٰ یا اعلیٰ سوال جواب حضور کی جانب سے ہوتا، وہ مجھ سے ہوتا تھا۔ مرزا ہمایوں بخت وغیرہ کو تعلیم بھی میں ہی دیا کرتا تھا۔ اگرچہ کند ذہنی کی وجہ سے انہیں کچھ زیادہ فائدہ نہ پہنچا۔ ایک سبب یہ بھی ہے کہ میں مرزا جلال الدین اور مرزا ہمایوں بخت وغیرہ چند سلاطین ایک ہی دن سید اسرار اللہ قادری [ادام اللہ تعالیٰ ذاتہ و افاض علی المسلمین برکاتہ] کے دست مبارک پر بیعت ہوئے تھے۔ یہ بزرگ جامع مسجد کے واعظ تھے۔ انہوں نے مجھے اپنے مسلک خلافت پر بٹھایا اور میرے بھائیوں کو مخاطب فرما کر خود اپنی زبان فیض ترجمان سے ارشاد کیا کہ ان کی تعظیم و توقیر کا بیش از بیش خیال رکھنا، انہیں میرا خلیفہ اور میری ہی طرح سمجھنا۔ ان کے خلاف کوئی بات نہ کرنا۔ سب نے دل و جان سے قبول کیا۔ پھر اسی مجلس میں اپنی مہر اپنا نسب نامہ اور سلسلہ پھری و مریدی کا شجرہ عنایت فرما کر مرید کرنے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔ لیکن میں نے مصرع ذیل کے مصداق اب تک اس قسم کی جرأت نہیں کی کہ:

او خویشتن گم است کرا رہبری کند

پھر ہم اپنے مقصد کی طرف رجوع ہوتے ہیں

فرار سے ایک ماہ پہلے نہ میں نے خط بنوایا اور نہ سر کے بال کٹوائے، تاکہ یہ چیز بھاگنے کے دن کام آئے۔ صورت ایسی بدل جائے اور ہیئت ایسی بگڑ جائے کہ کوئی پہچان نہ سکے۔ غرض یہ سب اندرونی انتظامات پورے ہو گئے، مقررہ دن قریب آگیا۔ اتفاق سے انہیں دنوں میں میری آنکھیں آشوب کر آئیں۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ: ”اذا اراد اللہ شیئاً فہیأ اسبابہ“ یہ بھی ایک طرح سے غیبی تاہد تھی۔

عنایت رسول خاں خواجہ سرا، ہماری دیوڑھی کا نائب ناظر تھا۔ یہ خواجہ تھا۔ حکم شاہی سے ہمیں دیکھنے اور سلام کرنے کیلئے روزانہ دروازے پر حاضر ہوا کرتا تھا۔ میں نے اسے اپنی آنکھیں دکھائیں۔ حد درجہ بےقراری و تکلیف

کا اظہار کیا۔ دونوں بیمار بن گیا اور اُس سے بیان کیا کہ آشوب کی شدت بہت زیادہ ہے۔ اب تک مجھے آفتاب کی روشنی دیکھنے کی تاب نہیں ہے۔ دو تین روز تک اندھیری کوٹھری میں بیٹھوں گا۔ میرے دیکھنے کی تکلیف نہ اُٹھاؤ۔

دہلی کے تمام اگلے بادشاہوں کے زمانے میں یہ دستور تھا کہ خوجے رات اور دن میں ہر وقت حکم حضور سے خاص شاہی محل اور دیگر محلات میں آتے جاتے تھے۔ مگر جب اُن کی بد اعمالیاں بہت زیادہ ظاہر ہوئیں، شادیاں کرنے لگے، اور بیویاں گھروں کی زینت بننے لگیں، تو بادشاہ جم جاہ شاہ عالم ثانی کے عہد حکومت میں محلوں کے اندر آنے حانے سے روک دیے گئے۔ لیکن دہلی کے بادشاہوں میں نظامت کی خدمت ہنوز انہیں خوجوں سے متعلق ہے۔ معتبر بادشاہوں کے نزدیک خوجے دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جس کا عضو مخصوص کٹنے کے بعد کسی قدر باقی رہتا ہے۔ انہیں بادامی کہتے ہیں۔ دوسرے وہ جن کا عضو مخصوص بالکل جڑ سے صاف ہوتا ہے، اُن کا عرف صدلی رکھا گیا ہے۔ بادامیوں کو دربانوں کی طور پر دروازوں پر مقرر کرتے ہیں۔ اور اُن کا لقب درباری قرار دیا گیا ہے۔ صدلیوں کو محل کے اندر جانے آنے کی اجازت ہے۔ انہیں محلی کے خطاب سے سرفراز فرما کر اعلیٰ مرتبے تک پہنچا دیا ہے۔

محل دار بیگم کی طرف سے نائب کی طور پر ایک عورت مقرر ہے، جو سلاطین کے محلوں میں جاتی آتی ہے۔ ہم کسی حالت میں ہوں، رات اور دن میں چار مرتبہ ہمیں اپنی آنکھوں سے دیکھتی ہے۔ اور ہمارے محل کے اندر کی ہر اچھی بری بات کئی بار حضور میں لکھتی ہے۔ یہ عورت اتفاق سے کئی ہفتوں سے کچھ ایسی بیمار اور درد کمر میں گرفتار تھی کہ اُٹھ بھی نہیں سکتی تھی۔ میں نے اپنی آنکھیں اس کو دکھا کر کہا کہ دیکھو میری یہ حالت ہے۔ دو تین روز کھلنے اندھیری کوٹھری میں بیٹھتا ہوں، اپنی لونڈی کو منع کر دو کہ مجھے کوٹھری کے باہر سے آواز بھی نہ دے۔ ہم سلاطین کی دیوڑھیوں کا یہ بھی معمول تھا کہ تین پہر کو دن ڈھلے بند ہو جاتی تھیں۔ اور ہر دروازے میں اندر اور باہر سے تین تین قفل لگائے جاتے تھے۔ اُن کی کدچیاں ناظر کل کے پاس بھیج دی جاتی تھیں، جس کا نام منظور علی خان تھا۔

مجھے یاد ہے کہ اپنے فراد کا ارادہ سب سے پہلے میں نے حکیم عنایت اللہ خان کے سامنے بیان کیا تھا اور چاہا کہ اس نازک معاملے کو حکیم صاحب کی معرفت

انجام دیا جائے کیوں کہ عقلمند آدمی ہیں۔ مگر حکیم صاحب مہینوں
 تال مٹول کرتے رہے۔ میں اُن کے انداز کلام سے سمجھ گیا کہ حکیم ہیں،
 ایسا خطرناک کام جس میں مال اور جان کا خطرہ ہے، اِن کے ذریعے تکمیل کو
 پہنچنا ممکن نہیں۔ آخر ایک روز بجد ہو کر پوچھا کہ: آپ کو ہمارے نمک کی
 قسم ہے، ہوسکے تو اس کام کو کر ڈالئے ورنہ انتظار میں نہ رکھئے۔ حکیم صاحب
 نے ذرا دیر سوچ کر کہا: ”قصور معاف ہو تو اصل بات عرض کروں“ میں نے کہا:
 بخدا میں نے معاف کیا۔ اِس وقت آپ کی صرف اسی قدر خدمت کافی ہے کہ
 سچائی کا رستہ اختیار کیجئے۔ دھوکے، فریب اور حیلے حوالے کو چھوڑئے۔
 حکیم صاحب نے کھڑے ہو کر، دونوں ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ ایسے کام
 حکیموں کے ہاتھوں نہیں ہوسکتے۔ میں نے اُسی وقت اپنا ہاتھ مچھوں پر پھیر
 کر کہا: ”و من یتوکل علی اللہ فہو حسبہ“ خدا نے چاہا تو میں یہ کام نادانوں
 سے لوں گا۔ آخر ایسا ہی ہوا کہ جس کام پر کمر ہمت باندھ لی تھی، وہ بیوقوفوں
 اور نادانوں کے ہاتھوں قوت سے فعل میں آگیا۔ بیشک کسی نے کیا خوب
 کہا ہے: بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد - اگر خارے بود گلدستہ گردد۔

اس حکیم مطلق خدائے برتر کی قدرت و کارسازی پر جس قدر ناز کروں
 بجا ہے کہ وہ ایسے حیلے بازوں کی زبان سے اُن کے دل کی بات نکلا دیتا ہے۔
 اور چند ناتجربہ کاروں کی کوشش سے، بڑے سے بڑا کام بنا دیتا ہے۔ اس کے
 مصداق ایک خیال دل میں گزرا: بصورت قطعہ درج ذیل ہے:
 اظفری ہست کار فرما گر - آدمی کارش ازدواب شود
 و ربعکس است، وای برحالش - ہرچہ فرمایدش خراب شود

اپنی ہیئت اور صورت بدل کر بھاگنے کی تاریخ اور دن کا بیان

ربیع الاول سنہ ۱۲۰۳ھ کی تیسری تاریخ کو اتوار کے دن، رات کے تین پہر
 گذر نے کے بعد، اس مہم فرار کا سلسلہ شروع ہوا۔ تبدیل لباس کے خیال
 سے ایک رازدار سقہ نے اپنی کمر کی لنگی مہرزا ہمایوں بخت کے ہاتھ خفیہ
 طور پر میرے پاس بھیجی۔ انہوں نے بدررو یعلے موری دروازے سے لاکر
 مجھے دی۔ ہمایوں بخت میرے چچہ بھائی ہیں، اور میری بہن بھی اُن سے
 منسوب ہیں۔ اور ان کے حقیقی چچا کی بیٹی میرے سگے بھائی مرزا جلال الدین
 کے عقد میں ہیں۔ اِن رشتوں کے علاوہ میں نے انہیں تعلیم بھی دی ہے۔ میں

انہیں اُس زمانے میں فوائدالمبتدی پڑھاتا تھا، جو میری ہی تالیف ہے۔ فرضکہ یہ میرے رازدار اور فنگسار تھے۔ انہوں نے لنگی دیکر روتے ہوئے میرا ہاتھ اپنی طرف کھینچا اور کہا کہ یہ آخری ملاقات ہے، بغل گیر ہونا چاہئے۔ میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور کہا: ”میں نے خدائے تعالیٰ سے عہد کیا ہے کہ اپنی اس اولیں ہجرت میں آپ عزیزوں کی محبت میں ایک آنسو بھی نہ بہاؤں گا، نہ بغل گیر ہوں گا۔ امید قوی ہے کہ خدانے چاہا تو پھر کبھی با مراد ملاقات کریں گے۔ یہ رفاقت کا وقت ہے، اِس مہجور کی جدائی کا غم ضبط کرنا بہت ضروری ہے۔ رازداری کا دامن ہاتھ سے نہ جائے اور راز افشا نہ ہو۔“ اس کے بعد میں اپنی کوتاہی میں چلا آیا۔ ایک عرضی اپنے بھاگنے کی معذرت اور دوسرے بھائیوں کی بے گناہی کی سفارش میں لکھی۔ اور اپنی مہر لگا کر اپنے تکتے کے نیچے رکھ دی۔ رازدار بھائیوں کو سمجھا دیا کہ میرے بھاگنے کو جب پورا ایک دن گزر جائے، تب یہ عرضی حضور والا میں بھجوادیں کہ فلاں کے تکتے کے نیچے پائی ہے۔ عرضی کا مضمون یہ ہے:

”غلام قادر نمک حرام کے ہنگامے میں عاصی نے حضور پر نور کی ایسی ایسی قابل قدر خدمتیں انجام دی ہیں، جو سعادت مند فرزندوں کے شایان شان ہوسکتی ہیں۔ اور اسی وقت مرزا مغل و مرزا طغل کی معرفت اپنے مدعا کی عرضی پر، حضور سے اقرار نامے کی طور پر دستخط لے کر رکھ لی تھی۔ مگر جب خدائے تعالیٰ نے سلطنت کی باگ پھر ذات اقدس کے ہاتھ میں عطا فرمائی، تو وہ وعدے پورے نہ کئے گئے۔ اب تک ٹال مٹول ہوتی رہی۔ اِس وجہ سے عاصی کا دل توت گیا اور اب عزم سفر کا دامن کمر ہمت سے باندھا لیا ہے۔ عاصی کو خالق اکبر کی قسم ہے کہ منزل مقصود پر پہنچ جانے کے بعد امور سلطنت کو شرکت کی آنکھ سے ہرگز نہ دیکھوں گا۔ اِس وقت اپنی وفاداری کا صلہ صرف اِس قدر چاہتا ہوں کہ میرے باقی ماندہ بھائیوں کو حضور کی جانب سے کوئی اذیت نہ دلوای جائے۔ انہیں بے قصور سمجھیں، اُن کی جاگہریں اور تنخواہیں جو کچھ جاری ہیں وہ بند نہ کرانیں۔“

یہ سب لکھنے کے بعد میں نے اپنے سارے چہرے پر افہون ملی، تاکہ اُس کی سیاہی سے چہرے کی سبیدی چھپائی جاسکے۔ سردی کا موسم نہایت سخت تھا ماہ دے کے پالے نے درختوں تک کو خشک کر دیا تھا۔ پانی جم کر برف

ہو رہا تھا۔ جو پوشاک میں پہنے تھا، وہ اُتاری اور بازاری لونڈوں کی طرح ایک پگڑی سر پر باندھ لی۔ جس کے پیچ منہ پر ادھر ادھر بکھر رہے تھے۔ ایک تہ پوش اور ایک دوتھی قبا پہن لی۔ پشت ماہی کی زرد رنگ کی رضائی چلدی سے سر پر ڈال لی۔ بہشتیوں کی طرح ایک لنگی کمر پر لپیٹی اور سقہ کے سخت اور موٹے جوتے پاؤں میں پہنے، حالانکہ ایسے جوتے شائد کبھی اپنی آنکھ سے بھی نہ دیکھے ہونگے۔ کمر میں اشرفیوں کی ہمیانی، دستار کے ایک گوشے میں چند اشرفیاں اور دوسرے گوشے میں چند روپے باندھے گئے۔ اپنے ہمراہیوں کی کمروں میں بھی اشرفیاں اور روپے باندھے رکھے۔ اس خوف سے کہ نصیب اعدا کہیں کوئی پہچان لے تو رشوت کے تیر کمر کے ترکش میں موجود رہیں، وقت پر کام آئیں اور ہم اس حربے سے دشمن کا کام تمام کر سکیں۔ اس چکنے چپڑے لقمے سے بھونکنے والے کتے کا گلا گھونٹ سکیں۔ غرضکہ اس ہیئت سے میں اپنے متصل کی اُس دیوار پر چڑھا جو کوٹھے سے ملی ہوئی، شتر گلو برج سے جنوب جانب واقع تھی۔ وہیں ایک نہر کا چشمہ اور ایک شہید کا مزار بھی ہے، جن کا نام حاجی الصرمین مشہور ہے۔ یہ دیوار شکستہ ہونے پر بھی ۵-۶ ہاتھ بلند تھی۔ اُس روز اتفاق سے شتر گلو برج کا چوکی خانہ چوکیداروں سے خالی تھا۔ چوکی کے پوربے اپنی تنخواہوں کے لئے بلوا کر کے حضور والا کے جہرے کے نیچے چلے گئے تھے۔ میرے جانباز ہمراہی اپنی اپنی مقررہ جگہوں پر میرے انتظار میں چھوے بیٹھے تھے۔ چند دیوار کی جز میں چپکے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک خانہ زاد جانباز نے میرے پاؤں کے مقابل اپنا سر اور پیٹھ جھکا کر عرض کی: نصیب دشمنان ایسا نہ ہو کہ حضور کو نیچے اُترنے میں کوئی صدمہ پہنچے، حضور اپنے کو بے تکلف اس غلام پر ڈال دیں۔ میں نے کہا: میں موقتا تازہ اور تو دبلا پتلا آدمی ہے، میں اگر تجھ پر گرا تو تیرا خاتمہ ہو جائیگا۔ آج کی رات نیک شگون کی رات ہے، پہلے کسی دشمن کا کام تمام ہونا چاہئے۔ یہ نامناسب ہے کہ پہلے ہی قدم میں تجھ جیسے ہمدرد رفیق کا خاتمہ ہو۔ مگر اس خانہ زاد نے جب بہت زیادہ اصرار کیا تو میں دیوار کے اوپر سے اس طرح نیچے کودا کہ کچھ بار اسکی پیٹھ پر اور باقی حصہ زمین پر رہا۔ سقا وغیرہ چند آدمی صفدر جنگ کے پیش خانے کے پاس اجائیں کے درخت کے نیچے ایک ویران چار دیواری کی کھین گاہ میں حاضر تھے۔ جب میں وہاں پہنچا تو

راز دار سقا نے میرے کاندھے پر ایک خالی مشک ڈال دی۔ ایک اپنے کاندھے پر ڈال لی۔ اور عرض کی کہ صاحب عالم! یہ ہمت کا وقت ہے، بے جھجک ہم غلاموں کے ساتھ ساتھ قدم اُٹھائے چلے آئیے۔ اب ہم روانہ ہوئے۔ آگے پیچھے یہ ہمراہی چل رہے تھے۔ ایک پرتاب تیر کے فاصلے پر پہنچے ہوں گے کہ تیز روی کے سبب ہماری ڈیوڑھی کے ایک میر دھے کے لوکے کو کچھہہ بدگمانی ہوئی۔ اس نے ہمارے ہمراہیوں میں سے ایک سے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں اور اس قدر تیز تیز کہاں جا رہے ہیں۔ اس نے بڑی چالاکی سے کام لیا۔ چوہدار کے لوکے کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا، اور کہا کہ یہ عیش محل کے بہشتی ہیں۔ محلوں میں پانی بھر کر اپنے اپنے گھروں کو جا رہے ہیں۔ بیچارے بھوکے پیاسے ہیں۔ یہ کہتے ہوئے اسے مذاق میں کھینچتا ہوا لے گیا اور ایک دوسری گلی کے راستے پر لگا کر ہم سے بہت دور کر دیا۔ یہ بلا اس طرح ہمارے سر سے تلی ورنہ افشائے راز کا اندیشہ تھا۔ اتفاق سے اُسی دن لوہاری دروازے کی چول کی مرمت ہو رہی تھی، جو پہلے سے شکستہ تھی۔ اس وجہ سے اس دروازے سے کوئی شخص نہیں گزرتا تھا۔ چارو ناچار ہم نے بھی دہلی دروازے کا دستہ اختیار کیا اور بغیر کسی نقصان کے قلعہ مبارک سے باہر نکل گئے۔ جامع مسجد کے نیچے پہنچ کر ڈاک کے آدمیوں کی تلاش میں کوئی آدہ کھلگتہ لگا۔ اس اٹڈا میں ہمیں مسجد کی سب سے نیچے کی سیڑھی پر بیٹھنا پڑا۔ تبرکاً ہم نے وہاں کی تھوڑی سی خاک پاک اُٹھا کر اپنی پیشانی پر ملی۔ اس خدا کی بارگاہ میں جو سب حاجتمندوں کی حاجتیں پورے کرنے والا ہے، منزل مقصود پر پہنچنے کی دعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے۔ اسکے بعد دوڑ دھوپ کر کے ہم اجمیری دروازے کی کھڑکی سے باہر نکل گئے۔ لوہاری منڈی بلکہ اس سے بھی آگے چند پرتاب تیر تک ہم کو پیدل ہی چلنا پڑا۔ قلعہ سے یہاں تک کوئی ڈیڑھ کوس کی مسافت تھی۔ یہاں پہنچ کر میں نے اپنے پاؤں کی خبر لی۔ دونوں جوتے میرے تلوے اور ایتڑی کے خون سے بھرے ہوئے تھے۔ سقا کے یہ غیر مانوس جوتے کچھہہ استقدر سخت تھے کہ میرے پاؤں کی کھال نکل گئی تھی۔ آخر انہیں پاؤں سے نکال کر دور پھینکا، اور ہمراہیوں سے کہا کہ اب میں پیدل نہیں چل سکتا۔ اپنے کاندھوں پر بٹھا کر مجھے لے چلو۔ اس خانہ زاد نے فوراً اپنی پگڑی کی دھجیاں کر کے میرے دونوں پاؤں پر لپیٹ دیں، اور عرض کی کہ ڈاک اور میانوں کے گوجر ابھی یہیں حاضر ہوتے ہیں۔

سرکار اطمینان رکھیں۔ اس عرصے میں اور جو جو مصائب پیش آئے، ان کا قصہ بہت طویل ہے۔ مثلاً ڈاک والوں کی غلطی، اور ان کا دیر تک نہ ملنا، نامیدی کی حالت میں ہمارا متردد ہونا، پھر انہیں پانا۔ الغرض ڈاکیوں کی جستجو اور مختلف مقررہ جگہوں سے اسباب بہم پہنچنے پہنچانے میں ایک پھر گزر گیا۔ اسکے بعد ہم بسم اللہ کہہ کر میانے میں بیٹھ گئے۔ اب ذرا دل جمعی حاصل اور حواس درست ہوئے تو سردی کی شدت سے بے حال تھے۔ کمری اور روٹی دار قبا ساتھ تھی۔ چاہا کہ اُسے پہنوں۔ ایک آستین بائیں ہاتھ میں پہنی، دوسری آستین تنگ ہوئی۔ اس کا سرا یونہی کاندھے کے اوپر سے لاکر گردبان کے بند میں باندھ دیا۔ قلعہ آنبہر تک آستین پہننے اور کمر کھولنے کی فرصت نہ ملی۔ اس کے بعد چالاک گوجروں کی ہمراہی میں پہاڑوں، گھاٹیوں اور ویرانوں کے راستوں سے اس اندھیری رات میں نہایت جوانمردی کے ساتھ ریواری کا راستہ لیا۔ توڑہ دار بندو قہیں پاس تھیں اور سب بہادر ہتھیاروں سے لیس تھے۔ میانے کی سواری ہی میں چلتے ہوئے، اشاروں سے عشا کی نماز ادا کی اور وظیفہ پورا کیا۔ رات کو سردی کی شدت اور جنگل کی تھنڈی ہوا سے جو کچھ مصیبت دیکھی ہے، وہ شاید کرۂ زمہریر میں بھی نہ ہوگی۔ بہر حال صبح کی نماز ہرسرو کی گدھی کے دروازے پر، ظہر کی نماز پتودی میں، عصر و مغرب کی قضا اور عشا کی ادا ریواری میں پڑھی۔ اب ہم حفاظت اور امن و امان کے ساتھ مرہٹوں کی عمل داری سے نکل کر راجہ سوائے پرتاب سنگھ کی سرحد میں داخل ہو چکے تھے۔ یہاں پہنچ کر راحت و اطمینان کی سانس لی۔ اور خدائے واحد کی درگاہ میں شکر یہ بجالائے۔ دلی سے ریواری تک پکے ۳۵ کوس کا فاصلہ ہے۔ پہلی شامِ غریبی ہم نے اسی موضع میں دیکھی۔

قلعہ آنبہر میں پہنچنا اور اسی دن جے پور کے راجہ کو ہمارے

بھاگنے کی خبریں ملنا، اور اُس کا ہماری آمد سے آگاہ ہو جانا

دیواری سے روانہ ہو کر ہم اطمینان کے ساتھ اسی سنہ اور اسی مہینے کی نوین تاریخ کو قلعہ آنبہر میں داخل ہوئے۔ وہ عجب مستحکم قلعہ نظر آیا۔ بے شمار توپوں، گولوں، اور کافی سیسا باروت کے ذخائر سے ہر وقت معمور اور لڑائی کے لئے تیار ہے۔ جس روز ہم قلعہ آنبہر میں داخل ہوئے ہیں، اسی روز دہلی

کی لکھی ہوئی خبریں جے پور کے راجہ کو پہنچیں کہ ایک شہزادہ جس کا فلاں نام اور فلاں عرف ہے۔ اور جو حضرت آرام گاہ محمد معزالدین بادشاہ کے نواسوں میں سے ہے، قلعہ مبارک شاہ جہاں آباد کی قید سلاطینی سے نکل کر فلاں تاریخ، فلاں دن بھاگ گیا ہے۔ قلعہ دلی کے تمام دروازے اور شہر کی تمام دکانیں بند ہو گئی ہیں۔ شہر میں منادی اور محلوں میں جستجو جاری ہے کہ جہاں کہیں پائیں پکڑ کر لے آئیں۔ مگر اب تک پتا نہ چلا کہ کس طرف گیا ہے۔ دہلی کے ناظم شاہ نظام الدین عرف شاہ کوزی خود سوار ہو کر اُس کی تلاش میں ہر طرف دوڑ چکا ہے۔ ہر سرو کی گڑھی تک دوڑ دھوپ کر کے دیکھ آیا ہے، مگر ہنوز کوئی سراغ نہیں ملا۔ میرا قلعہ آنہر میں داخل ہونا اور مہاراجہ کو یہ خبر ملنا حسن اتفاق سے دونوں باتیں ایک ہی وقت میں واقع ہوئیں۔ راجہ میرے نام و نشان اور حسب و نسب سے واقف ہو گیا۔ اس نے رات کے دوپہر گزرنے کے بعد اپنے بخشی میٹھالال اور اس کے بھائی گنکا بشن کو میرے پاس بھیجا۔ یہی بخشی راجہ کی ملشی گری کی خدمت پر بھی سرفراز تھا۔ جے پور کے راجہ کا معمول ہے کہ تمام دن سوتا ہے، پچھلے دن کو بیدار ہوتا، اور دوپہر رات تک دربار کرتا ہے۔ اسکے بعد ہوا محل کی خلوت میں چلا جاتا ہے، گانے بجانے اور عیش و عشرت میں مشغول ہوتا ہے۔ اور صبح کے قریب سوتا ہے۔ ہوا محل ایک خاص محل کا نام ہے جو خلوت، ناچ، رنگ اور کھیل کود کے لئے آراستہ کیا گیا ہے۔ غرض کہ بخشی پہنچا اور نہایت شائستہ طریقے سے ہمارے خاندان کے طور پر آداب و معجزا بجالایا۔ راجہ کی طرف سے بھی آداب پیش کیا۔ پھر عدہ نذر اور مہمانی پیش کی۔ اس کے بعد میری زبان سے دلی سے نکلنے کا ماجرا سنا اور میرا حسب و نسب پوچھا۔ میں نے کل حقیقت بعینہ، تاریخ، دن اور وقت کے ساتھ بیان کر دی۔ اس نے میرا بیان دہلی کی خبروں کے موافق پایا۔ رخصت کے وقت اسے اور اسکے بھائی کو میں نے دوشالے مرحمت فرمائے۔ اسنے جا کر تمام حالات مہاراجہ دھراج سواے پرتاب سنگھ سے بیان کیے۔ یہ راجہ کچھوا قوم سے ہے۔ اس نے اپنا ایک محل جس کا نام مادھویلاس ہے، میرے لئے آراستہ کرایا اور وہیں مجھے اتارا۔ اس محل کا آدھا حصہ اسکے باپ مادھوسنگھ کا بنایا ہوا ہے اور باقی آدھا اس نے تیار و آراستہ کرایا ہے۔

چرپور کے راجہ سے راقم کی ملاقات

اور اُس شہر کے کچھ حالات، جو ہندوستان کے بہترین شہروں میں ہے

اسی مہینے کی تیرہویں تاریخ، چودھویں کی آدھی رات کو خود راجہ نے ہمارے یہاں آکر نہایت شایستہ طریقے پر ملاقات کی۔ ہمارے خاندان کے آداب کے مطابق سلام گاہ میں جا کر مجرا ادا کیا۔ پھر نزدیک آکر ایک سو ایک اشرفیاں نذر گزارئیں۔ پھر آداب گاہ میں جا کر آداب بجالایا۔ میں نے اشارے سے اپنے پاس بلایا۔ مگر جب دیکھا کہ بہت دیر سے کھڑا ہوا ہے اور طول طویل داستاں چھیڑدی ہے، تو بیٹھے جانے کا اشارہ کیا، مگر وہ نہ بیٹھا۔ میں نے بہت اصرار کیا، آخر جس شہ نشین پر میں بیٹھا تھا، اُس کے ایک زیلے پر کھڑے ہونے والوں کی طرح آداب بجلا کر اپنا ایک سُرین رکھ کر بیٹھے گیا۔ اور عرض کی کہ ”الأمور معذور“ کے مطابق اتنی بے ادبی کی ہے۔ پھر بہت ملت، سماجت اور انکسار کا اظہار کیا۔ میں نے دیکھا اُس راجہ کی عمر ۳۵ سال کی تھی، خوش رو، خوش خو، اور مرزایانہ لباس میں تھا۔ بات چیت میں ایسا خوش مقال کہ سننے والے کے دل سے زنگ غم دور کر دیتا تھا۔ کامل ایک پہر تک خلوت کی ملاقات ہوئی، اور رازداری کی باتیں رہیں۔ اِس خلوت میں مہاراجہ کے ساتھ امراء میں سے چھ نفر اور آئے تھے، جو سب کے سب اِس وقت مہاراجہ کے بڑے بڑے عہدوں پر مامور تھے۔ تفصیل یہ ہے: کلور بھیرو سنگھ، اور کلور گہان جی مل کے ہاتھوں میں، جو مہاراجہ کے مہیرے بھائی تھے، اُگالداں اور پوشاک کی ایک گتھڑی تھی۔ روزجی خواص کے ہاتھ میں مرصع شمعداں، اور حکیم شوئیر کے ہاتھ میں مہاراجہ کی تلوار اور ڈھال تھی، یہ ایک انگریز تھا۔ بخشی میٹھالال اور اُس کے بھائی گلکا بشن نے چوبداروں کی طرح ہمارے خاندان کے معمول کے موافق بلند آواز میں مہاراجہ کا مجرا پیش کیا۔ اس ملاقات میں مہاراجہ نے مجھے مہاراجہ راج راجھشہر بچے سنگھ بہادر کے پاس چودھپور جانے کی صلاح دی۔ اور عرض کی کہ مہاراجہ موصوف اِس غلام کے بزرگ اور اس خدمت کی بجا آوری میں بہت سرگرم ہیں۔ ہم دونوں گویا حضور کے غلام ہی ہیں۔ حضور کی خدمت کا بار عظیم اپنی مضبوط عقیدت کے کاندھوں پر اُتھانے کو آمادہ ہیں۔ میں نے یہ مشورہ قبول کیا۔ پھر راجہ نے چند کشتیاں پوشاک اور ہتھیاروں کی پیش کیں۔ میں نے سر سے اپنی دستار کا طرہ، اور کاندھے سے دوشالہ اُتار کر

راجہ کو عنایت کیا۔ راجہ نے پھر آداب بجا لا کر چند اشرفیاں نذر دیں۔ اور رخصت ہو کر اپنے محل کو چلا گیا۔ اس کے بعد مہاراجہ کی التماس کے بموجب میٹھالال بخشی کے ہمراہ ہم نے اس محل کی سیر کی۔ عجیب اور نئی تیاریاں دیکھیں۔ طرح طرح کی تصویریں، نقاشی، آئینہ بندی، منبت کاری اور بچی کاری تھی۔ محل کا فرش ساق، مرمر، یشب، اور عقیق کے پتھروں سے چوپڑ کا بنایا گیا تھا۔ اس کے وسط میں ایک حوض دیکھا، جو پوری تیاری کے ساتھ ایسا آراستہ تھا کہ چاندنی رات میں جنت کے حوضوں کا گمان ہوتا تھا۔

جے پور کو میں نے نہایت صاف ستھرا شہر پایا۔ عین برسات کے عالم میں کھچڑ اور دلدل کا کہیں نام و نشان تک نہیں۔ چوپڑ کا بازار تو گویا پرکار سے ناپ کر بنایا گیا ہے۔ عالی شان پختہ گچ اور پتھر کی جالیدار عمارتیں ہیں۔ ہر طرف سے مساوی فصیل اور یکساں حدیں، نہایت روح افزا، مقطع، چاروں طرف سے آراستہ اور تیار ہیں۔ شہر کے گلی کوچوں کی سیر سے بھی طبیعت کو مسرت اور روح کو راحت حاصل ہوتی تھی۔ جے پور کے سوا پھر کوئی ایسا مقطع اور مصفا شہر دیکھلے میں نہ آیا۔

لکھنؤ کے مضافات میں میڈے ایک اصفہانی سے، جس نے جے پور کو دیکھا تھا، پوچھا کہ: عمارتوں کی ترکیب اور شہر کی صفائی کے لحاظ سے آپ کا شہر بہتر ہے یا جے پور؟ کہلے لگا کہ خدا کی قسم جے پور ہمارے اصفہان سے بدرجہا بہتر ہے۔

پھر ہم اپنے مدعا کی طرف رجوع کرتے ہیں

صبح ہوتے ہی راجہ نے دس دس گھوڑے، ایک زنجیر ہاتھی، چار عدد اونٹ، ایک رتھ، خیمہ، ہتھیار اور کئے ہزار روپے نقد جو دھپور کے کوچ کے لئے پوری تیاری کے ساتھ سارا انتظام و سرانجام کر کے ہمارے حضور میں بھجوائے۔ ایک خریطہ بھی میرے پاس بھیجا، جس میں والی جو دھپور کے نام کا خط تھا، یہ راجہ راتھور قوم سے ہے۔ اس خط میں ہمارے ساتھ اپنی مضبوط عقیدت مندی کی اطلاع دی تھی۔ راجہ نے یہ خط ہندی میں اپنے ہاتھ سے لکھا تھا اور ہم سے التماس کی تھی کہ یہ خریطہ بھی ہم رکاب رہے۔ جس وقت مہاراجہ راجہشہر بہادر ملاقات کی سعادت حاصل کریں تو اس غلام کا یہ لفافہ انہیں مرحمت فرمایا جائے۔ خانگی خطوط کے ذریعے بھی الگ اطلاع دیتا ہوں۔

جے پور کے راجہ کا ایک تخت سلطنت تیار کر کے میرے پاس بھیجنا

اور راقم کا اُسے نالکی کی صورت میں بدل لینا

اِس کے دو ہفتے بعد راجہ نے ایک تخت تیار کر کے بھیجا۔ اور چند انگریزی تلمیں [پنسلین] جن سے خاص طور پر بادشاہ سرمئی دستخط فرماتے ہیں، پیش کیں۔ تخت کی صورت دیکھ کر میں نے سمجھ لیا کہ یہ راجہ اِس بار عظیم کے متصل ہونے کی لیاقت نہیں رکھتے۔ اِس منصب کو قبول کرنے کا نتیجہ خفت اور ندامت کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔ ع

چراکارے کلد عاقل کہ باز آید پشیمانی

اُسی وقت میں نے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ نصیب اعدا تم لوگ مجھے بیدار شاہ اور اپنے کو غلام قادر خاں نہ بناؤ۔ مرہٹہ فوجیں محاصرہ کئے ہوئے ہیں۔ یہ گڑیا کا کھیل کچھ کام نہ دیکھا۔ ہوسکا تو خدا کی مدد اور قوت سے پہلے میں جنوبیوں کا خاتمہ کروں گا۔ اِسکے بعد وقت کے لحاظ سے جو بات ہمارے اور تمہارے حق میں مفید ہوگی، مشورہ کر کے وہی عمل میں لائی جائیگی۔ پھر اُسی تخت میں دَندے لگا کر مہلے اُسے نالکی کی صورت میں بدل دیا۔ اور یہیں سے میں نے اپنے خیریت سے پہنچنے کا خط اور مدد خرچ کی طور پر کچھ روپیہ ہندوی کر کے سرکاری ہرکارے کے ساتھ اپنے بھائیوں کی خدمت میں دہلی روانہ کیا۔

تنبیہ: تخت کو نالکی کی شکل میں بدل دینے کی خبر سُننے ہی مہاراجہ

نے اپنے بخشی کو میرے پاس بھیجا۔ اِس نے خلوت چاہی۔ خلوت کا حکم دیکر میں نے بخشی کو بوٹھنے کا حکم دیا۔ بخشی نے عرض کی: غلام کو ایک نقل یاد آئی ہے، حکم ہو تو عرض کروں۔ میں نے کہا بہت خوب۔ بخشی نے کہا:

نقل: کہتے ہیں کہ ایک بار ایک بادشاہ کو اپنے سب امیروں کی حاضری پر بہت مسرت حاصل ہوئی۔ اُس نے وزیر سے کہا: خدائے تعالیٰ نے ایسی کیا خوبی دیکھی جو تمہیں مصلوب وزارت حوالہ کیا۔ وزیر نے کہا: اے عالم پناہ، خدائے تعالیٰ نے اپنے علم قدیم میں ہر ایک کے طرف اور حوصلے کو جان چکا ہے، اُسی کے موافق یہاں خدمت دیتا ہے۔ غلام میں فکر و خیال کی باریکی اور ملکی معاملات میں دقیقہ رسی دیکھی، اسلئے وزارت کے درجے پر پہنچایا۔ بادشاہ نے کہا: تم نے ٹھیک کہا۔ اُسکے بعد یہی سوال

بخشی سے کیا۔ اُس نے عرض کی: عالم علوی کے کارکنوں نے اس غلام کی ذات میں بہادری اور دلیری کے آثار بدرجہ اتم دیکھے، اس وجہ سے اِس کام کے لئے انتصاب کیا۔ اس کے بعد کوتوال سے سوال ہوا۔ وہ حضور میں یوں کویا ہوا کہ: سونے جاگنے والوں کی حفاظت اور رکھوالی کے کام میں مجھے ہشیار اور کامل پایا تو اِس خدمت پر مامور کیا۔ غرض اِسی طرح تمام امراء سے اُن کے حالات پوچھے۔ اور ہر ایک کا معقول جواب سن لیا۔ وزیر نے جب بادشاہ کو خوش پایا تو باہم مشورہ کر کے عرض کی کہ اگر جان بخشی ہو اور قصور معاف کیا جائے تو ہم بھی کچھ گستاخی کی جرأت کریں۔ بادشاہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں نے معاف کیا۔ جو کچھ دل میں ہے کہہ ڈالو۔ وزیر نے کہا: قربانت شوم، ہم تمام بندوں کی عرض یہ ہے کہ بادشاہ ازل و سلطان لم یزل نے حضور کی ذات میں اس امر اہم یعنی سلطنت کے لائق کون سی بات دیکھی جو حضور کو تخت و تاج کا مالک بنا دیا۔ اس سوال پر بے اختیار بادشاہ مسکرا دیا، اور جواب دیا کہ مالک حقیقی نے مجھے ہر کام میں ناکارہ پایا، اسلئے اِس تخت پر ڈال دیا۔

بخشی یہاں تک کہہ کر اُتھ کھڑا ہوا اور ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ قصور معاف ہو۔ اسی طرح حضرت کی ذات گرامی ہے کہ تخت سلطنت کے سوا کسی اور چیز کے لئے زیبا نہیں۔ مہاراجہ نے عرض کی ہے کہ یہ کام اگر حضور کو منظور نہیں تو پھر فرمائیے کہ ہم اور کونسی خدمت بجالائیں۔ اور کس امید پر اپنا جان و مال قربان کریں۔

میں نے کہا: مجھے یہ گوارا نہیں کہ محض اپنے حظ نفس کے لئے اتنے بھائیوں اور عزیزوں کو صریحاً دشمنوں کے پنجے میں گرفتار اور تباہ و فارت ہونے کے لئے چھوڑوں۔ دکھنیوں کے فیصلے کے بعد جو کچھ مناسب ہوگا، عمل میں لایا جائیگا۔ اسکے بعد میں نے اپنی ہیئت و حالت درست کر کے اپنے ہمراہیوں کو نقد، خلعت اور سواریاں ملے میں دیکر خوش کیا۔ اور اب ہم اسی مہینے کی اٹھائیس تاریخ کو جو دھور روانہ ہو گئے۔ پہلی منزل ”لون کرن باغ“ میں کی، جو جے پور سے ڈیڑھ کوس کے فاصلے پر ہے۔ یہاں چند ضروریات کی تیاری کے لئے مقام کیا۔ اِس اثنا میں مہاراجہ کی ڈاک کے ہرکارے اور ہمداری سرکار کے ہرکارے ہندوی کی رقم کی رسید اور خطوط لیکر دہلی سے پہنچے۔ اور یہ خبر سنائی کہ حضور کے بھاگنے کی خبر

سلنے پر بڑی جستجو اور بے حد تلاش کے بعد شاہ کوزی، ناظم دہلی حضرت کے بھائیوں کی ڈیوڑھی پر پہنچا۔ اُس نے نہایت تشدد سے کام لیا، سخت دھمکیاں دیں اور ناگوار سلوک کیا۔ صاحبزادوں کے دروازوں پر قفل ڈالکر آب و دانہ بند کر دیا۔ خدایا جانے کہ وہ اب تک کس دام بلا میں گرفتار ہیں۔ یہ خبر ہے کہ اگر حضور جے پور میں تخت سلطنت پر جلوس فرمائینگے تو تمام بھائیوں کو قتل یا نہایت بے عزتی سے شہر بدر کر دیا جائیگا۔ جاگہیں ضبط اور تنخواہیں سب بند ہو گئی ہیں۔ یہ وحشت اثر خبر سننے ہی میں نہایت درجہ بیتاب ہو گیا۔ کھانے پینے کی سُدہ بُدہ نہ رہی۔ میں نے دوبارہ دالسا اور تسلی کے خطوط، اور مدد خرچ کیلئے کچھ روپیہ ہندوی کر کے روانہ کیا۔ مہاراجہ نے یہ خبر سن کر میری تسلی و تفسی کے لئے اپنے بخشی کو بھیجا۔ اِس نے میری دل جوئی اور تفسی خاطر کیلئے بہت سی مثالیں دے کر عرض کی کہ جب حضور کی ہمت بلند کے سامنے ایک زبردست کام ہے تو اِن سب معاملات کو تلافی کے موقع کے لئے اُٹھا رکھئے۔ غرضکہ ہر طرح سے دل جوئی اور دلداری کی باتیں کر کے بخشی چلا گیا۔ پھر اس کا بھائی گلگابشن آیا، وہ بھی تمام رات میری دل جوئی و دلداری کرتا رہا۔ صبح کے وقت میرے رنج و اندوہ کو دیکھ کر مہاراجہ کے رمنے میں لے گیا۔ وہاں مجھے ہرنوں کا تاشا دکھانے میں مشغول رکھا۔ غرضکہ شام تک میری خاطر داری میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔

یہ دونوں بھائی قوم کے کایتھے ہیں، نہایت لطیفہ گو اور حد درجہ خوش بیان ہیں۔ اسکے بعد ہم آگے روانہ ہوئے۔ مہاراجہ ہر منزل پر ہمارے حضور میں مہمانی اور نذرانہ بھیجتا رہتا تھا۔ سانپہر کا عامل بھی بہت شایستہ طور پر نذرانہ اور مہمانی کی رسم بجالایا۔

سانپہر کی سہر

اِس شہر میں ہم نے ایک عجیب راج یہ دیکھا کہ نیک فروخت نہیں کھاتا۔ کوئی دکاندار دھیلے کا نیک بھی بھیجے تو پچاس روپیہ جرمانہ راجاؤں کے خزانے میں داخل کرنا پڑتا ہے۔ نیک کے ذہیر شہر سے باہر تیلوں اور پہاڑوں کی طرح لگے ہوئے ہیں۔ جس شخص کو جتنی ضرورت ہو اُٹھالائے، کوئی مانع نہیں۔

ہم نے دریائے سانہر کی بھی سیر کی، جس سے ننگ نکلتا ہے۔ اس کا پانی کھاری ہے۔ اور اس کے کنارے قسم قسم کے رنگوں کی عجیب و غریب چھوٹی بڑی چڑیاں، پرے کے پرے جمائے بیٹھی رہتی ہیں۔ ان کی سیر دیکھ کر نکاہیں سہر نہیں ہوتیں۔ یہاں سے جانے کے بعد پھر کبھی ایسی خوب صورت چڑیاں ہماری نظر سے نہ گذریں۔ راجہ کی شدید ممانعت ہے کہ ہرگز کوئی شخص ان چڑیوں کو شکار نہ کرے۔ شہر میں راجہ پرتاب سنگھ، اور راجہ بچے سنگھ کا برابر کا راج ہے۔ خراج دونوں راجہ برابر برابر بانٹ لیتے ہیں۔

اجمیر

جس وقت میں اجمیر پہنچا، یہاں مہاراجہ بچے سنگھ کا عمل تھا۔ ان کے حاکم نے مہمانی اور نذرانہ پیش کیا۔ یہاں ہمارا تین دن قیام رہا۔ جی بھر کے خواجہ معین الدین چشتی، قدس اللہ سرہ العزیز کے مرقد منور کی زیارت کی۔ درگاہ پر نذر و نیاز بھی چڑھائی۔ یہ درگاہ نہایت شان دار اور پر شوکت ہے۔ اور اس کے متعلق بہت سے مختلف کارخانے ہیں، وہ سب ہماری نظر سے گذرے۔ پھر ہم پوکھر کے راستے سے جو ہلدوؤں کی مشہور تیرتھ ہے، میرتھ پہنچے۔ یہاں کے عامل نے بھی مہمانی اور نذرانہ کی رسم ادا کی۔

جودھپور میں ہمارا ورود اور اس پر انصاف و پر امن شہر کی سیر

اسی طرح منزلیں طے کرتے ہوئے ماہ ربیع الثانی سنہ مذکور کی تیرہویں کو ہم جودھپور میں داخل ہوئے۔ شہر کو دیکھا۔ لٹی و دق جنگل کے مانند ایک پتھریلا ملک ہے۔ ہر طرف حد سے زیادہ تکلیف دہ ریگستان اور وحشت انگیز میدان ہے۔ کوسوں نہ کہیں درخت کا سایہ ہے نہ پھل کا نام و نشان۔ پانی کی جگہ تمام تر سراپ، اور ندیوں کے بجائے صرف کہیں کہیں تالاب ہیں۔ باغ و بلبل کی جگہ ببول کے خاردار درخت اور چھل کوئے نظر آتے ہیں۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ ان برائوں کے باوجود اسکی بھلائیوں غالب ہیں۔ راجہ بچے سنگھ کی عمل داری میں یہ چوروں اور ڈاکوؤں سے بالکل پاک ہوگیا ہے۔ یہاں تک ہم نے دیکھا کہ اندھیری رات اور جنگلوں میں لوگ

سر راہ پڑے ہوئے مہنگی نیند سوراہے ہیں، اور اپنے مال و اسباب کی گتھریاں بے کھتکے الگ ڈال دی ہیں۔ نہ چور کا ڈر نہ رھزوں کا اندیشہ، سبحان اللہ۔ اس ملک کے مسافر ہمیشہ رات ہی کو سفر کرتے ہیں۔ زیادہ تر اونٹ اور چھکڑوں کی سواری کا رواج ہے، اونٹ ہو یا چھکڑا انہیں لیکھ یعنی گاڑی چلنے کے کچے راستے پر لگا کر مسافر سو جاتے ہیں۔ وہ رات بھر چلتے رھتے ہیں، اور یہ رات بھر سوتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ انہیں یہ بھی اندیشہ نہیں ہوتا کہ کہیں ایسا نہ ہو، کوئی مسافر رستے میں پڑا سوتا ہو ان چوپایوں کے پسروں یا گاڑی کے پھوں سے اس کا پاؤں یا سر کچل جائے۔ اور سوار راجہ کے عتاب میں گرفتار ہو۔ اس اندیشے سے سوار کو تو نیند حرام ہونا چاہئے۔

دعایا میں سے اگر کوئی آدمی ایک جوں بھی مار ڈالے، کوئی دیکھ لے اور جا کر کھدے تو گیارہ روپیہ جرمانہ لے لیا جاتا ہے۔ شکار اور جانور کشی بھی اس راجہ کے عمل میں بالکل ممنوع ہے۔ گوشت کھانے والے لوگ چوری چھپے سے اپنی ضرورت پوری کر لیا کرتے ہیں۔ اس جرم میں راجہ نے سردرباد اپنے بعض خاص امرا کو قتل کر دیا ہے۔ اور خود راجہ نے کم و بیش بیس سال سے اپنے اور اپنے متعلقین پر گوشت حرام کر لیا ہے۔ رات دن بتوں کی پرستش میں مشغول ہے، اور تین سال سے قلعے کے باہر خیموں میں رھتا ہے۔

بات یہ ہوئی کہ اس کی ایک مصبوبہ تھی، اس سے ایک بیٹا پیدا ہوا اور وہ ہمیشہ کے لئے اس جہان فانی سے چل بسا، اُسکی ماں کہڑے پہاڑ کر جنگل کو نکل گئی۔ راجہ اُسے بہت چاہتا تھا، وہ بھی اُسکی کے پیچھے ہولیا۔ یہ حال دیکھ کر اُمرا کو حد درجہ غیبت آئی، باہم مشورہ کیا اور ہر چند راجہ کو اس حرکت سے باز رکھنا چاہا، مگر ممکن نہ ہوا، آخر سخت گفتگو کے بعد رانی کو اس بات پر راضی کر لیا کہ راجہ کے ساتھ شہر کے باہر خیموں میں رھا کرے۔ اسی سبب سے راجہ نے بھی اسکے ساتھ خیمہ کی بود و باش اختیار کر لی ہے۔ رات اور دن میں دو بار بتوں کی پوجا پات کے لئے قلعے کے مندروں میں جاتا ہے۔ اس کی عمل داری میں کہیں اور کہیں کسی بھڑنے نے کسی بھڑے، یا بچے تک کو نہیں پکڑا۔ انسان اپنی چیز کہیں بھی بھول جائے یا اُسکی کمر سے کچھ گرجائے، مگر دوسرا نہیں اُٹھاتا۔ بلکہ مالک اپنا پڑا ہوا مال وہیں پالھتا ہے۔ ہماری سرکار کے آدمیوں کو ایسے کئی تجربے ہوئے۔

غرضکہ راجہ بکرماجپت کے عہد کے سوا یہ دھرم راج کسی نے کہیں نہ دیکھا اور نہ سنا ہوگا۔ نہ بچے سنگھ کے بعد پھر کہیں کوئی دیکھے گا۔ لکھنؤ میں جب ہم نے اُسکے مرنے کی خبر سنی تو بہت افسوس ہوا۔ اُسکی وفات کو پانچ چھ سال ہوتے ہیں، اور اس کا پوتا مالک راج ہے۔

ہم نے جو دھپور کے مردوں کو زیادہ تر دیووں کی طرح سیاہ اور عورتوں کو حوران جنت کے مانند حسین پایا۔ یہاں بڑھیاں بھی کم نظر آئیں۔ شہر میں برسات اور گرمیوں کے موسم میں بھی گرمی نہیں پڑتی۔ البتہ دوپہر میں ہوا ذرا گرم ہوجاتی ہے، مگر ایک دو گھنٹے کے بعد پھر تھنڈی ہوا چلنے لگتی ہے۔ گرمیوں میں بھی ہمیشہ ایک رزائی کی سردی ہوتی ہے۔ اس شہر میں باغ صرف ایک ہی ہے، جس کا نام ملندور ہے۔ اس باغ کا انار مزے اور جسامت میں بالکل ولایت کے انار کا جیسا ہوتا ہے۔ طرفہ تر یہ کچھ بہت سستا ہے۔ آم کے درخت اس میں بہت تھوڑے ہیں۔ اور گلاب کے پھول یہاں فروخت نہیں ہوتے۔ جو کچھ پیدا ہوتے ہیں، بت خانے کی نذر کے لئے چلے جاتے ہیں۔ ہم نے بھی باغ کی سیر کی۔ بھوانی دیوتا، گھوڑوں اور سواروں کی بہت سی تصویریں دیکھیں جو قد و قامت، جسامت اور نقش و نگار میں ہوبہو اصل بلکہ زندہ سواروں، اور زندہ گھوڑوں سے بہتر ہیں۔ ایک لخت ایک پہاڑ کو تراش کر ایک عمدہ عمارت بنائی ہے۔ اسی میں تصویریں تراشی گئی ہیں۔ غرضکہ کاریگروں نے اپنی عجیب و غریب صنایع دکھائی ہے۔ یہ بھی مہاراجہ کا معبد ہے، جو مانی و بہزاد کی نقاشی کو یاد دلاتا ہے۔ اس باغ میں ایک آم اور ایک کھیرنی کا درخت دیکھنے میں آیا، یہ دونوں بہت پرانے اور بہت بڑے درخت ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ بازی گروں نے اپنی شعبدہ بازی کا کمال دکھاتے وقت یہ درخت محض تماشے اور کھیل کی طور پر لگائے تھے، جو اب تک موجود ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

القصہ سکھاوت کے تالاب پر ہمارا قیام ہوا۔ راجہ موصوف کی طرف سے ملشی چنپت راءے ہمارے حضور میں پہنچا۔ پرتکلف مہمانی بجالایا، اس ملک کے کئی تحفے اور نقد نذرانہ پیش کیا۔ بیحد انکسار اور سماجت کا اظہار کیا۔ بڑے بڑے خیمے بھجوائے جو واقعی سرکار کے لایق ہوتے ہیں۔

اسکے علاوہ مہاراجہ نے اپنے بخشی بہیم راج کو، اور اسکے ہمراہ خوب چند سلگھی، لال جیو مہمت، ملشی چنیت راے، برگھہ بہان وکیل راج راجندر سواے پرتاب سلگھہ اور اسمعیل بیگ خاں ہمدانی کے وکیل حقداد خاں کو بھی ہمارے پاس بھیجا۔ اور عرض کی کہ ”راتھ نالہ“ کی بارہ دروی میں تشریف ارزانی فرمائے۔ مہاراجہ کی درخواست کے مطابق تالاب پر سے اُتھ کر ہم نے مذکورہ بارہ دروی میں قیام کیا۔ یہ بارہ دروی مہاراجہ کے خیموں کے بالمقابل ہے۔ اور ان لوگوں میں سے ہر ایک کو اسکے مرتبے کے لائق ایک ایک خلعت مرحمت فرمایا۔

مہاراجہ جودھپور کی ملاقات اور اُسکے حالات

چند ہفتوں کے بعد مہاراجہ سوائی پرتاب سلگھہ بہادر نے نہایت شائستہ طور پر ہماری ملاقات کی سعادت حاصل کی۔ اور چہ پور کے راجہ کی طرح بہت کچھ پیش کش کیا۔ گھوڑے اور اونٹ، اُس سے بہت زیادہ بھجوائے۔ اُسکے بعد رازداری کی باتیں درمیان میں آئیں۔ راجہ کو میں نے نہایت شوکت و شان والا پایا، باسٹھ سال کی عمر ہے، راتھورانہ لباس میں تھا۔ نہ میں اسکی زبان جانتا تھا، نہ یہ میری زبان۔ چنیت راے ہم دونوں میں ترجمان ہوئے۔ اِس راجہ نے خالص راتھور زبان کے سوا اور کوئی زبان کبھی سلی ہی نہ تھی۔ غرض یہ طے ہوا کہ ہم اِسی مہیلے میں بخشی غلام کے بیٹے کو ہمراہ لیکر بیس ہزار سواروں کے ساتھ موضع دونسہ میں داخل ہو جائیں، جو مرہٹوں کی فوجوں کے مقابلے میں واقع ہے۔ راجہ نے یہ بھی کہا کہ وہاں پہنچکر چہ پور کے راجہ سے بیس ہزار سوار اور لیں۔ بالفعل راتھور اور کچھواہ قوم کے اِن چالیس ہزار سواروں سے مرہٹوں کا مقابلہ فرمائیں۔ فتح کے بعد جو کچھ مرضی مبارک ہو وہ غلاموں کو قبول ہے۔

افتخار الدولہ محمد بیگ ہمدانی کے بہتھے احتشام الدولہ اسماعیل بیگ

کا ذکر جو اپنے دل میں ہماری بربادی کی تمنا رکھتا تھا اور جسے

ہمارے مقاصد کی راہ میں حسد کا بھیج بویا

اسماعیل بیگ مذکور کا ایک وکیل حقداد خاں اپنے موکل کی جانب سے مہاراجہ کے پاس دھا کرتا تھا۔ اِس نے نہایت عاجزی اور ملت کر کے اپنے

موکل کے نام مجھ سے ایک شقہ حاصل کیا۔ یہ شقہ اور میرے دونسے پہنچنے کی خبر بھی اُس کو پہنچائی۔ اسمعیل بیگ کا خطاب احتشام الدولہ فیروز جنگ تھا، یہ اِس وقت بمقام اکبر آباد مرہٹوں کی قید میں ہے۔ اُن دنوں وہ اِن دنوں راجاؤں کی طرف سے مرہٹوں کے مقابلے کے لئے موضع پاتن میں مقیم تھا۔ اور جنگ کو آج کل پرتال رہا تھا۔ اسے جیسے ہی میرے آنے کی خبر پہنچی۔ مارے حسد کے جل گیا۔ کیونکہ جس روز سے میں چپور میں داخل ہوا تھا، اِس کی فوجیں، اِسکی بد زبانی اور گالی گلوچ سے بد دل ہو چکی تھیں۔ اور ہر مہینے جوق جوق وہاں سے الگ ہو ہو کر اپنے اپنے رسالداروں کے ساتھ میرے پاس پہنچ رہی تھیں۔ اس کے بڑے بڑے سرداروں کی عرضیاں روزانہ بلا ناغہ آرہی تھیں۔ اُسے یہ جو سنا کہ میں جو دھپور سے دونسے کی جانب کوچ کرنے کا تہیہ کر رہا ہوں۔ تو دونوں راجاؤں کو عرضیاں لکھیں کہ اگر شاہزادے کو فوج دیکر دونسے روانہ کیا گیا تو میں یہاں سے نکل کر مادھوجی سیلدھیا پتھیل سے جاملوں گا، اور تم سے جنگ کروں گا۔ وہ میرا مُنہ بولا باپ ہے۔ اور اگر تم مجھے اپنی رفاقت میں رکھنا چاہتے ہو تو تھوڑے دنوں تک شاہزادے کو وہیں جو دھپور میں روک رکھو اور اُن کی اچھی طرح دلداری کرتے رہو۔ ایسی ہی ایک عرضی بڑے تلمتی اور لجاجت کے ساتھ مجھے بھی لکھی۔

احتشام الدولہ اسمعیل بیگ خان بہادر فیروز جنگ کی عرضی جو افتخار الدولہ

محمد بیگ خان ہمدانی کا بہتھیجا تھا، یہ عرضی ہم کو ماہ رجب

سلہ مذکور میں بمقام جو دھپور پہنچی تھی

”انجمن مہر نشین کے فیض اندوز، حضرت پیر و مرشد دام اقبالہ و اجلاہ کے حضور میں عبودیت کے سجدے بجلا کر عرض گزار ہے کہ تفضل نامہ نے کرامت فرمائی، اور بے پایاں مہربانیوں کی بشارتیں لیکر اپنے ورود سے سرفرازیوں بخشیں۔ دونوں جہان میں سر بلند کیا۔ اُن جناب کے ارشادات فیض سمات سے تفصیل کے ساتھ میں نے فیض حاصل کیا۔ وفور عبودیت و ارادت کے سبب جناب کی خدمت و بندگی کی بیجا آوری کا ارادہ میں اپنے لئے ذریعہ سعادت تصور کرتا ہوں، اور حضور کے مہمات کو فروغ حاصل ہونا میری تمام آرزوں سے بڑھی ہوئی آرزو ہے۔ خدانے چاہا تو سب کام دولت خواہوں کی تمنا اور حضور کی مرضیات کے موافق جلوۂ ظہور پائینگے۔ نقش مدعا کی

درستی تک سرکار کے اخراجات اور ضروری اسباب کے لئے میں نے مہاراجہ صاحب راج راجیشور مہاراجہ دھراج، مہاراجہ بچے سلنگھہ جی کو لکھا ہے۔ وہ حضور کی خدمات کے بجالانے میں کسی قسم کی کسی نہ کریں گے۔ امید ہے کہ ہندگان دولت کا مزاج تمام وجوہ سے قرین جمعیت ہوگا۔ اور کسی طرح کا تردد مزاج عالی میں راہ نہ پائے گا۔ وہیں اپنے سایۂ ہمایاہ کو مستقل رکھیں۔ اور فدوی کو ایک سچا خاک پا تصور فرمائیں۔ زیادہ حد ادب۔ عظمت اور اقبال کا آفتاب ہمیشہ تابان و درخشاں رہے۔

اسی اثنا میں بہت سے ہرکارے میرے خانگی خطوط لیکر پہنچے۔ مرزا مصد جلال الدین اور مرزا ہمایوں بخت (جو اب مدراس میں ہیں) کے خطوط بالخصوص اس باب میں تھے کہ شاہ عالم بادشاہ اور یہاں کے اہل کاروں نے آپ کے بھاگ جانے کی وجہ سے اسی میں اپنی مصلحت دیکھی کہ ہمیں مع قبائل کے قلعہ مبارک سے باہر نکال کر اسمعیل خان کی حویلی میں اتار دیا ہے۔ دیکھئے آگے کیا ہوتا ہے۔ ان خطوط کو پڑھ کر میں دونا پریشان ہو گیا۔ فوراً بھائیوں کو اور مدد خرچ روانہ کیا۔ اور چے پور کے مہاراجہ کو بھی اس بربادی خاندان کا ذکر لکھ بھیجا۔ چند روز کے بعد اس پریشانی کی اطلاع یابی اور مہری تسلی و تسفی میں مہاراجہ راج راجندر اور بخشی مہتھالال کی عرضیاں پہنچیں۔

راج راجندر سوی مہاراج دھراج سواے پرتاب سلنگھہ بہادر

والی چے پور کی عرضی کی نقل

وہیقتہ شرف صدور لایا، اس بے اشتباہ بندے کے امتیاز و اعزاز کا پایہ بلند کیا۔ دارالخلافت کے واقعات سے حضور کے مزاج و ہاج میں جو تشویش رونما ہوئی ہے اور جس کے متعلق خط میں ارشاد ہوا ہے اُس سے آگاہی پائی۔ جن امور کا علاج انسانی فکر سے بالاتر ہے، اُن کا تدارک تقدیر ہی کے حوالے ہونا مناسب ہے۔ جب بڑے بڑے امور کا اجرا حضور کی ہمت والا نہمت کے ہمیشہ نظر ہے تو اُسکا تقاضا یہ ہے کہ ان امور سے قطع نظر کر کے امور منظورہ کی تدبیر کی جانب اپنی پوری توجہ مبذول فرمائیں۔ خدانے چاہا تو وقت پر ان کی تلافی قوت سے فعل میں آجائیکی۔ امید ہے کہ جو دھپور میں ورود مقدم فیض توام مہمہنت اور فرخندگی کے ساتھ ہوا ہوگا۔ اب جو نقشہ

مہاراجہ بچے سنگھ کی عرضی کے بموجب مزاج مبارک کو منظور ہوا ہے، فدوی کو بھی اُسکے شرف اطلاع سے معزز فرمائیں۔ کیونکہ صداقت ارادت کے اقتضا سے جناب کی صولت و سطوت، ہمارا منتہاے آرزو ہے۔ زیادہ حد ادب۔“

والی جودھپور کے بخشی میٹھالال کی نقل عرضی

”شقتہ خاص تنفصل اختصاص جو بندہ پروری اور نوازش کے اقتضا اور خاکسار کی سرفرازی کے خیال سے مرحمت ہوا تھا، اُسکے کرامت آمود ورود کے شرف سے دو جہان کی سعادت حاصل کی۔ اور حضور کی بے قیاس مہربانیوں کے شکر و سپاس کے سجدوں سے اپنی نیاز کی پیشانی کو نور آگہیں کیا۔ جن وجوہ سے مزاج مقدس کی پریشانی کی نسبت ارشاد فیض بنیاد صادر ہوا ہے وہ بجا ہے۔ مگر جناب کی ذات مقدس انوار الہی کا سرچشمہ ہے، اور چونکہ بالفعل ان مکروہات کا علاج کسی صورت سے متصور نہیں ہے، مجبوراً جو کام ہاتھ سے نکل گیا ہے، اسکو مقدرات پر چھوڑنا ہی صلاح دولت ہے۔ خدائے تعالیٰ نے چاہا تو اقبال والا کی برکتوں سے آئندہ ان پریشانیوں کی خاطرخواہ تلافی قوت سے فعل میں آجائیگی۔ امید ہے کہ حضور اپنے ممالک آرا حوصلے کے موافق ان وجوہ پریشانی کے غبار ملال کو اپنے جہاں تاب ضمیر کی لوح سے رفع فرما کر اپنی توجہات، امورات معظمہ کے اجرا میں صرف فرمائیں گے، جو ہمت والا کے ہمیشہ نہاد ہیں۔ یقین ہے کہ مہملت اور فرخندگی کے ساتھ شہر جودھپور کی وسعت کو حضور نے اپنے مقدم فیض توام سے نور آگہیں بنایا ہوگا۔ مہاراجہ راج راجیشہر کے معروضہ کے بعد جو نقشہ حضور کے مزاج مقدس میں منقوش ہوا ہو، خاکسار کو بھی اُس کی اطلاع سے مشرف و سرفراز فرمائیں۔ حضور کا جو شقتہ خاص مہاراجہ راج راجندر کی سرفرازی کے لئے عنایت ہوا تھا، اُس کے جواب میں عرضی ابلاغ کی گئی ہے۔ نظر انور سے کزری ہوگی۔ مہاراج راج راجندر اپنے رسوخ ارادت کے اقتضا سے بہمہ وجوہ حضور کی سطوت کے آرزومند ہیں۔ جو انتظام خلافت کا باعث ہے۔ جس طرح مہاراج راجیشہر نے تلظہم امور کی ایک شکل مقرر فرما دی ہے۔ اسی کے موافق اِس طرف سے بھی خدمات کی بجا آوری کے لئے ہمیشہ قدمی ظہور میں آئیگی۔ چلکے لگے سعی و کوشش کرنا ضروری ہے۔ خدا دولت اور اقبال کے آفتاب کو ہمیشہ تاباں اور درخشاں رکھے۔“

نامدارخان افغان اور امرت شیطان کا مجھے بہکانا، اور یہاں سے میرا کوچ

نامدارخان ایک افغان اور امرت ایک شیطان ہے۔ یہ دونوں میری ناکامی کا سبب بن گئے، اور میرے حق میں دشمنوں سے بھی بدتر نادان دوست ثابت ہوئے۔ یہ دونوں ان منکوس دنوں میں میرے ساتھ سرگرم مشورہ تھے۔ اور میں تازہ تازہ سلاطینی قید سے نکلا تھا۔ دنیا کے نیک و بد سے بالکل ناواقف، اور زمانے کے سرد و گرم سے ہنوز نا آشنا تھا۔ چنانچہ میں نے اپنے ایک رسالہ مسیہ^۱ بہ ”سوانحیات اظفری“ میں اس بات کو مناسب طور پر بیان کیا ہے۔

سانحہ: اظفری! تیری عمر کے تیس سال سلاطینی قید میں گزرے۔ بہت سے ایسی باتیں ہیں جو تیرے کانوں تک نہیں پہنچیں، دیکھنا اور آزمانا تو الگ رہا۔ تو فرشتوں اور نبیوں میں بھی نہیں، کہ بغیر حاصل کئے سب کچھ سیکھ گیا ہو، نہیں جانتا تو معذور ہے، لیکن نہ سیکھے تو عقل سے دور ہے۔ قطعہ:

اظفری! غیر انبیاء و ملک - نبود جز بکسب، اخذ امور
زانچہ نادانی، خود تو معذوری - ورنیا موزیت ز دانش دور

غرض دوسرے احباب کے شدید اختلاف کے باوجود ان دنوں کی رائے مان لہنے پر میں تیار ہو گیا۔ انہوں نے باور کرایا کہ ہم نے قوم چیتہ کو حضور کے کام کے لئے اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ یہ اصل میں ایک افغانی قوم ہے۔ ان کی تعداد بیس ہزار ہے، اور یہ اجمیر کے آس پاس کی پہاڑیوں میں رہتے ہیں۔ راجاؤں کا مال لوت مار کر اپنی کھووں میں چلے جاتے ہیں، جہاں ان کی بود و باہی ہے۔ کوئی ان پر غلبہ نہیں پاسکتا۔ اجمیر پہنچتے ہی ان کی فوجیں حاضر رکاب ہوتی۔ اور ملک گہری کے لئے ان کی مدد و اعانت ہونے کی صورت میں ہمیں راجاؤں کی کسی امداد کی حاجت نہیں ہے۔

اگرچہ مہاراجہ ہماری سرکار کے اخراجات اچھی طرح پہنچاتے تھے۔ ہم سے سخت اور پکی قسموں کے ساتھ بڑے بڑے وعدے کر چکے تھے۔ اور اپنے امہروں کے ذریعے حد سے زیادہ ہر قسم کی دلداری و نصیحت کرتے رہتے تھے، مگر تقدیر میں تباہی لکھی تھی، اسلئے کسی کی پلند و نصیحت کارگر نہ ہوئی۔ ع
چون قضا آید طبیب ابلہ شود۔

شہنشاہِ رحمت اللہ کی عرضی کی نقل، جو سندھ کے والی شاہ نواز خان

کے بیٹے محمد عارف خان عباسی کا خان ساماں تھا، اور جو دہلی میں

مہاراجہ کے پاس رہا کرتا تھا، علم و شعور میں یکتائے زمانہ تھا۔

اور اپنے زمانے کے فصیحوں پر گوٹے سبقت لے گیا تھا۔

یہ عرضی اُس نے راقم کی نصیحت کے لئے لکھی تھی۔

بعزّ عرض اشرف ہمایوں، خدیوگہیاں، قبلۂ عالم و عالمیاں مد اللہ ظلّالہ و
خدا اللہ اقبالہ مہر ساند۔

خاص الخاص شتہ اس خاکسار بے مقدار کی سرفرازی کے لئے پہنچا، اور
فدوی کے سر افتخار کو بے شبہ آسمانوں کی بلندی تک پہنچا دیا۔
عاجز پروری اور بلند نوازی کے آداب سچے فدویوں، اور پکے غلاموں کے
طریقے پر بجا لاکر سلطنت کے مدارج کی بلندی اور ضوابط خلافت کی
بلندرسی کی دعا میں مصروف ہے۔ خدا کی امداد و اعانت سے دولت ابد
مدت کے ہوا خواہوں کی آرزو کے موافق یہ دعا بہت تھوڑے عرصے میں قبول
ہونے والی ہے۔ یہاں کے ہر قسم کے حالات، حضور کرامت شعور کی عالی
نہمی سے مخفی نہیں ہیں۔ فدوی کو کیا طاقت اور کہاں یہ لہاقت کہ حضور
کے ادراک اور احساس سے بالاتر کچھ عرض معروض کر سکے۔ مگر بحکم
”الامر فوق الادب“ فدوی بھی دوسرے فدویوں کے ساتھ ہم سلک ہونے کا
شرف پاچکا ہے۔ اسلئے عرض کرتا ہے کہ راج راجیشہر مہاراجہ دھراج کی مرضی
یہی ہے کہ حضور کے امر مطاع کی پھرو کریں، اور مرضیات والا کی رضا حاصل
کرنے کی سعادت حاصل کریں۔ لیکن ہر آرزو کے پورے ہونے اور ہر خیال کے
تصنیے کے لئے وقت اور موقع کا انتظار ہے۔ فی الواقع امور سلطنت کا انتظام اور
خلافت کے دشمنوں کو پامال و فنا کرنے کا اہتمام طویل غور و فکر کے بغیر دشوار
ہے۔ اطراف و جوانب کی اصلاح عرصہ دراز کی کوشش کے بغیر مشکل ہے۔ مہاراجہ
دھراج کے معصدیوں کی دیرداد کی وجہ سے سرکار کا عملہ شاید اس تجویز میں
ہے کہ حضور کی روانگی بہ عجلت ہو، اور اس مقام سے جہت دامن جھٹک کر
آتھہ کہوے ہوں۔ مگر خلوص ارادت اور وثوق فدویت کے لحاظ سے خان ذی شان
حکمداد خان کی تحریک اور تجویز یہی ہے کہ ابھی چند روز یہیں قیام فرمانا
مناسب اور بہتر ہے۔ جو دہلیور ہی کچھ دن اور حضور کی عزت و جاہ کا

خیمہ گاہ رہے۔ وہ بلدیگی اور خیر خواہی کی راہ پر چل رہا ہے۔ اور اس نے اپنی کمر جاں پر سچی فدویت و جاں نثاری کا پتکا باندھ رکھا ہے۔ اس حقیر ہیچمدان کا حوصلہ بھی ابتدا ہی سے اسی راے پر قائم ہے کہ ”قضية زمين بر زمين“ بزرگوں کا مقولہ ہے۔ بہر تدبیر اس جگہ کو نہ چھوڑنا چاہئے۔ اور یہاں کے معاملے کے خیال سے ہاتھ نہ اٹھانا چاہئے۔ یہاں کا اصول یہی ہے، جس وقت یہاں سے ہمت و مروت کا امکان رہے تو وقت کو ضائع نہ کرنا چاہئے۔ لیکن دقت یہی ہے کہ خلوت کدۂ بطون میں جو کچھہ مخفی ہے، ایک نہ ایک دن منصف شہود پر ضرور آئے گا۔ حضور کی دولت خدا داد کے امین مشہور کی راے اور صلاح ہو تو مناسب یہی ہے کہ مدعا براری کے انتظار کا زمانہ یہیں گزارنا چاہئے۔ کابل بہت دور ہے۔ پھر حالت یہ ہے کہ ”بخود نسی رسد آن شوخ تابماچہ رسد“۔ دکن کے رئیسوں کے اوضاع اور انداز حضرت ولی نعمت سے مخفی نہیں ہیں۔ غرضکہ جس وقت تک یہ جگہ حضور کی نصرت و اقبال کے خیموں کی قہام گاہ ہے، سرکار گردوں و قار کے عملے کا مقدرہ خرچ خان موصوف کی معرفت راجہ راجیشہر کے متصدیوں سے پہنچتا دیکھا۔ جب ہرامر کا تصفیہ ہو جائے اور زمانے کی ہوا میں اعتدال پیدا ہو، اس وقت اگر مرضی والا کسی جانب روانگی کی ہو تو کچھہ ہرج نہیں۔ وہی ارادہ ہے اور وہی ہمت، ہاتھ سے کچھہ نہیں کیا ہے۔ جو بات اب ہے وہی تب ہوگی۔ اس سر زمین میں سرکار کی رونق افروزی اور قہام کے باب میں کوئی بات اگر حضور کے مشہوروں کے خیال کو برہم کرنے والی ہے تو وہ ہرگز ہرگز درست نہیں۔ فدوی اس کی اچھی طرح چہان بین کر چکا ہے۔ اب موقع کے انتظار کے سوا کیا کرنا چاہئے۔ اس کے سوا مہرے خیال میں کچھہ بھی نہیں آتا۔ باقی ”امرکم مطاع و عبادکم مطیع“۔ کل کے دن حکیم عنایت اللہ خاں کا انتظار رہا کہ دیکھیں وہ حضور کے شفقہ خاص سے سرفراز فرما کر کب ممتاز فرمائے ہیں۔ اسکے بعد انہیں کی معرفت خاکہائے اشرف تک اپنی عرضی نیاز پہنچاؤں گا۔ اسی خیال سے دیر ہوئی، ورنہ کیا مجال کہ فدوی سے اس قدر تساہل ہو۔ خدا کرے حضور کے دشمنوں کو پامال کرنے والے اقبال کا وسیع سایہ دور و نزدیک کے تمام فدویوں کے سروں کے لیے وجہ زیلت رہے۔۔۔ عرضی ختم ہوئی۔

الفرض اس وقت مصلحت یہی نظر آئی کہ ہم تہمور شاہ ابن احمد شاہ درانی کے ملک کی طرف روانہ ہو جائیں۔ کیونکہ ان اضلاع میں دھکران

اطراف کے تمام رئیسوں سے خط و کتابت اور مراسلت بخوبی ہو چکی تھی مثلاً ہرات کے والی تیمور شاہ سے، اور شاہ نواز خان عباسی والی سندھ سے، اُسکے بیٹے مصد عارف خان کی معرفت۔ بہاول خان ناظم بہاولپور سے، مصد حسین خان مالک بہنیر سے، خاصکر عماد الملک غازی الدین خان وزیر معزول سے، جو داؤد پوترا کے متصل مقام مہاران میں مقیم تھے۔ مہاراجہ راجپوت نے اونٹوں پر پانی لانے کے تمام اسباب بھی تیار کر کے بھیج دئے تھے۔ کیونکہ اُس رستے میں تیس کوس تک اور پھر چند منزلیں طے کرنے کے بعد ایک مقام پر بیس کوس تک پانی کا نام و نشان نہیں تھا۔ غرضکہ ہم نے اس طرف کا کوچ کیا۔ اِسکے بعد اُنہیں دونوں شیطان سہرت، انسانی صورت ظالموں نے یہ مشورہ دیا کہ اجیر کی طرف کوچ کرنا بہتر ہے۔ اِن کے بہکانے سے دونوں راجہ بھی آگاہ ہو گئے اُنہوں نے بہت چاہا کہ دونوں کو ہماری سرکار سے نکال دیں، یا قید کر دیں۔ لیکن جب میں اُن کے ارادے سے خبردار ہوا تو نہایت سختی سے پیغام بھیج کر راجاؤں کو اِس امر سے باز رکھا۔ اور موقع ہی نہ دیا کہ اُن کا یہ ارادہ قوت سے فعل میں آئے، اور اِن دونوں شیطانوں کا شر ہمارے لشکر سے دفع ہو۔ ہاں سچ ہے کہ ”اذا جاء القضاء البصر“۔

تلبیہ: مجھے یاد ہے کہ اس حبص بھص میں ایک روز حکیم حسین رضا خاں صاحب نے خلوت میں مجھ سے عرض کی کہ: بے ادبی معاف! حضرت خود فرمائیں کہ ہم سب غلام اور دوسرے عقل مند دانا لوگ جو سرکار کے دولت خواہ اور فدوی ہیں۔ یک زبان ہو کر اسی مشورے پر اصرار کر رہے ہیں کہ آپ کا جو دھپور ہی میں رہنا بہر صورت بہتر، اور سرکار کا یہاں سے کوچ کرنا باکل بیجا ہے۔ لیکن حضور اس کے خلاف ہیں، مانتے ہی نہیں۔ شاید مہاراجہ کی اور ہم سب کی عقلیں سلب ہو گئی ہیں۔ اب اِسکے برعکس ہماری زبان کھا کہہ سکتی ہے۔ سر ادب سے گزر کر پایۂ گستاخی کو پہنچنا ہے۔

میں نے کہا: میں استقدر بیوقوف نہیں ہوں کہ اِن باتوں کی تہ کو نہ پاسکوں۔ اور نادانی سے مخالفت پر اِزا رہوں۔ مگر شاید میرا کلام مقدر کی جانب سے ہو۔ اور آپ لوگوں کی تدبیریں تقدیر کے خلاف۔ جو تدبیر تقدیر کے خلاف ہو وہ کیونکر عمل میں آسکتی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ میری تقدیر میں کیا مکروہات لکھے ہیں جو میری راے آپ سب فدویوں کی

راے کے خلاف تقاضا کر رہی ہے۔ جو کچھ آپ سب نہیں چاہتے، وہ میری طبیعت چاہتی ہے۔ اس پر بات ختم اور سب خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد جب میں تباہ و برباد ہوا تو مہینے حکیم صاحب سے کہا کہ آپ نے دیکھا! میری راے تقدیر کے موافق تھی اور آپ لوگوں کی رائیں مقدر کے خلاف۔

فائدہ: سندھی لوگ اپنے کو رسول اللہ ص کے چچا حضرت عباس رض کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور انہیں 'لٹی' (لام اور تے فوقانیہ کی تشدید اور یاے معروف کے ساتھ) بھی کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ اکثر سپہ فام، قوی ہیکل، زور آور ہوتے ہیں۔ مسلمان ہیں، مگر اپنے مذہب کی رو سے اپنے بدن پر أسترة پہنرنا حرام سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کہ لب، بغل اور سر وغیرہ کے بال تک نہیں لہتے۔ شاہ نواز خان لٹی کا پایہ تفتت عمرکوت نامی ایک قلعہ تھا، جو آجکل تھوڑے عرصے سے مہاراجہ راجیشر کے تصرف میں ہے۔ شاہ نواز خان اپنی بسر اوقات والی ہرات کے سایۂ حمایت میں کر رہا ہے۔ اس کے فرزند محمد عارف خان عباسی جو دھپور میں مہاراجہ کے یہاں رکھے ہیں۔ راقم کے ساتھ نہایت فدویانہ عقیدت رکھتے ہیں۔ لیکن کسی مصلحت سے ملاقات کو نہیں آئے۔

اسی اثناء میں والی ہرات کے سوا تمام مذکورہ سرداروں کی عرضیاں ہمارے پاس پہنچیں۔ لیکن چوری کی بدولت بہت سی عرضیاں تلف ہو گئیں۔ صرف چند عریفے نواب عماد الملک کے باقی رہ گئے ہیں۔ ان میں سے جو کچھ اس موقع کے مناسب ہیں، ان کی نقل تحریر کی جاتی ہے۔

وزیر الممالک آصف جاہ نظام الملک بہادر، سپہ سالار یعنی عماد الملک

غازی الدین خان المتخلص بہ نظام کی عرضی اور ان اشعار

کی نقل، جو ماہِ رجب سنہ ۱۲۰۳ھ میں وزیر موصوف

کی مہر خاص اور دستخط سے بمقام جو دھپور

میرے پاس پہنچے تھے

صاحب عالم و عالمیاں، و مالک جہاں و جہانیاں، طراز سریر سلطانی، رونق تاج خاقانی، خسر و عالی تبار، خدیو والا مقدار، ایدہ اللہ تعالیٰ۔

عبودیت کے مراتب پیش کرنے اور عقیدت کے مراسم تحریر کرنے کے بعد ارادت مندوں کے طریقوں کے مطابق اور مستملدوں کے اطوار کے موافق ادب سے ہاتھ باندہ کر اور بندگی سے قد کو چھکا کر عرض فیض معرض کی بلندی پر جہاں سریر خلافت کے پایہ تک بار پانے والے جا کر عرض کرتے ہیں۔ اور بساط سلطنت مناط کے مقرب اشرف و اقدس، ارفع تک پہنچاتے ہیں، اپنی عرض یوں پہنچاتا ہے کہ:

اے خداوند تاج و صاحب تخت - تو علی بخت با دیار تو بخت
 حضرت کردگار بے ہمتا - بر تو آسان کناہ مشکل سخت
 بقو تشریف شاہی ارزانی - در عدم بردہ دشمنان تو رخت
 لخت دل ہاے دشمنان نزد - برسر ناوک و سنان یک لخت
 سبز شد در دعا زبان نظام
 فیض بخشی چو میوہ دار درخت

نشان واجب الاذعان و رقم مبارک شیم نے مبارک گھڑی میں عز و رود و فیض فرمایا۔ اور اس ذرہ بہمقدار کے اعزاز و افتخار کے درجے کو برہایا۔
 بوسہ دم و بر مرد مک دیدہ نہادم - بچہ دم و تعویذ دل غمزہ کردم

اس سرمایہ سرفرازی کو طرے کی طرح اپنے سر نیاز کی زینت بنایا۔ ادب کی جگہ پر کھڑے ہو کر آداب و تسلیمات پیش کرتا ہوں۔ اپنی رسوخ کی انگلیوں کو اس مکتوب عالی تک پہنچانے سے مشرف کیا۔ خط طغرا نمط کی زیارت سے دیدہ اعجاز دیدہ کو منور بنایا۔ اُسکی متین عبارتوں اور رنگین مضامین کے مطالعہ نے دل فدویت منزل کو مسرور کیا۔ چشم بد دور در حقیقت قلعہ مبارک والوں میں ایسی قابلیت کا کوئی شخص سننے میں نہیں آیا۔ یہ محض فطری استعداد ہے کہ تعلیم و تعلم کے بغیر ایسی عمدہ نثر سلیس، فصیح و بلیغ اور صحیح فارسی خامہ بلاغت شامہ سے تپکی پرتی ہے۔ اور ایسے آبدار اشعار نظم ہوتے ہیں۔ پھر غیرت و عزم کا یہ عالم کہ حیرت ہوتی ہے۔ قلعہ مبارک کی قید سے کہوں کر باہر تشریف لے آئے۔ ع

این کار از تو آید و مردان چنہن کلند۔

خداوند تعالیٰ شانہ قادر ہے۔ وہی اس تکلیف کے عوض خاطر خواہ آرام عطا فرمائے گا۔ بندگان الہی میں یہ کمترین بندہ واللہ ثم باللہ اس قابلیت اور

جرات کو دیکھ کر شہنشاہِ ہندوگی ہو گیا ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ اس ضعیف کی جوانی اور اختیارات کے زمانے میں اس نیرِ اعظم نے عز و جلال کے آفت سے طلوع نہ فرمایا، کہ غلام بھی کچھ اپنی جاں فشانیاں دکھاتا۔

راؤ ملہار راؤ، بالاجی راؤ، احمد خان، حافظ رحمت خان، راجہ مادھو سنگھ وغیرہ خاکسار کے قوت بازو تھے۔ اب اُن میں سے کوئی نہ رہا۔ دوسرے مرہٹہ سردار جن سے ساتھ دیئے کی اُمید تھی، وہ اس وقت خود مالک بن بیٹھے ہیں۔ اور عالی شان راجاؤں کے حالات ظاہر ہیں۔ جو کچھ میرے خاطر فاتر میں آیا، وہ الگ کاغذ کے پرچے پر حضور کی راے جہاں آراے پر روشن ہوتا ہے۔ ترکی کے لئے جو ارشاد عالی ہوا، تو اس وقت ترکی تمام ہو چکی ہے۔ صرف آن جلیل القدر کے حکم کی پیروی میں ایک رباعی فی البدیہہ عرض ہے :

تذکری سینی دنیا ارا سلطان قہلسون

جاء و حشمت بجرلہ سلیمان قہلسون

دولت ببرسون سنکا و احسان قہلسون

عالم و اقویا اش گیتی نمایاں قہلسون

اس رب العباد کی بارگاہ میں دعا ہے کہ ابدالابد تک دولت اور اقبال کا سورج عظمت اور جلال کے مطلع سے درخشاں اور تاباں رہے۔

راقم کے اشعار میں غم خور تخلص تھا، اس لئے وزیر موصوف نے الگ ایک کاغذ پر اس تخلص کو بدلنے کے لئے اِن الفاظ میں اشارہ کیا:

”حضرت سلامت! غم کھانا دشمنوں کو نصیب ہو۔ جو تخلص شان شہریاری پر دلالت کرے، وہ جناب کے لئے مبارک، اولیٰ اور احسن ہے۔“

وزیر موصوف کے معروضے کے موافق میں نے اپنا تخلص بدل کر اظفیری رکھا۔

وزیر موصوف کے طبع زاد چند دعائیہ اشعار

”حضرت سلامت! چونکہ ہمدی (اردو) زبان خاطر مبارک کو پسند ہے۔ اسی زبان میں ایک دعائیہ غزل اور دوسری غزل حضور والا کی غزل پر معروف خدمت ہے۔“ - غزل دعائیہ:

اے شاہ اجابت سے قرین مہری دعا ہو
شامل ترے تا دور زمان فضل خدا ہو
جس طرح ہو خور شہید شعاعوں سے جہا نکیر
لے شوق سے تا غرب تلک دست رسا ہو
قوس قزح و مہر جہاں تاب کے مانند
عالم میں علانیہ ترا تیغ و لوا ہو
جوں سرو سرافراختہ گلشن میں جہاں کے
اے نخل ثمر پاش تجھے نشو و نما ہو
ہر شاہ فلک رتبہ و ہر خسرو جم قدر
محتاج ترے دریہ سدا مثل گدا ہو
احکام ترے ہووین رسا تا مہ و ماہی
تابع ترے فرمان کے یہ ارض و سما ہو
شریت سے ترے فیض کے سو کام ہو شیریں
ہر بندۂ محتاج کا تو کام روا ہو
صہقتل دہ دل سرمہ کش دیدۂ عہدت
اے رشک مہ و مہر ترا صبح و مسا ہو
تجھکو ہو بقا تا بہ ابد ملک جہاں میں
اور تہرے بد اندیش کی قسمت میں فنا ہو
سافر ترے اقبال کا اب دور میں آوے
وہ کام ہو دوراں سے کہ سب دور ترا ہو
بلبل بھی اگر باغ میں ہو تہری ثنا خواں
تجھ سے زر گل پاکے وہ بابرگ و نوا ہو
تجھہ بن جو کوئی نصت پہ بیٹھے ہو تو بھجا
تو جاے کرے اس پہ تو یہ بات بجا ہو

تیری تو جبلت مہن سراسر ہے بھلائی
 تو خسرو عالم ہو تو عالم کا بھلا ہو
 وہ دولت وافر کہ نہ ہو اُس سے زیادہ
 گلچینڈ لاریب سے سو تجھ کو عطا ہو
 ہو چکر ترے سر پہ کف لطف الہی
 سایہ ترے دامن کا بہ از ظل ہما ہو
 ہو ایک نظر تیری کلید در بستہ
 اور ناخن ابرو ہی ترا عقدہ کشا ہو
 معجوب ہو دشمن کا ترے کو کب طالع
 اور نہر اقبال ترا جلوہ نما ہو
 قادر ہے سبھی چہز پہ خلاق دو عالم
 گر عرض نظام اتلی وہ سن لہوے تو کیا ہو۔

واقم کے طبع زاد شعر کے دو مصرعوں کی تفسین، جو وزیر موصوف نے کی
 یہ ہے:

کب آفتاب تیرے تجمل کو پاسکے
 یہ دو اُسے کہاں کہ ترے آگے آسکے
 اُس کو تو میں نے رشتہ جاں سے کہا ہے بند
 کہونکر ترا خیال مرے جی سے جاسکے
 تیری گراہ جبین کی ہے اِس کو مہرب
 قاصد مرا پہام تجھے کب سنا سکے
 سہلے سے دل گیا ہے نکل اُس پری کے ساتھ
 لا اے صبا خبر تو تک اُس کی جو لاسکے
 مت تو دل کو مہرے کہ آوے اگر خلیل
 آساں نہیں ہے پھر یہ کعبہ بنا سکے
 گر بیوقا ہوا ہے دلا! وہ جفا سرشت
 تو اپنی سی نباہیو، جب تک نبھاسکے
 تم تو عبت ہو دو پگے تدبیر دوستان
 دل لگ گیا تو کون پھر اِسکو چھڑاسکے

طوفانِ اشک بھی کہیں رکتا ہے دل کے بھیج
ممکن نہیں کہ کوزے میں دریا سما سکے

مہرا ہی یہ تو ہے دل پر شور، ورنہ یار
کوچے میں تیرے کون یہ دھومیں مچا سکے

خط سے ترے ہوا ہے سیہ روز عاشقان
تقدیر کے لکھے کو کوئی کہا مٹا سکے

اس دیر میں بجز دل دیوانہ نصیف
طاقت کسے جو بار محبت اُتھا سکے

عیار بے ہراس ہوا ہے وہ فتنہ گر
کس کی مجال ہے کہ دل اُس سے بچا سکے

سر چنگ آسمان سے اُس دل نکار کو
فرصت نہیں ہے اتنی کہ سر کو کھچا سکے

ہے مار زہردار تری زلف تابدار
جو جان پر نہ کھیلے اُسے کب کھلا سکے

چھپتی ہے شان شاہِ علی بنکت کب نظام
دبھوں میں کون مشک کی بو کو چھپا سکے

فزل کا آخری مصرعہ، اور مصرعہ طوفانِ اشک راقم کے ہیں۔

موصوف کی غزل فارسی

”ایک فارسی فزل بھی اپنے مزخرفات سے بنظر اصلاح قلم عبودیت شہم سے
مرقوم ہوتی ہے، مطالعہ خاص میں اُنہی کی۔“

چناں کاندہ بہاراں می شود از گل چمن رنگہیں
شد از رنگینگی آن نو گل من انجمن رنگہیں
نہ پنداری لباس خویش کرد آن گلبدن رنگہیں
کہ از عکس تن اومی نماید پیرہن رنگہیں
شہید تیغ را گر جامہ خون آلودہ می باشد
شہد عشق رازبید ز خون دل کفن رنگہیں

سوے لعل لبث اے ماہ گر چشم سہیل اُفتد
 نہ بھند چشم کس ہرگز سہیل اندر یمن رنگیں
 عجب رنگے نمایاں کرد حسن و عشق در محفل
 نکار شوخ من رنگین و دل رنگین و من رنگیں
 لبے گردیدہ ہر برگ شقائق، صاف می گوید
 کہ باشد کوہ تا معشر زخون کوہ کن رنگیں
 کے از طرا حی حسن تو ظالم جاں برد عاشق
 نگہ دلکش و لعل آفت ادا نازک، سخن رنگیں
 کف پائے نکارینش چہ ممت از حنا گہرد
 گل اندام کہ دارد از فروغ حسن تن رنگیں
 بجوش سینہ خون دل ز چشم من فرو ریزد
 بہ آٹھلے کہ از مہنا بر آید می زدن رنگیں
 نظاماً درد و عالم نیست چیزے بہ زیک رنگی
 چو آن جانانہ رنگین است می باید شدن رنگیں

!س غزل کے جواب میں موصوف کے آخری مصرعے کی تفسیر اور راقم کی
 دو غزلیں پیش ہیں :

شد از یمن قُدم نو بہارم انجمن رنگیں
 زمیں رنگیں، زمن رنگیں، ہوا رنگیں چمن رنگیں
 عجب دارد بُت من لو حَسَّ اللہ آمدن رنگیں
 خرام آفت، ادا قاتل، سخن جاں دہ، دهن رنگیں
 شد از رنگہلی رنگ کلامش طبع من رنگیں
 از اس سرمی بُندائے اظفیری از من سخن رنگیں
 شوم قریان رنگہلی تو اے گلغذار من
 کہ شد از زلف و رویت سنبل و گل یاسمن رنگیں
 نکار دین دست و پایم بر سر قتل کہ پیمودی!
 دہاں از پان، خدا از غازہ بہ گلگون پھرہن رنگیں

یہ بھی میرا کلام ہے:

نباشد کشتکانت راز خون شاں کفن رنگین
مگر در حسرت لعل لبیت اے گلبدن رنگین

چو یار من، نکار من، سہی سرو بہار من
زند چشک بصر، می شود زاغ و زغن رنگین

شود از کشتہ ہا پستہ، ز پروانہ بگرد شمع
ولے از خون عاشق شمع رو سازد لکن رنگین

نہ سازید از مے و سرمہ دو بالا بہر قتل من
چہ کم این نرگس فتان ست اے اہل فتن رنگین

ز اشعار نظام اے اظفری کن کسب رنگینی
جو آن جانانہ رنگین است می باید شدن رنگین۔

اُدے پور کی جانب ہمارا کوچ اور اُس عجیب و غریب گھاتی کے حالات

جو اِس راہ میں ہمیش آئے

آخر کار قوم چیتہ کی رفاقت کی اُمید پر، جو اُدے پور کے راستے میں
دھتی ہے، ہم رمضان المبارک کی پہلی تاریخ کو اُسی طرف روانہ ہوئے۔
چہ پور اور جودھپور کے راجہ بھی اس راز سے واقف ہو گئے تو انہوں نے اپنی اپنی
طرف سے اِس قوم کو ہمارے خلاف اِس قدر بھڑکایا کہ کسی ایک نے بھی ہمارا
ساتھ نہ دیا۔ اِن پہاڑوں میں گرمی اور راستے کی سختی سے ہمارا ایک
ہاتھی بھی ہلاک ہو گیا۔ اب ہماری آنکھیں کھلیں اور معلوم ہوا کہ نامدار خان
نادان اور امردت شیطان نے ہم کو برباد کر ڈالنے کا تہیہ کیا تھا۔ اُسی وقت
یہ فارسی قطعہ اور ایک اردو مطلع اپنے حسب حال کہا۔ قطعہ:

اظفری! دوستان نادانت - بتر از دشمنت زیاں کردند

کہ ندانی تدراک مافات - ضرر ایدوں کہ دشمنان کردند

مطلع ریختہ یہ ہے:

عشق تقصیر نہیں تیری میں حاشا دیکھا

ہم نے گہر اپنا چلا آپ تماشا دیکھا۔

اب مجبوراً ہم نے اُدیبور کا دستہ اختیار کیا تاکہ وہاں سے نواب نظام الدولہ آصف چاہ بہادر یا امیرالہند والاچاہ مسعود علی خان بہادر کے یہاں دکن چلے جائیں، کیوں کہ وہ بھی گویا اپنا ہی گھر ہے۔ دو تین کوچ کے بعد ہم قصبہ پالی میں پہنچے۔ یہ مقام مہاراجہ راجیشہر کا آباد کیا ہوا ہے۔ اچھا آباد و رونق دار بڑا قصبہ ہے۔ باؤلی پر ایک عجیب نادر پلنگھت دیکھنے میں آیا۔ ایسا پلنگھت ہماری آنکھوں نے اب تک کہیں نہیں دیکھا تھا۔ پھر چند کوچ کے بعد راہ میں پہلی کتلی (سخت پہاڑی گھاتی) بڑی، ایسی گھاٹیاں نیپال اور کشمیر کے راستوں کے سوا غالباً اور کہیں نظر نہیں آتیں۔ اس غضب کی گھاتی تھی کہ رتھ، بیل گاڑی، اور ہاتھی تک کا گذر ناممکن نظر آتا تھا۔ راج راجیشہر کا عامل وہاں دھتا تھا۔ اسی نے اُن بھیل اقوام کو اپنی تیغ بیدریغ سے موت کے گھاٹ اتارا تھا، جو پہاڑوں اور دروں میں دھتے ہیں۔ قافلوں کو لوٹتے ہیں۔ راتوں کو پھر پھر کر ڈاکے مارتے اور بڑی بڑی چوریاں کرتے ہیں۔ جو بچ رہے تھے، اُن کی پوری گوش مالی کر کے اس عامل نے اپنا مطیع بنا لیا تھا۔ اسکے ہاتھ پر ایک تازہ زخم بھی تھا۔ عامل نے اِس قوم کے دو سو آدمی بلوائے۔ ہماری سرکار کا تمام مال و اسباب، خیمے، وغیرہ اِن کے سروں پر لدوائے۔ رتھ اور گاڑیوں کا ایک ایک جوڑ بند جدا کر کے اِن لوگوں پر بار کرایا۔ تمام بار بردار اونٹوں کے بوجھ اُتار لئے گئے۔ تقریباً چالیس کمزور، عاجز اور بوڑھے آدمی ہمارے خانہ زادوں میں سے ساتھ تھے۔ اُن کو بھی بھیلوں کی پھتھوں پر لدوایا۔ اب ہم آگے روانہ ہوئے۔ اِس سخت گھاتی میں پہاڑیوں کے سبب ہر قدم پر نہایت درجہ پستی و بلندی نمایاں تھی۔ پیدل ہی چل سکتے تھے، اونٹوں کے ہلنے کی تاب نہ لاسکتے تھے۔ اُن کو بھی مردوں کی طرح چار پاٹھوں پر ڈال کر بھیلوں کے کاندھوں پر لادا۔ دوسرا ہاتھی جو مہاراجہ راجیشہر نے پیش کیا تھا، اِس خوف سے کہ کہیں راستے میں ہلاک نہ ہو جائے، اِسی عامل کے سپرد کر دیا تاکہ مہاراجہ کی سرکار میں واپس پہنچا دے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ اِس روز میں نالکی میں سوار تھا، سرکاری کھار اِس ناہموار راستے میں نالکی لیکر ایک قدم بھی تھیک نہیں رکھ سکتے تھے۔ مجبوراً نالکی میں بھی اسی قوم کے آدمی لگائے گئے۔ یہ لوگ عجب ہموار قدم تھے۔ میں نے دیکھا کہ بڑی پھرتی کے ساتھ یہ دشوار گزار راستہ طے کر رہے تھے۔ راجہ کا عامل بھی گھاتے کے عبور تک ہمراہ رکاب رہا۔ یہ گھاتا جسقدر دشوار

تھا اسی قدر شاداب اور فرحت انگیز بھی تھا۔ ہر طرف پہاڑوں سے آبِ زلال کی نہریں بہ رہی تھیں۔ لیکن بھیلوں کی صورتوں کی نسبت کیا کہا جائے، ہر ایک صخرۂ جلی سے کچھ سوا نظر آتا تھا۔ غرضکہ اس صورت سے بڑی مشکلوں کے ساتھ اس گھاٹے سے عبور کیا، جسکا طول پانچ فرسخ تھا۔ اس قوم کے افراد نے جو رھوار چلنے والی سواریوں، خوش رفتار کھاروں اور باربردار اونٹوں سے کسی طرح کم نہیں۔ پوری حفاظت کے ساتھ تمام سرکاری سامان و اسباب سرکار میں پہنچا دیا۔ کسی قسم کی کوئی خیانت اور چوری نہ کی۔ ہم نے اس عمدہ خدمت بتجالانے کے صلے میں عامل کو اُسکی حیثیت کے موافق ایک قیمتی خلعت مرحمت فرما کر رخصت کیا۔ چند منزلوں بعد ناتھ دوارے میں پہنچے، جو ہندوؤں کا مشہور تیرتہ ہے۔

ہمارا اُدیبور پہنچنا، وہاں کے والی اور راج راجیشر موصوف کے بڑے بیٹے

کنور ظالم سنگھ کا ہمارے ساتھ سلوک

اسکے بعد یہاں سے روانہ ہوئے، دو کوچ میں اسی مہینے کی بائیسویں تاریخ کو اُدیبور کے گھاٹے میں پہنچ گئے۔ جو شہر سے اُس طرف تین کوس کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہاں خیمے لگا دئے گئے اور ہم اُتر پڑے۔ سارا شہر اور سب گانوں مرہٹوں کے ہاتوں تباہ ہو چکے تھے۔ والی شہر کے اُمرا باغی ہو گئے تھے۔ ایک طرفہ بات یہ ہے کہ یہاں کی عورتیں اپنے شوہروں کو ”باپ جی“ کہتی ہیں۔

نقل: بیان کیا جاتا ہے کہ مہاراج جے سنگھ سوائی (جو راج راجندر سوائی پرتاب سنگھ کا دادا تھا) اپنی شادی کے لئے اُدیبور پہنچا۔ وہاں کے ایک رانا کی لڑکی سے شادی قرار پائی تھی۔ ہندوؤں کی رسم و رواج کے مطابق شادی ہو گئی۔ براتی دلہن کو بیاہ کر اپنے گھر لے آئے۔ دولہانے جیسے ہی پلنگ پر قدم رکھا، دلہن نے اپنے ملک کی رسم کے موافق شوہر سے کہا: ”کہنا باپ جی،“ یعنی بسم اللہ۔ اس ملک میں لفظ کہنا بسم اللہ کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ راجہ سوائی جے سنگھ بادشاہان دہلی کے دربار کی صحبت سے مہرزا راجہ بن چکے تھے۔ یہ الفاظ سن کر انہیں بہت غصہ آیا۔ لاجول پڑھتے

* صخرۂ = سنگِ سضا، ایک دیو کا نام ہے۔ ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے۔

ہوے باہر نکل آئے۔ اور حکم دیا کہ دلہن کو اُس کے باپ کے گھر پہنچادیں۔ یہ ایک ایسا نامعقول لفظ زبان پر لائی ہے کہ اب میرے کام کی نہیں رہی۔ آخر برہمنوں نے مہاراج کو سمجھایا کہ نادانی سے اگر ایسا لفظ دلہن کی زبان سے نکل جائے تو مذہب کی رو سے کوئی قابل گرفت بات نہیں۔ کیونکہ میواڑ میں لفظ ”باپ جی“، عموماً ”صاحب“ کے معنی میں آتا ہے۔ بید خوان برہمنوں کے بیحد اصرار پر راجہ نے کہا کہ اچھا پہلے ہماری سرکار کے چند خواجہ سراؤں کو رانی کی تربیت کے لئے مقرر کیا جائے۔ تاکہ تہذیب سکھائیں اور آئندہ پھر کبھی رانی ایسا مکروہ لفظ زبان پر نہ لائے۔

القصہ: مہارانا بھیم سنگھ بہادر نے جو قوم بہادروں سے ہے اور اس شہر کا چہتر پلنتی راجہ ہے۔ اپنے سفیر منشی چمن لال کو بھیجا۔ اس نے ہمارے حضور میں آکر معذرت کی کہ مہارانا بہادر نے آداب و تسلیمات اور کور نشات ادا کرنے کے بعد عرض کی ہے کہ اس غلام کے بزرگوں سے اب تک یہ رسم نہیں ہے کہ خود حضور میں آکر متجرا دے اور باریاب ہو۔ اسکے علاوہ اپنی سرکار کے افسروں کی بغاوت اور سرکشی سے آج کل سخت معذور ہوں۔ چار گھوڑے معہ نقرئی ساز کے، چار اونٹ، کپڑوں کی چند کشتیاں اور پچاس اشرفیاں بطور نذرانہ بھیجی ہیں، یہ قبول فرمائی جائیں۔ ہم نے قبول کیا اور منشی کو انعام میں دو سالہ مرحمت فرمایا۔ راج راجیشر کا بڑا بیٹا کلور ظالم سنگھ اپنے نانا کے ہاں اُدیپور ہی میں رہتا ہے، اُس نے بھی چہارم حصہ نذرانہ اور اپنی مہر لگی ہوئی عرضی بھیجی۔

کلور ظالم سنگھ کی عرضی کی نقل، جو ماہ شوال سنہ ۱۲۰۳ھ میں

پہنچی تھی

”اقبال کا سورج اور شوکت و جلال کا آفتاب ہمیشہ قادر متعال کے فضل سے تاباں و درخشاں رہے۔ شقہ سامی کا ورود سرفرازیوں کا سبب ہوا، اُس سے تمام حقیقت حال معلوم کر کے پورا شرف آگاہی حاصل کیا۔ یہاں کے حالات سرکار معلیٰ اعداد کے منشی لوگ عرض اشرف میں مفصل گزارش کرینگے۔

دولت و اقبال ہمیشہ روز افزوں رہے۔ زیادہ حد ادب۔۔۔ عرضی ختم ہوئی۔

ایک روز سواری پر مہارانا کی ملاقات نامدار خاں احق سے ہوگئی۔ اِس بے شعور افغان نے از راہ حماقت مہارانا موصوف کی تعظیم میں کوتاہی کی۔

یہ بات مہرے سننے میں آئی۔ تو میں نے فوراً مہارانا کی دلدھی اور دفع ملال کے خیال سے اُن کے منشی کو جس کا نام چمن لال تھا، ایک رقعہ لکھا۔ اس نے رقعے کے جواب میں ہمارے حضور میں عرضی روانہ کی۔ اُس کی نقل درج ذیل ہے۔

منشی چمن لال کی عرضی کی نقل جو ماہ شوال سنہ صدر

میں ہمارے حضور میں پہنچی

”خاص النصاص شتے کے شرف ورود اور عزت صدور سے اِس عاجز ترین بندے کا سر انکسار افلاک کی بلندی تک پہنچ گیا۔ اِس عنایتِ عظیمیٰ اور تفکلاتِ کبریٰ کا شکر و سپاس ناطقے کی طاقت سے باہر ہے۔ خداوند تعالیٰ حضور کے سایۂ ہمایا یہ کو دنیا بھر کے سروں پر سایہ گستر رکھے۔ خان عالی شان نامدار خاں کے متعلق حضور کا جو حکم قضا تو آم شرف نفاذ پایا ہے، وہ خداوند نعمت و دولت (مہاراجہ) کی جناب میں پیش کر دیا گیا۔ جواب میں ارشاد فرمایا ہے کہ سپاہی لوگوں سے کوئی گرانی خاطر نہیں۔ سارے مراتب کا آغاز و انجام بارگاہ والا سے وابستہ ہے۔ جو کچھ ضروری تھا، عرض کیا گیا۔ عرضی راے چمن لعل بندۂ سری مہارانا۔“

پاتن کی شکست اور شاہزادہ مہرزا احسن بخت بہادر کا حال

اس اثنا میں ہم کو یہ خبر پہنچی کہ اسمعیل بیگ جسکا ذکر اوپر گزرا ہے، اپنے تہام گاہ پاتن نامی قریے میں شکست پا کر تباہ ہوا۔ جنوب کی فوجیں ہر طرف سے زور و شور سے بڑھی ہیں۔ شاہزادۂ مہرزا احسن بخت بہادر، حضرت شاہ عالم بادشاہ سلمہ اللہ کے بیٹے تھے۔ وہ مہرے جو دھپور سے روانہ ہونے کے بعد، قلعۂ مبارک سے بھاگ کر اسمعیل بیگ کے پاس پہنچ گئے تھے اور قیدی کی طور پر نظر بند تھے، وہ بھی تباہ و برباد ہوئے اور بڑی مصیبت سے وہاں سے نکل کر اجسیر شریف پہنچے ہیں۔ تحقیق کرنے پر یہ بھی معلوم ہوا کہ مرہٹہ بیٹھیل کے ہاتھوں اُدھر سے حیدرآباد تک ہمارا گذر دشوار ہے۔ ہم نے بلدے کے والی مہارانا بہادر کے پاس اُدھپور کے باؤلی گھاٹ نامی مکان میں بطور امانت اپنی پالکی رکھوا دی۔

اور اپنی ظاہری شان و شوکت اور نشان و بان وغیرہ کو تھوڑے دنوں کے لگے ملتوی رکھا۔ اسی روز نامدار خاں افغان اور امرت شیطان کو اپنی سرکار سے برطرف کر کے ماہ شوال سنہ رواں کی بائیسویں تاریخ کو ہم پھر اجمیر کی طرف روانہ ہوئے۔ دو کوس کے فاصلے پر بازو میں قلعہ چتور گڑھ کو چھوڑ دیا۔ بیحد عجلت کی وجہ سے اس شہر کی سہر بھی موقوف رکھی۔

بہلوآڑے میں جو والی اُدیپور کا دارالضرب ہے، ہماری سرکار کی چوری،
پھر ہمارا شاہ پور پہنچنا، اور اُسکے راجہ کا اچھا برتاؤ

جس روز ہم بہلوآڑہ پہنچے، اسی روز رات کو غفلت کی حالت میں کپڑوں کے تمام جوڑے، ہتھیار، نقد و جنس وغیرہ اس صفائی سے بہیل لوگ چرالے لگے کہ کانوں کان کسی ایک کو خبر نہ ہوئی۔ ہماری ایک خاص تلوار بھی خدا کی مرضی سے چوروں کے ہاتھ پڑ گئی، جو ایک لاکھ روپے قیمت کی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ چور اپنے کمال فن میں بے نظیر ہیں۔ یہاں کا دستور یہ ہے کہ اسباب کی حفاظت کے لئے اگر وہیں کے تھاکروں کا پھرہ چوکی ہو تو چوری نہیں ہوتی۔ ورنہ چور کسی نہ کسی طرح ضرور اپنا کام کر جاتے ہیں۔

مہاراج راجندر کے بھٹشی میٹھالال نے ہمارے سامنے ایک روز اپنی سرگزشت بیان کی کہ مہاراجہ کی شادی کی تقریب کے موقعے پر جس وقت ہمارا لشکر اس بستی کے نواح میں پہنچا، تو مہاراج نے تمام لشکر بالخصوص اپنے حضور کے محافظوں کو سخت تاکید فرمادی کہ آج کی رات جاگ کر بسر کریں۔ اس پر بھی ہم چوری سے نہ بچے۔ رات کے دو پہر گزرے ہوں گے کہ ایک نگی قسم کی بو ہماری ناکوں میں پہنچی۔ ایسی بو ہم نے کبھی نہیں سونگھی تھی۔ ناک میں پہنچتے ہی اس بو، نے یہ اثر کیا کہ ہرچند ہم نے اپنے کو ہشیار رکھنا چاہا، مگر نہ رکھ سکے، کسی قدر غافل ہو گئے۔ غافل ہونا تھا کہ چور گھس آئے، اور تمام قیمتی سامان لے آئے۔

غرض کہ ”رہینا بالقصا“ کہہ کر ہم نے اگے کوچ کیا۔ شاہ پور پہنچے تو وہاں کا راجہ جس کا نام بہم سلگھہ ہے، اور جو چور کے راجہ کا سدھی ہے، خود

حاضر ہوا اور نقد و جنس سے خدمت شائستہ بجا لایا۔ اس کے تمام ملک کی سالانہ آمدنی پورے ایک لاکھ روپے کی بھی نہیں، پھر بھی بڑا فیاض ہے۔ اس نے عرض کی کہ غلام کو زیادہ استطاعت نہیں، تاہم باورچی خانہ کے لئے ماہانہ ایک ہزار روپیہ پہنچاتا رہوں گا۔ اور حضور کے چوپایے غلام کے جانوروں کے ساتھ دانہ، گھاس کھالیا کرینگے۔ کچھ روز غریب خانے میں تشریف رکھئے۔ میں نے کہا: خدا تمہیں برکت دے۔ ہم اس وقت تم راجاؤں کے پاس نہیں ٹہر سکتے۔ صرف تین دن قیام رہا۔ راجہ روزانہ حضور میں حاضر ہوتا، بڑی منت و سماجت اور اصرار کرتا کہ چند روز رہ جائے۔ بہر حال ہم روانہ ہوئے، رخصت کے وقت ہم نے اپنی کمر کی ایک کٹار جو بہت ہی قیمتی تحفہ تھی، راجہ کو مرحمت فرمائی۔

کشن گڑھ کا ذکر، وہاں کے راجہ کا سلوک، اور اس کا ہماری تصویر کھنچوانا

وہاں سے روانہ ہو کر ہم کشن گڑھ پہنچے۔ اجمیر شریف یہاں سے صرف ایک منزل ہے۔ راجہ کا نام جٹا جی ہے۔ اس نے نذرانہ اور مہمانی بھیجوائی۔ یہ راجہ حال ہی میں مہاراجہ راجیشہر کی قید سے نجات پا کر اپنے شہر میں پہنچا تھا۔ اسی سبب سے خود تو ہمارے حضور میں نہ آیا۔ مگر اپنے مصور کو بھیجکر ہماری تصویر کھنچوائی۔ اور بڑے شوق سے اپنے پاس رکھی۔ مجھے یاد ہے کہ اس روز میرے بدن پر سفید پوشاک تھی۔ سنا ہے کہ یہ راجہ بہت ہی مرزا منس اور صاحب اخلاق ہے۔

اجمیر کے دروازے پر ہمارا ورود اور شاہزادہ میہرا احسن بخت بہادر کا

یہاں کے قلعے میں آ موجود ہونا، کچھ اُن کے مختصر حالات،

مہرا دوبارہ چہ پور آنا، اور اس کے والی کا سلوک

جیسے ہی ہم اجمیر کے دروازے پر پہنچے، سنے میں آیا کہ میہرا احسن بخت بہادر یہاں کے قلعے میں تشریف رکھتے ہیں۔ میں نے چاہا کہ ملاقات کر آؤں۔ کیونکہ وہ رشتے میں میرے چچا ہوتے ہیں اور قلعہ مبارک کے زمانہ قیام میں ہمارے اُن کے درمیان کمال درجہ ربط تھا۔ مجھے پر بہت ہی مہربانی فرماتے تھے۔ اسی اثنا میں اجمیر کے عامل نے جو راتھور تھا، ایک اطلاعی

کی ڈیورہی کے متصل واقع ہے۔ اور راجہ کے متصل کی دیوار لگی ہوئی ہے۔ کوہندہ جی ایک بڑے بت کا نام ہے۔ پھر راجہ نے فرس فروش، خیمے، ایک خاص پلنگ، مہمانی، اور زر نقد میٹالال بخشی کے ذریعے ہمارے حضور میں بھیجا۔ مہاراجہ کی طرف سے بخشی نے آکر سفر میں ہماری چوری اور بربادی کے واقعات دریافت کئے۔ اور عرض کی کہ مہاراجہ نے التماس کی ہے کہ اس غلام اور مہاراجہ راجہشہر بہادر نے حضور کی خدمت میں کہا قصور کیا جو حضرت نے عجلت فرما کر اس قدر تکلیف اُٹھائی۔ اب بھی جو کچھ مرضی مبارک ہو، ہم حاضر ہیں۔ میں نے کہا کہ مقدر میں یہی لکھا تھا، ان باتوں کو دھرا کر مجھے شرمندہ نہ کریں۔ جس قلبے کا مزہ جاتا رہا، واپس آنا مشکل ہے۔ اس وقت نواب نظام الملک آصف جاہ بہادر یا نواب محمد علی خان بہادر والا جاہ کے پاس جانے کا ارادہ ہے۔ تمہاری جانب سے کوئی قصور نہیں ہوا۔ میں راضی اور میرا خدا راضی۔ غرض کہ میں روانہ ہونے کی تیاری میں تھا، اور راجہ روکنے کے لئے عاجزانہ اصرار کرتا تھا۔

شاہزادہ مرزا احسن بخت کی چہرہ میں آمد، اُن کے ساتھ راجہ کا سلوک

اور ہمارے اُن کے کچھ جواب و سوال پھر ارتباط و انفصال کا حال

اسی اٹلنا میں ماہ محرم سنہ ۱۲۰۴ھ کی آخری تاریخ کو شاہزادہ موصوف تباہی کی حالت میں مہرے پیچھے چہرہ پہنچے۔ اور میری فرودگاہ کے احاطے سے باہر ایک تالاب پر اُترے، جس میں کھجورے کثرت سے تھے۔ یہ مقام بت کوہند کی ڈیورہی سے ملا ہوا ہے۔ میں نے اُسی وقت اُن کی خیر و عافیت دریافت کرنے اور بندگی پہنچانے کے لئے اپنے منشی شیخ مکھو کو بھیجا۔ اُسے دیکھتے ہی نہایت تباہ سے میری خیریت پوچھی۔ اور دعا کہہ کر بھیجی۔ راجہ کو خبر پہنچی تو وہ بھی رسم مہمانی بجا لایا۔ مگر خرچ نقد اور خیمہ وغیرہ کچھ پیش کش نہ کیا، بلکہ اپنے بخشی کی زبانی کہلا بھیجا کہ ”جناب کا بار مجھ سے نہیں اُٹھ سکتا، حضرت شاہ عالم بادشاہ ہم غلاموں پر سخت نامہربان ہیں۔ اُن جناب سے ہمیں اطمینان نہیں ہے، اور کہیں تشریف لے جانا چاہئے۔“

شاہزادے نے مہرا طعنہ دیکر کہلا بھیجا کہ ”مرزا علی بخت بادشاہ معزالدین عرش آرام گاہ کے نواسوں میں ہیں، انہیں آپ اس قدر عزیز رکھتے ہیں کہ خاص اپنے مکان میں جگہ دی، اور میں شاہ عالم بادشاہ کا بیٹا ہوں، میرے باپ اب تک تخت سلطنت پر متمکن ہیں، پھر میرے ساتھ یہ سست سلوک!“

راجہ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ ”غلام تو بس اتنا جانتا ہے کہ آن جناب اور مرزا علی بخت بہادر دونوں بادشاہ معزالدین ہی کی اولاد و احفاد سے اور ایک ہی اصل کی شاخیں ہیں، لیکن مرزا علی بخت ہمارے مکان میں پہلے تشریف لائے، وہ رہیں تو ہمارے سر آنکھوں پر اور نہ رہیں تو مختار۔ لیکن آن جناب کے قیام سے غلاموں کو بیحد اندیشے ہیں۔“

اس گفتگو کے بعد شاہزادہ موصوف نے خواجہ سرا تکمین علی خاں نائب ناظر اور فضل علی خاں خورد* کی معرفت، جو اس وقت شاہزادہ موصوف کے ہمراہ زمان شاہ کی ولایت میں ہیں، میرے ساتھ میل جول اور ربط و ضبط پیدا کرنا چاہا اور یہ پیغام بھیجا کہ ”میں چاہتا ہوں ہم آپ دونوں متفق ہو کر آئندہ کے لئے کسی عمدہ کام کا مشورہ کریں۔ ایک ہی پلنگ پر سوئیں۔ ایک ہی رکاہی میں کھانا کھائیں۔ جس طرح آپ اپنی سرکار کا انتظام کرتے ہیں، اسی طرح ہماری سرکار کے بھی مختار ہیں۔ اور کلام اللہ درمیان میں ہو کہ ایک دوسرے کے ساتھ کچھ دغا نہ کریں گے۔“ میں نے اپنی سادہ دلی سے اس پیام کو قبول کر لیا۔ پھر انہوں نے کہلا بھیجا کہ ”تم تخت سلطنت پر بیٹھ چکے ہو۔ مجھے ڈر ہے کہ بادشاہی کا دماغ سر میں نہ آگیا ہو۔“ میں نے کہا: یہ بہتان ہے، میں نے تو اس تخت کو نالکی کی صورت میں بدل ڈالا جو راجہ نے بلوا کر دیا تھا۔ اسی پر سوار ہوتا ہوں۔ آپ کے دو خواص مہر شرف الدین اور مہر حبیب اللہ کچھ دنوں مہری سرکار میں نوکر رہ چکے ہیں۔ جواب آپ ہی کے نزدیک موجود ہیں۔ ان کو قسم دیکر اس بات کی تحقیق فرمائیں۔ شاہزادے نے پھر خوش ہو کر پیغام بھیجا کہ ”یہ بھی آپ نے زیادتی کی کہ حضرت شاہ عالم بادشاہ سلمہ اللہ تعالیٰ کے حکم بغیر نالکی پر سوار ہوئے۔ اس کا جرمانہ ادا کرنا چاہئے۔ شاہزادوں کی یہ مجال نہیں کہ حضور کی عنایت و اجازت کے بغیر نالکی پر سوار ہوں۔“

میں نے نہایت خوشی کے ساتھ جواب میں کہلا بھیجا کہ: ”جرمانہ قبول ہے، جب آپ بادشاہ ہوں گے اور میں وزیر، اُس وقت پیش کروں گا۔“ غرض تکمیل علی خان کی معرفت یہ سارا قضیہ طے ہو گیا، اب میں نے چاہا کہ اُن کے پاس جا کر ملاقات کروں۔ اتنے میں میرے ہرکارے نے یہ خبر پہنچائی کہ ”میں نے شاہزادہ صاحب کے ایک خواص سے سنا اور اُس نے اپنے کانوں یہ سنا ہے کہ شاہزادے صاحب خلوت میں تکمیل علی خان سے فرما رہے تھے کہ مرزا علی بخت کے سر میں سلطنت کا فرور سما گیا ہے۔ دو تلواریں ایک مہان میں نہیں رہ سکتیں، مجھے اُن سے اندیشہ ہے۔“ یہ خبر سن کر میں نے حکیموں کے اِس قول پر عمل کیا کہ ”ازاں کز تو ترسد بترس اے حکیم۔“ اور اُن سے ملاقات نہ کی۔

مولوی فخرالدین مرحوم کے مرید شاہ ضیاء الدین کی ملاقات کا بیان

واپسی میں مولوی صاحب مرحوم (قدس سرہ) کے مرید شاہ ضیاء الدین سے دو مرتبہ ملاقات کا اتفاق ہوا۔ مجھ پر بیحد توجہ فرمائی اور خلوت میں بلا کر بشارت کی طور پر بہت سی مفید نصیحتیں فرمائیں۔ خدائے تعالیٰ اُنہیں قوت سے فعل میں لائے۔ شاہ صاحب موصوف کو میں نے ایک مرتاض درویش پایا۔ تمام رات جاگتے ہیں، اور بت خانہ کویندہ کے مقابل ایک عالی شان مسجد بنوائی ہے۔ راجہ اور تمام شہر والے اُن کی خدمت میں حد درجہ عقیدت رکھتے اور حاضر ہوتے رہتے ہیں۔ راجہ نے بہت سی جاگہر اور پرگنے دینے کے لئے عاجزانہ طور پر درخواست کی، مگر شاہ صاحب نے قبول نہ فرمایا۔ توکل پر گزر کرتے ہیں۔ کئی شاندار اور بلند عمارتوں کے مالک ہیں۔ شہر میں زبانی اور انکسار میں حد سے زیادہ بڑھ ہوئے ہیں۔

چہرہ سے روانگی، راجہ کا کمال اشتیاق سے ہماری تصویر کھنچوانا،

اور رخصتانے کا سلوک

میں نے بیحد جبر اور اصرار کے ساتھ راجہ سے رخصت چاہی اور کہلا بھیجا کہ میرے سر میں سپرد دکن کا سودا سمایا ہوا ہے، یہاں ہرگز نہیں

تھہر سکتا۔ آخر مہاراج راجندر نے اپنے مصور کو بھیج کر فرط اشتیاق کے ساتھ مہری تصویر کھینچوائی اور بطور یادگار اپنے پاس رکھی۔ خوب یاد ہے کہ اُس وقت میں سرخ کستھوب کی جالدار رومی کبا پہنے ہوئے تھا۔ اور نہایت سرخ بلبل چشم کمر پتکا مہری کمر میں تھا۔ دوسرے دن کئی ہزار روپے نقد، چلد خیمے، کئی اونٹ، کئی داس گھوڑے پوشاک کی کئی کشتیاں، بہت سے ہتھیار، چلوری، مورچھل کی جوڑی بطور رخصتوانہ بھجوائے۔ میں نے نقد روپیہ، پوشاک، ہتھیار، گھوڑے اور مورچھل تو لے لئے، باقی سامان واپس کر دیا۔ کیونکہ اُن دنوں شتر مرگی کی وبا سے مہرا دل بہت رنجیدہ تھا۔ دور کے سفر کے ارادے سے اپنا بوجہ ہلکا اور سامان کم کرنا ہی مناسب معلوم ہوا۔ اِس فرودگاہ میں جو کچھ بھی خیمے اور فرش فروش وغیرہ موجود تھے، وہیں چھوڑ دئے۔ اور ربیع الاول سنہ ۱۲۰۳ھ کی چوتھی تاریخ کو مخفی طور پر کوچ کیا۔ اپنی ہیئت بدل کر اپنا نام مرزا عبداللہ رکھا۔ اور جس طرف امن و امان دیکھا اُدھر روانہ ہو گیا۔ اِن سفروں میں جو جو وارداتیں پیش آئیں اُن کا قصہ بہت طویل ہے، اس لئے چھوڑتا ہوں۔

شہزادہ مرزا احسن بخت بہادر کی کابل کو روانگی

جے پور سے مہری روانگی کے تین دن بعد مہاراجہ نے شاہزادہ موصوف کو بھی کچھ راہ خرچ دیکر رخصت کیا۔ مگر خود اُن سے نہ ملا۔ بہت کچھ چھلے حوالے کر کے قال دیا۔ آخر اُنہوں نے مجبور ہو کر کابل کا راستہ لیا۔ بہزار دشواری اور بڑی بے سرو سامانی کے ساتھ جس کا بیان مناسب نہیں، احمد شاہ ابدالی کے بیٹے تیمور شاہ والی کابل و ہرات کے پاس پہنچ گئے۔ اُس نے بڑا اچھا برتاؤ کیا۔ شاہزادے صاحب تیمور شاہ کی وفات کے بعد اُسکے بیٹے زمان شاہ کے پاس ہیں۔ اور کابل کی شاہی فوج لیکن ہندوستان آنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

بلدۂ کرولی، رتھولی اور سروتھہ کا بیان جو ہندون اور بیانہ کے قریب واقع ہیں۔

وہاں مرہتوں کے محاصرے میں ہماری گرفتاری اور پھر رہائی۔

بھرت پور کا ذکر، جہاں راجہ رنجیت سنگھ جات کی عملداری ہے۔

اور رامپور و بانس بریلی کے سفر کا بیان

بلدۂ کرولی میں ہمارا قیام ایک ہفتے رہا۔ اس شہر کا راجہ مانک پال، جادون قوم سے ہے۔ اور اس کا بیٹا کنور امولک پال ہے، یہ راج راجندر کے نسبتی بھائی کا خسر ہے۔ اسنے بھی مہمانی کی اور نذریں گذرانیں۔ کچھ چیزیں تو میں نے لے لیں، کچھ بیکار بوجھ سمجھ کر واپس کر دیں۔ اور آگے کوچ کیا۔ راستے کی دشواریوں کے لحاظ سے کرولی کا گھات اُس گھات سے آدھا نظر آیا، جسکا اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اس کے طے کرنے میں بھی بہت سختیاں اُٹھانا پڑیں۔ اس کے بعد دکھلی مرہتوں کی یورش کے سبب سے آٹھ روز تک ہم نے ایک چھوٹے سے گاؤں رتھولی میں قیام کیا۔ ہر روز اس کا مالک مہمانی بھیجتا رہا۔ یہیں گسائیں ہمت بہادر انوپ گر کی عرضی پہنچی، جو ہمارے شقے کے جواب میں آئی تھی۔ اُس سے نواب علی بہادر مسلمان مرہتہ کی سازش کا پتا چلا۔ اور میں سندھیا پٹیل کے اندیشے سے آگے نہ بڑھا۔

مہاراجہ انوپ گر ہمت بہادر کی عرضی کی نقل جو کرولی کے نواح میں

سنہ ۱۲۰۳ھ میں ہمارے پاس پہنچی

صاحب عالم و عالمیاں سلامت۔ حضور فیض گنجپور کے سلطانی باریافتوں کی عرض گاہ میں اپنی یہ عرض پہنچاتا ہے کہ شقۂ خاص نے ورود مسعود فرما کر معزز کیا۔ اس کے مضامین جو فیض سے لبریز تھے، حرف بہ حرف نواب علی بہادر نے دل کے کانوں سے سنے۔ دل و جان سے حاضر ہیں۔ اس وقت یہ صلاح مناسب حال قرار پائی ہے۔ بعد کو صوبہ دار بھی شامل ہو جائیگا۔ جو کچھ حضور کی راے جہاں آراے کا تقاضا ہو، ہم دونوں فدائی اتفاق کے ساتھ بساط فیض مناظ کے گوشہ گزینوں کی قبول گاہ میں پہنچائیں گے۔ الہی اقبال کا آفتاب جاہ و جلال کے مطلع سے درخشندہ رہے۔

اس کے بعد ہم ایک گاؤں میں گئے، جسکا نام سروتھہ تھا، وہاں پہنچکر جنوبیوں کے محاصرے میں گرفتار ہو گئے۔ بارے گاؤں کے مالک نے ہمیں اندھیری رات میں پہاڑی درے اور غار و کہسار کے رستے سے باہر نکال دیا۔ اور ہم بیہانہ میں داخل ہو گئے۔ بقول شاعر:

”رسیدہ بود بلاے ولے بخیر گزشت“

وہاں سے چند منزلوں کے بعد بھرت پور پہنچے۔ آٹھ روز تک مہاراجہ رنجیت سلگھ بہادر کے پاس چھبے رہے۔ یہ راجہ جات قوم سے ہے اور راجہ سورج مل کا بیٹا ہے۔ اس نے اچھی طرح خدمت کی۔ اور خفیہ طور پر ہمیں دریائے جمنا کے متھرا گھاٹ سے گزار دیا۔ چند کوچوں کے بعد ہم گنگا پار ہو گئے۔ اب دلی اطمینان ہوا اور آرام کے ساتھ رام پور پہنچے، وہاں آٹھ روز قہام کیا۔

رام پور پہنچتے ہی ہم نے نواب فیض اللہ خاں بہادر افغان کو اپنے نام اور نسب سے آگاہ کیا۔ انہوں نے اسی وقت بڑے بڑے خیمے، فرش و فرش، ضرورت کا سب سامان، نذرانہ نقد خرچ اور مہمانی بھیجی۔ آٹھ دن تک برابر روزانہ دونوں وقت پختہ مہمانی اور اسکے ساتھ چوپایوں کے لگے چارہ، گھاس اور دانہ پہنچاتے رہے۔ نویں دن روانگی کے وقت پوشاک کی کئی کشتیاں اور زر نقد بھجوا دیا۔ یہ تو ہم نے لے لیا، مگر اُن کا نذر کیا ہوا باقی تمام سامان، مثلاً فرش، خیمے، پلنگ وغیرہ وہیں چھوڑ کر سیدھے بانس بریلی پہنچے۔ وہاں کے عامل میرزا مہدی علی خاں نہایت شایستہ طریقے سے اسی وقت حاضر ہوئے اور چند اشرقیان نذر گزار دیں، پھر اپنی ایک نئی عمدہ حویلی میں اُتارا۔ رات کو پر تکلف پختہ مہمانی بھیجی۔ اس کے بعد کوچ در کوچ ہم لکھنؤ روانہ ہوئے۔ ہماری سرکار کے تمام اونٹ چھ مہینے کے اندر مر گئے۔ جو زندہ بچ رہے وہ اور سب گھوڑے ہم نے اپنے ساتھیوں کو عنایت کر کے انہیں رخصت کر دیا۔ صرف چار گھوڑے خاصے کے اور دو رتھیں اپنے ساتھ رکھیں۔

لکھنؤ پہنچنے کا بیان، اور وہاں کی داستان میں کے چند کلمے

اس زمانے میں مرہٹوں کی مصیبت سے سارے رستے بند تھے۔ اس لئے رامپور سے میں نے نواب وزیر، اُن کے نائب اور مہاراجہ جھاؤ لعل کو

ایک ایک شتہ بھیجا۔ شقوں کے جواب میں ان صاحبوں کی عرضیاں آئیں جن میں نہایت دلداری و خدمت گزاری کے وعدے کئے گئے تھے۔ اس کتاب کی تالیف کے وقت وہ عرضیاں بہت ڈھونڈیں کہ مل جائیں تو ان کی نقلیں پیش کی جائیں، لیکن افسوس نہ ملیں۔ بہر حال ہم پورے اطہنان کے ساتھ منصفی مقامات میں پناہیں لیتے ہوئے منزل مقصود تک پہنچ گئے۔ اس سفر میں چار روز کم دو مہینے لگے۔ ربیع الثانی سنہ ۱۲۰۲ھ کی آخری تاریخ کو لکھنؤ میں داخل ہوئے۔ میں نے جو کچھ اس سفر کے دوران میں مصائب دیکھے، اپنی نا تجربہ کاری سے دیکھے۔ بقول شاعر:

آتش بد و دست خویش در خرمن خویش
چوں خود زدہ ام چہ نالم از دشمن خویش

کس دشمن من نہست ملام دشمن خویش
اے واے من و دست من و دامن خویش

جیسے ہی ہم لکھنؤ پہنچے، مہاراجہ جھاڑ لعل نے آکر نہایت آداب کے ساتھ نواب وزیر کی آداب و تسلیمات پہنچائی۔ ”گوگھات“ کے پاس ہمیں اتارا۔ مہمانی بھیجی۔ لکھنؤ کی گلیاں، اور بازار، زمین اور عمارتیں، کیچڑ، اور رستوں کی تنگی، زمین کی پستی و بلندی کے لحاظ سے چرپور سے بالکل برعکس ہیں۔ نواب وزیر نے اگرچہ بے نظیر عمارتیں بنوائی ہیں۔ لیکن اس شہر کی افتاد ہی دراصل کچھ نا موزوں جگہ پر پڑی ہے۔ البتہ آبادی درجہ کمال کو پہنچ گئی ہے۔ ہر فن کے صاحب کمال موجود ہیں۔ خدا نظر بد سے بچاے۔ ایک سال کے بعد ہم نے اپنے گھروالوں کو بھی شاہ جہاں آباد دلی سے یہیں بلوایا اور بہت آرام و عزت سے رہنے سہنے لگے۔

نواب وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر اور ان کے نائب سرفراز الدولہ ناظم الملک مرزا احسن رضا خان بہادر ظفر جنگ نے ہماری دلداری اور خاطر مدارات کی حد کر دی، نہایت شایستہ خدمت کی، اور عمدہ سلوک سے پیش آئے۔ لکھنؤ میں دو مہینے کم سات سال سکونت رہی۔ ہم میں اور ان میں میل جول اور محبت انتہائی حد کو پہنچ گئی تھی۔ دو سال تک ایک ہی تودے پر تہہ اندازی کرتے رہے۔ تفصیل کے لئے بجائے خود ایک بڑی

کتاب لکھنے کی ضرورت ہے۔ فن تیر اندازی میں، میں اور میرے بھائی میرزا جلال الدین نواب وزیر کے شاگرد ہوئے۔ حق تو یہ ہے کہ اس فن میں نواب موصوف اور اُن کے نائب کو میں بہت پسند کرتا ہوں۔ اگرچہ اُن کا قبضہ کسی قدر دبا ہوا ہے۔

نواب وزیر سے اپنے چچہ پرے بھائیوں کی سفارش

لکھنؤ میں میں نے دیکھا کہ نواب وزیر ہمارے بعض چچہ پرے بھائیوں سے چشم پوشی کر رہے ہیں، مجھے سخت تکلیف ہوئی۔ ایک روز ہولی کے موسم میں اُنہوں نے مجھے طلب فرمایا اور رقص و سرود کے تماشے میں شریک کیا۔ پہلی ہی گنگو میں میں نے اُن سے کہا کہ ”نواب صاحب! یہ بات آپ کے اخلاق و انصاف سے بعید ہے کہ تیموری خاندان کی جو اولاد آپ کے پاس پہنچتی ہے، وہ تو فکر معاش سے محفوظ ہے۔ مگر خود تیمور کی اولاد تباہ حال ہے، ان کا کیا تصور ہے، جو جناب کی بلند ہمتی نے انہیں بے نوا چھوڑ رکھا ہے۔ اگر یہ بجھا ہے تو پھر مجھ سے بھی چشم پوشی کرنی چاہئے۔ اس لئے کہ ان لوگوں کی خانہ بربادی کا سبب میں ہوں۔ یہ کہہ کر اُسی وقت میں نے یہ دو شعر موزوں کر کے پڑھے:

در ما ملت رسید چو اولاد تیمری

لطف تو کرد شاں را با برگ و با نوا

آلہں چہ جرم داشت کہ ماند ذلیل و خوار

از ملصفی است دور کہ یک بام دو ہوا

یہ الفاظ سنتے ہی مسکرا کر فرمایا ”ماضی کے خلاف اب صاحبزادوں کی خدمت میں مشغول رہوں گا۔“ اور اُسی مہینے سے ہر ایک کے حوصلے کے لائق معاش مقرر کر دی، جو ماہانہ پہنچتی رہتی ہے۔ نواب وزیر کے بعد اُن کے متبلیے نواب وزیر علی خاں بھی اس معاملے میں برابر مرحوم کی تقلید کرتے رہے۔ مگر نواب سعادت علی خاں کا زمانہ آیا تو مہلے سنا کہ چلد وجوہ سے ان لوگوں کی معاش بلد ہو گئی۔ نواب سعادت علی خاں نواب شجاع الدولہ مرحوم کے بھٹے ہیں۔ اور شجاع الدولہ نواب آصف الدولہ کے سوتیلے بھائی تھے۔

نواب مدارالدولہ کی ملاقات

لکھنؤ پہنچنے کے بعد چھ مہینے تک میں نے نواب مدارالدولہ بہادر سے ملاقات نہ کی۔ ان کا خطاب ”وکیل السلطنت، مختارالملک، مدارالدولہ بہادر صمصام جنگ“ ہے۔ رشتے میں وہ ہمارے دادا ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ راقم اور میرزا ہمایوں بخت و غدرہ کے حقیقی دادا کے چھوٹے علاقے بھائی ہیں۔ ماشاء اللہ صورت و سیرت، علم و لیاقت، وقفیت، وجاہت اور مرتبے میں دلی لکھنؤ کے تمام امیروں اور امیرزادوں میں ایک بھی ان کو نہیں پہنچتا۔ متأخرین کے مکتوبات اور سیر و تاریخ کی کتابوں میں ان کے مراتب عالیہ کا تذکرہ موجود ہے۔ جس کسی کو دیکھنے کی آرزو ہو ”سیرۃ المتأخرین“ کا مطالعہ کرے جو کسی عظیم آبادی کی تالیف ہے۔ نواب آصف الدولہ بہادر ان کو دیکھتے ہی اپنے مسند سے اُتھ کھڑے ہوتے ہیں۔ تعظیم و تواضع کر کے بتھاتے ہیں۔ نواب مدارالدولہ کوئی چیز دیتے یا بھجواتے ہیں تو نواب آصف الدولہ کھڑے ہو کر آداب بجالاتے ہیں، اور آداب و بندگی کہلا بھیجتے ہیں۔ اسی طرح تمام مراتب میں ادب کا برتاؤ جاری ہے۔ اگرچہ باہم صفائی نہیں، دل میں طرح طرح کے پرانے کیلے بھرے ہوئے ہیں۔ نواب وزیر، نواب مدارالدولہ کو دل شکستہ رکھتے ہیں۔ تاہم اب تک جاگیر، پرگنہ، ہاتھی، پالکیاں، اونٹ، گھوڑے غرض امیری کے تمام اسباب حاصل ہیں۔ اولاد بھی بہت اور بیویاں بھی بہ کثرت ہیں۔ بڑے بیٹے کا نام مرزا محمد علی خان ہے۔ یہ سب میں بڑے، خلف رشید، سب اولاد میں برگزیدہ، صاحب شعور، صاحب علم و وقوف اور اکثر صفات حمیدہ سے موصوف ہیں۔ غرض جب میں نے دیکھا کہ نواب مدارالدولہ کا اشتیاق بہت زیادہ ہے۔ بار بار ملاقات کے لئے یاد فرماتے ہیں تو میں گیا۔ دیکھتے ہی اُتھ کر تعظیم اور سلام میں پھل کی۔ میں نے بھی سلام کا جواب دیا۔ پھر ہم دونوں بغل گہر ہوئے۔ میری صورت دیکھ کر خوش ہو گئے۔ اپنے اہلکاروں سے فرمایا کہ ”ان کی ذات ہمارے خاندان کے لئے چشم و چراغ ہے۔ ان کے حسن سیرت کا ذکر ہم اکثر سنا کرتے تھے۔ اسی سبب سے بہت زیادہ اشتیاق ملاقات تھا۔ الصمد اللہ صورت بھی سیرت کے موافق دیکھ رہا ہوں۔ پھر میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے مسند پر بٹھالیا اور چاہا کہ خود دور جا بیٹھیں۔ مگر میں اُتھ کر کھڑا ہو گیا اور کہا کہ واللہ مجھ سے یہ نہ ہوگا۔ آن جناب بھی اسی

مسند پر تشریف رکھیں۔ فرمایا کہ: اے صاحب! اگرچہ میں رشکے میں دادا ہوتا ہوں۔ لیکن آپ بادشاہ معزالدین حضرت عرش آرام گاہ کے نواسہ زادوں میں ہیں اور میں تیموری نسل سے نہیں ہوں۔ حقیقت میں آن جناب صاحبزادے ہیں۔ اس کے بعد پر تکلف مہمانی کی۔ دن پر دن محبت بڑھتی رہی۔ یہاں تک کہ میری اور مدارالدولہ کی محبت عشق کے درجے تک پہنچ گئی، اگرچہ ملاقات کبھی کبھی ہوتی تھی۔ وہ اکثر مجھے نصیحتیں فرمایا کرتے، امرا کی تعظیم اور جواب سلام کی تاکید کرتے تھے۔ مگر مجھے مطلق عادت نہ تھی۔ چند سال کے بعد بتدریج یہ عادت ذرا ذرا میں نے ڈالی۔ انہیں ترکی زبان سیکھنے کی آرزو تھی، جو ہماری اصل زبان ہے۔ چند روز تک مجھ سے ایک ترکی کتاب پڑھتے رہے۔ پھر بڑی آرزو کے ساتھ اپنے سب سے بڑے اور لایق بیٹے میرزا محمد علی خاں کے ساتھ میرے چچیرے بھائی محمد ظفرالدین عرف میرزا احسن بخش المتخاطب بہ محمد بلند بخش کی بہن کی منگلی کے لئے درخواست کی۔ میں نے بھی اس نسبت کو مناسب جانا اور اپنی موجودگی ہی میں لڑکی کو محمد علی خاں کے ساتھ نامزد کر دیا، اسکے بعد لکھنؤ سے نکلا۔ سنا ہے کہ اسی سال بڑی دھوم دھام اور عمدہ طور سے شادی سر انجام پائی۔ ”التصدد لله على ذلك“

میرزا حسین بخش کو بچپن سے میں نے اپنے بیٹوں کی طرح پالا پوسا تھا۔ فارسی، ترکی نیز کچھ عربی تعلیم بھی دی تھی۔ یہ بڑے خلیق، اچھے نوجوان، وجیہ اور سعادت مند ہیں۔ میں نے ان کی شادی بھی لکھنؤ ہی میں اپنی موجودگی میں، قیام الدین خان خوشنویس کی دختر سے کر دی۔ یہ صاحب بھی نہایت بزرگ اور عزت دار آدمی ہیں۔ خدائے تعالیٰ ہمیشہ ان سب کو دنیا کے مکروہات سے دور اور عزت و حرمت سے رکھے۔

نواب وزیر کی ظریفانہ و حریفانہ باتوں کا مختصر بیان

نواب آصف الدولہ بہادر راہی تباہی باتوں اور کھیل کود میں مشغول رہنے کے باوجود جواب برجستہ اور ”ماقل و دل“ جچانہ دیتے ہیں کہ مدعی ساکت رہ جاتا ہے، اور دم تک نہیں مار سکتا۔

نقل: سنا ہے کہ جس وقت شاہزادہ مہرزا جوان بخت جہاندار شاہ ولی عہد مرحوم قلعہ مبارک سے فرار ہو کر نواب وزیر کے پاس لکھنؤ پہنچے تو ان دنوں میں بہت محبت ہو گئی۔ نواب نے ان کے ساتھ لاکھوں کا سلوک کیا۔ لارڈ ہسٹن کی سفارش و کوشش سے نواب وزیر کی سرکار سے شاہزادہ موصوف کے باورچی خانے کا خرچ پچاس ہزار روپیہ ماہانہ مقرر ہو گیا۔ شاہزادہ اور نواب وزیر رات دن قسم قسم کے کھیل تماشوں میں ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ خصوصاً اکثر باہم یاد و فراموش کی شرط باندھتے رہتے۔ چند سال بعد شاہزادہ موصوف نواب وزیر کی رضامندی حاصل کئے بغیر اپنے قبائل کو لیلے کے لئے دہلی چلے گئے۔ یہ بات نواب کو ناگوار گزری۔ جب وہ اپنے متعلقوں کو لیکر لکھنؤ واپس تشریف لائے تو نواب وزیر کا مزاج بہت برگشتہ تھا۔ پچھلی صحبت سے الگ تھلک دھلے لگے۔ کبھی کبھار بہ تکلف کہیں ملاقات ہو بھی جاتی تو کوئی انبساط کی صورت ظاہر نہ ہوتی۔ ایک روز اسی دنج و کدورت کی حالت میں شاہزادے نے الاٹچی کے چند دانے وغیرہ نواب وزیر کے ہاتھ میں دئے۔ نواب وزیر نے تسلیمات بجالا کر لے لئے۔ اور یاد و فراموش کی شرط فراموش کر دی۔ شاہزادے نے فرمایا ”نواب بھائی فراموش“ فوراً نواب وزیر نے جواب دیا: ”انشاء اللہ اب سے عمر بھر کے لئے فراموش“۔ نواب وزیر کا یہ ملال آمیز جواب سن کر شاہزادے باہمی صفائی سے ہمیشہ کے لئے مایوس ہو گئے۔ اور چند مہینوں کے بعد بنارس چلے گئے۔ وہیں صاحبان عالی شان انگریز بہادر کی معرفت ان کا مقررہ درماہہ پہنچتا رہتا تھا۔ چند روز بعد بنارس ہی میں انتقال کیا۔ خدا ان پر رحمت فرمائے۔ یہ شاہزادے بھی بہت بذلہ سنج، ظریف، شوخ طبع اور رنگیں مزاج تھے۔ اردو شعر شوخ کہتے تھے۔ فن موسیقی میں بھی ذوق رکھتے تھے۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں جہاندار تخلص فرماتے تھے۔ ان کے چند شعر ج اس تصریح کے موقع پر یاد آگئے، یادگار کی طور پر لکھے جاتے ہیں۔

مرزا چہاندار شاہ المتخلص بہ چہاندار پسر شاہ عالم بادشاہ

سلمہ اللہ کا کلام ریختہ

تروی جب سے الفت کے پالے پڑے - ہمیں اپنے چہلے کے لالے پڑے
وہاں تہری ٹہروں سے آنکھوں لڑیں - یہاں میری چہاتی پہ بہالے پڑے
پہرے ڈھونڈتے پا برہنہ تجھے - یہاں تک کہ پاؤں میں چہالے پڑے

چہاندار کس لالہ رو سے ملا
ترے سینے پر داغ کالے پڑے

فارسی:

فتاد مشکل دیگر ز عشق جان مرا - کہ کس نی شلود شرح داستان مرا
فزودہ ایم غرورت ز عرض بیتابی - بایں گداه برآرد کسے زبان مرا
دل ز سینہ برآرید و پیش او برید - ز نام ما برسایند این بیان • مرا

غمس گداخت چہاندار این قدر کہ ہما
قبول طعمہ نہ کرد آہ استخوان مرا

ایک اور نقل: نواب وزیر اور اُن کے نائب کے ساتھ بے تکلفی کی صحبت
میں آفرین علی خاں خواجہ سرا، بعض اوقات بہت ظریفانہ باتیں کہہ دیا
کرتے تھے۔ اور یہ عالم تھا کہ جو کچھ زبان پر آجاتا بے تکاشا کہہ دیتے۔
ایک روز کا ذکر ہے کہ تیر اندازی ہو رہی تھی۔ راقم بھی اس مشغلے میں
شریک تھا اور خواجہ سراے مذکور بھی، وہ بہت دبلے پتلے اور کمزور آدمی تھے۔
مگر تیر اندازی میں اکثر شرکت کیا کرتے تھے۔ اِن کا تیر کمزوری اور ناتوانی
کی وجہ سے بہت دور نہیں جاسکتا تھا۔ سرفراز الدولہ میرزا احسن رضا خان
بہادر ظفر چنگ نائب وزیر ماشاء اللہ نہایت جوان، قوی ہیکل تھے، اُن کا تیر
تھیک نشانہ پر لگتا، اور خوب تحسین و آفرین ہوتی تھی۔ اس وجہ سے نواب
وزیر وغیرہ خواجہ سراے موصوف کے تیر کی سست رفتاری پر ہنستے اور بہادر
موصوف کے تیر کی چستی پر بے اختیار شاباشی فرماتے تھے۔ ایک روز آفرین
علی خاں خواجہ سرا نے پیچ و تاب کھا کر نواب وزیر سے ظرافتاً کہا کہ نواب
صاحب! آخر انصاف تو فرمائے۔ میں بھی آپکا غلام ہوں اور یہ حسن رضا بھی۔

پھر کیا معنی کہ آپ مہری تکبیر کرتے ہیں اور اس بیل کی تعریف فرماتے ہیں۔ بظاہر اتنا ہی فرق ہے کہ میں بہت دبلا ہوں اور حسن رضا بہت موٹا ہے۔ نواب وزیر نے برجستہ جواب دیا کہ: ”ہاں ہاں اتنا ہی فرق سمجھنا چاہئے۔“ اس جواب کی نزاکت و لطافت یہ ہے کہ حسن رضا خان بہادر بہت جسمیں ہیں اور خواجہ سرا بہت لاغر۔ اس قدر لاغر کہ وزن کیا جائے تو خان بہادر کی ایک ران کے برابر بھی نہ ہوگا۔ جواب کا مطلب یہ تھا کہ میرا نائب تجھ سے ظاہر میں جس قدر عظمت رکھتا ہے، اسی قدر مرتبے میں بھی بلندی و امتیاز رکھتا ہے۔ یہ خواجہ سرا بھی بڑے درجے کا سردار اور ہاتھی، پالکی، جاگیر کا مالک تھا۔

ایک اور نقل: ایک روز تیر اندازی ہورہی تھی۔ راقم اور ایک معزز ہندوستان زا حکیم صاحب میر محمود خاں نامی بھی تیر اندازی میں شریک تھے۔ یہ صاحب نواب شجاع الدولہ بہادر مرحوم سے سدھیانے کا رشتہ رکھتے تھے۔ اس وقت حکیموں اور طبیبوں کے سلسلے میں ملازم تھے۔ بیچارے بوزہ آدمی تھے۔ ان کا تیر سست پڑ رہا تھا۔ یہ دیکھ کر نواب وزیر مسکرائے۔ میر صاحب نہایت نازک مزاج تھے۔ غصے سے بگڑ کر بولے: ”نواب صاحب! آپ ہلستے کیا ہیں۔ میں تو تیر اندازی صرف ثواب کی نیت سے کرتا ہوں ورنہ میرا سن کب اسکا مقتضی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اگلے بادشاہ حکیموں کو اپنا وزیر بلایا کرتے تھے، بس آگے کچھ نہیں کہنا چاہتا۔“ نواب وزیر ایسی سخت بات پر بھی پیشانی پر شکن نہ لائے اور فوراً جواب دیا کہ ”ہاں میں جانتا ہوں بیشک وہ اسی مرتبے کی لیاقت بھی رکھتے تھے۔“ اُس کے بعد میر صاحب کی طرف سے منہ پھیر کر پھر اسی خوشی اور انبساط کے ساتھ تیر اندازی میں مشغول ہو گئے۔ سمجھنے والے سمجھ گئے کہ اس جواب میں کیا نکتہ تھا۔ سرفراز الدولہ نے اُس روز سے میر صاحب کو تیر اندازی کی مجلس میں آنے سے روک دیا اور بہت غصہ و عتاب کیا۔

ایک اور نقل: ایک روز نواب وزیر کھوڑے سے گر پڑے۔ میں بھی اُن کی عبادت کو گیا، وہ گومتی پار، فوجدار خاں کے مکان پر بیٹھے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی تعظیم کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ہر چند میں نے منع کیا، لیکن نہ مانے۔ پھر آگے بڑھے، میرا ہاتھ پکڑ کر بٹھایا اور خود میرے پہلو میں بیٹھ گئے۔

تو یہیں ڈھالنے کا ذکر تھا، اس سلسلے میں شاہزادہ مرزا سلیمان شکوہ بہادر کا ذکر آیا کہ انہوں نے بھی اس عرصے میں در تین توپیں تیار کر کے اپنی سرکار میں محفوظ رکھی ہیں۔ اسی اثنا میں ایک مصاحب نے مذاق سے کہا: ”اچھا اب میرزا سلیمان شکوہ بہادر خود اپنی سرکار کا توپ خانہ تیار فرماتے ہیں۔“ اسی وقت نواب وزیر نے نہایت غصہ بھری نگاہوں سے اُن کی طرف دیکھا، آنکھ دکھا کر تنبیہ کی، اور فرمایا کہ آئندہ پھر کبھی ایسا نہ کہنا۔ تو نہیں جانتا کہ یہ سب ہمارا ہی قصور ہے۔

ایک اور نقل: ایک نوجوان نابینا شاعر جس کا تخلص جرّوت ہے، لکھنؤ میں ریختہ اور ہجو بہت گرم و شوخ تر کہتا ہے۔ کسی نے نواب وزیر کے حضور میں ایک روز اُسکی تعریف اور سفارش کی طور پر عرض کی کہ ”جناب عالی نے سنا ہوگا، آج کل نابینا جرّوت کو کیسے کیسے تازہ و رنگین مضامین سوچتے ہیں کہ دوسرے شاعروں کے گوشۂ دل میں کبھی ایسے مضامین کا گذر نہیں ہو سکتا۔“ فوراً نواب وزیر نے جواب دیا کہ ”اِس کو مضامین شعر کے سوا اور سوچتا ہی کہا ہے۔“

ایک اور نقل: ایک بار محترم کا مہینا تھا، میں بھی حاضر مجلس تھا۔ شاہ حسین نامی ایک کتاب خواں ولایت ایران سے نئے نئے وارد لکھنؤ ہوئے۔ وہ ولایت کے طریقے پر موسیقی کے تمام راگ بہت خوب ادا کرتے تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ ایسا کوئی اور شخص ولایت سے کبھی ہندوستان نہ آیا ہوگا۔ وہ کتاب ”دہ مجلس“ پڑھ رہے تھے۔ نواب کے صاحبوں میں سے کسی شخص نے انصاف کے طور پر اُن کی سفارش کی اور عرض کیا کہ ”جناب عالی! سنتے ہیں شاہ حسین اِس وقت کس خوش الحانی اور دلکش انداز میں گارہا ہے۔ اس فن میں وہ مہارت رکھتا ہے کہ شاید ولایت میں بھی اِس کا نظیر کم ہوگا۔ خدائے تعالیٰ نے ایسے ممتاز فن آدمی کو جناب عالی کے عہد مبارک میں ولایت سے یہاں بھیجا ہے۔ جس نے اُن جناب کے طفیل سے ہم غلاموں کے سامنے کو اپنے دل پزیر فن موسیقی سے استقدر لذت اندوز کیا۔“

یہ سنتے ہی نواب وزیر نے جواب دیا ”یہ علم تو آپ ہی ہوگا، بلکہ اس سے محض لاعلم ہے۔“ ظاہراً نواب وزیر کا مزاج اِس کتاب خواں سے کسی قدر مکدر تھا، اسی سبب سے ایسی بے التفاتی کا جواب فرمایا۔ جواب کی لطافت یہ ہے کہ سفارشی کا نسب ماں کی طرف سے ایک مغلیٰ تک پہنچتا تھا۔

اسی وجہ سے نواب نے تعریفاً اُسے یہ جواب دیا۔ نواب وزیر کے یہ سخت الفاظ رفتہ رفتہ کتاب خوان کے کانوں تک پہنچ گئے۔ وہ بہت ناخوش ہوا اور قسم کھا کر کہا کہ اب اگر مجھے زنجیروں سے بھی جکڑیں تو ہندوستان میں نہ رہوں گا۔ آخر ایسا ہی کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اپنے ملک کے طریقے کے لحاظ سے یہ شخص اپنے فن میں کامل تھا۔ یہاں آنے کے بعد ابتدا میں اس نے ہندوستان کا گانا نہیں سنا تھا، اس سبب سے ہندوستانی گانے کو خاطر ہی میں نہ لاتا تھا اور ولایت کے راگوں کو ہندی سرود پر توجیج دیتا تھا۔ مگر جب کچھ روز ہندوستانیوں کے گانے سنے تو بے حد پسند کرنے لگا اور قائل ہو گیا کہ بے شک گانا یہ ہے جو ہندوستان والے گاتے ہیں۔

ہمارے ساتھ نواب وزیر کے اخلاق و آداب

ایک روز نواب وزیر نے عین ہولی کھلتے میں مجھے بھی اپنے دولت خانے میں بلوایا۔ نواب موصوف نے لکھنؤ میں جو مکانات بناوے ہیں، دولت خانہ اُن میں سے ایک خاص مکان کا نام ہے۔ جیسے ہی میں پہنچا، آداب بجالائے اور استقبال کیا۔ پھر میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔ نواب وزیر کے سارے دانت آغاز جوانی ہی میں شراب خواری کی کثرت کے سبب گر گئے تھے۔ مُنہ کسی قدر کھلا دھتا تھا۔ اس لئے میں نے دیکھا کہ وہ اِس وقت مختل یا کسی اور چیز کا چھوٹا سا گیند مُنہ میں رکھے ہوئے تھے۔ تاکہ عیبور اور گلال مُنہ میں نہ چلا جائے۔ اسی اثنا میں سرفراز الدولہ کے خلیفے بھائی شرف علی خاں نے رنگ سے بہرا ہوا ایک تمسہ میری پیٹھ پر مارا، نواب وزیر نے اُنکھ کے اشارے سے منع کیا۔ میں نے نواب وزیر سے مخاطب ہو کر کہا کہ بھائی جان! میں ”یادشاطر ہوں بار خاطر نہیں“ ہولی کھلتے آیا ہوں۔ اس لئے منع نہ فرمائے۔ کھیل کود خاصکر ہولی کے موسم میں آداب و لحاظ کو الگ رکھ دینا چاہئے۔ نواب وزیر نے جواب میں فرمایا کہ ایسا ہرگز نہ ہوگا، یہاں ہر حالت میں ادب ضرور ہے۔ پھر میں نے بھی خوان سے ایک تمسہ اُٹھا کر نواب وزیر کے سہلے پر مارا اور کہا کہ اب تو میں نے پہل کی ہے، آپ بھی بسم اللہ کیجئے۔ مسکرا کر چپ ہوئے۔ میں نے پھر اصرار کیا تو فرمایا کہ مجھے شرم آتی ہے، یہ کام مجھ سے ہرگز نہ ہوگا۔ غرض وہ سب لوگ باہم ہولی کھلتے رہے اور میں تماشا دیکھا کیا۔ جب میں

قلعہ مبارک دہلی کی کوئی بات بیان کرتا تو کھیل چھوڑ چھاڑ کر بہت توجہ کے ساتھ سننے لگتے۔ اور فرماتے کہ قلعہ مبارک کے صاحبوں کے کلام میں ایک ایسی خاص لذت اور فصاحت کی چاشنی پاتا ہوں جو اور لوگوں میں نہیں ہے۔

نواب وزیر کے لے پالک بیگے وزیر علی خان کی شادی کا بیان جو نائب نواب
وزیر کے خلیفے بھائی شرف علی خان کی لڑکی کے ساتھ ہوئی تھی۔
اور نواب وزیر کے آداب کا اجمالی ذکر

میں لکھنؤ میں سات سال رہا۔ ہزاروں بار نواب وزیر کی سواری دیکھی۔ لیکن کبھی اُن کے سر پر مورچھل چھلتے اور چنور ہلاتے نہیں دیکھا۔ سنا ہے کہ جس روز سے دلی کے شاہزادے لکھنؤ میں پہنچے، نواب وزیر نے کہا مجھے شرم آتی ہے کہ ان بزرگوں کے ہوتے، میرے سر پر مورچھل چھلا جائے۔ اب موقوف رکھو۔ مگر سواری خاص کی عماری اور آس پاس کے ہودوں پر مورچھل ہراہا رہتے تھے۔ کم و بیش بیس بیس ہاتھی ساتھ ہوتے تھے۔ مگر جس ہاتھی پر نواب وزیر سوار ہوتے، اُس پر مورچھل نہ رکھا جاتا۔ یہ حکم فرمادیا تھا کہ خواص رومال سے مگس رانی کیا کریں۔ میں کئی مرتبہ اُن کے دولت خانے کو گیا، اور کئی مرتبہ حسن رضا خان بہادر کے مکان پر جا کر اُن کا ہم مجلس رہا۔ لیکن وہ کبھی ہمارے سامنے مسند پر نہ بیٹھے۔ نہ کوئی چنور بردار مکھیاں چھلنے کے لئے اُن کے پاس جا کر کھوا ہوا۔ صرف پنکھا چھلنے والے رہتے تھے۔ جس روز وہ گھوڑے سے گرے، میں بھی اُن کی عبادت کو گیا۔ اُس وقت نواب وزیر اپنے نئے مکان میں مسند پر بیٹھے تھے۔ یہ مکان گومتی کے پار فوجدار خاں تھار کرارھے تھے ہلوز تھار نہیں ہوا تھا۔ میں پہنچا تو اُتھ کر لب فرش تک استقبال کیا اور مجھے اپنے مسند پر بٹھایا۔ خود بھی اُسی مسند پر میرے پہلو میں بیٹھے۔ اتفاق سے اُسی وقت شاہزادہ مہرزا سلیمان شکوہ بہادر بھی آپہنچے۔ اُن کا استقبال دروازے تک کیا۔ میں بھی نواب وزیر کے ساتھ اُتھا اور رخصت ہو کر اپنے گھر چلا آیا۔ سنا ہے کہ انہیں اپنے مسند پر بٹھا کر خود مسند کے پاس بیٹھے گئے تھے۔ خدا اُن کی مغفرت کرے۔

ان کے متنبے کی شادی کے حالات کا اجمالی بیان یہ ہے کہ اس تقریب میں پچاس لاکھ سے زائد روپیہ صرف ہوا۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ نوشہی کی رات چراغاں، مشعلوں اور آتش بازی کی یہ کثرت تھی کہ دو کوس تک معلوم ہوتا تھا آگ کا دریا موجیں مار رہا ہے۔ اسی پر قیاس کر لینا چاہئے کہ دوسری تیاریاں کیسی ہونگی۔ نواب وزیر نے اکیس خوان کا ایک تورہ کھانا ہمارے گھر بھجوا دیا۔ اور کئی ہزار روپے نقد سے بھی تواضع کی۔ اپنے ہاتھوں سے گوشت کداری اور پھولوں کے ہار ہمارے گلے میں ڈالے۔ اسی طرح چند سال بعد نواب وزیر کی لے پالک بیٹی کی شادی حیدر علی خاں سے ہوئی۔ یہ نائب وزیر کے حقیقی بھانجے اور لطف علی خاں مرحوم کے بیٹے اور شرف علی خاں کے حقیقی بڑے بھائی تھے۔ اس شادی میں پہلی شادی سے تقریباً آدھے مصارف ہوئے۔ راقم بھی اپنے حقیقی بھائی اور بھتیجے مرزا الہی بخش اور اپنے چچیرے بھائی مرزا محمد اظفر الدین عرف میرزا حسین بخش ملقب بہ میرزا بلند بخت کے ساتھ شادی کی محفل میں شریک ہوا تھا۔ میلے اپنے ان چچیرے بھائی کو بیٹے کی طرح پالا، اور تربیت کی ہے۔ اس موقع پر بھی نواب وزیر انہیں آداب کے ساتھ ہماری تواضع بجالائے۔

سرفراز الدولہ کا کلکتہ جانا اور ہماری بڑی بڑی لڑکی سعیدۃ اللسا بیگم

عرف بڑی بیگم کے مکتب اور بسم اللہ کی رسم کا بیان

ایک بار سرفراز الدولہ میرزا حسن رضا خاں بہادر ظفر جنگ اور نواب وزیر کے دیوان راجہ تکیٹ راءے اپنے آقا کے حکم کے موافق وائس (راءے) بہادر کی ملاقات کے لئے کلکتہ روانہ ہوئے۔ ان کے جانے کے بعد میری بڑی بیٹی نور چشم سعیدۃ اللسا بیگم کی رسم بسم اللہ خوانی عمل میں آئی۔ اس خوشی کی تقریب میں میلے حسب ذیل معززین کو بھی بلایا:

سرفراز الدولہ کے سوتیلے بھائی موسیٰ رضا خاں بہادر، نواب وزیر کے داماد حیدر علی خاں اور ان کے بڑے بھائی مظفر حسین خاں بہادر۔ یہ تینوں حضرات شریک مجلس ہوئے۔ میں نے پان، اور ہار وغیرہ سے رسم ضیافت ادا کی۔ جب یہ خبر سرفراز الدولہ کو پہنچی تو انہوں نے کلکتے سے اس مبارک تقریب کے خرچ کے لئے کئی ہزار روپیہ اور ایک عرضی بھجوائی، جسکی نقل درج ذیل ہے۔

سرفراز الدولہ میرزا حسن رضا خاں بہادر ظفر جنگ نائب نواب

وزیر الممالک کی عرضی، جو نور چشم کی رسم مکتب کی

تہنیت میں آئی تھی

حضرت صاحب عالم و عالمیاں و مرشدزادۂ جہان و جہانیاں سلامت۔ بعد از قدمبوسی ملازمان حضور می رساند۔ حضور کے شقۂ خاص کرامت اختصاص نے جواز راہ مرحمت روانہ ہوا تھا، اپنے ورود سے سعادت اندوز فرمایا۔ صاحبزادی بلند اقبال نواب سعیدۃ النساء بیگم صاحبہ مدظہا کی بسم اللہ کی رسم شادی میں برادر بچاں برابر موسیٰ رضا خاں بہادر اور برخوردار حیدر علی خاں و مظفر علی خاں وغیرہ نے حاضر ہونا اپنے لئے موجب سعادت تصور کیا۔ اگر خدا نخواستہ اس کے خلاف کرتے تو پھر ان سبکو اس فدوی کے نزدیک منہ دکھانے کی کب تاب تھی۔ التصدلہ کہ عقیدت منزل دل کی جو کچھ تمنا تھی ظہور میں آئی۔ اور یہ خبر اس عقیدت نہاد کی سرفرازی و سرخروئی کا سبب ہوئی۔ تفضلات عالی سے امید ہے کہ آداب تہنیت درجۂ قبول پائیں گے۔ اس عرصے میں اگرچہ ممالک جنوبی کے نواح کی طرف آیات عالیہات کی نہفت طے پانگلی ہے۔ مگر اس معاملے میں عجلت فرمانا اولیایہ دولت قاہرہ کے لئے انہیں نہیں ہے۔ ملازمین حضور والا کے مصارف کے لئے ہندوی روانہ کر دی ہے۔ اسکے علاوہ فدوی نے اپنے دونوں بھائیوں شرف علی خاں اور لطف علی خاں بہادر کو حضور میں اپنا وکیل مقرر کیا ہے۔ یہ بات راء جہاں آراء پر واضح ہو گئی ہوگی۔ نواب مستطاب معلی القاب نواب وزیر الممالک بہادر دام اقبالہ بھی حضور کے احکام اور فرمائشوں کی بجا آوری میں سعادت ابدی سے ذخیرہ اندوز ہوئے ہوں گے۔ یہ غلام کلکتے کے سوال و جواب سے فارغ ہو گیا ہے۔ جناب باری تعالیٰ سے امید قوی ہے کہ بہت جلد ملاقات کی سعادت حاصل کرے گا۔ اور محفل قدسی کے باریابوں کی خدمت اس طرح بجالائیں گے کہ چرپور، جودھپور کے مہاراجاؤں کی خدمت اور بندگی جناب کے خاطر دریا مقاطر اور حضور لامع اللور کی بزم دل سے بالکل محو ہو جائیگی۔ بہتہ وجوہ مزاج مقدس مطمئن رہے۔ زیادہ حد ادب۔ الہی سلطنت اور جہانداری کا آفتاب تاباں رہے۔

اعظم الامراء نصیر الدولہ ناظم الملک مہین پور چین قلیچ خان بہادر ظفر جنگ

فرزند نواب وزیر الممالک عساکر الملک غازی الدین خان بہادر کی

عرضی کی نقل جو ماہ ذی الحجہ سنہ ۱۲۰۷ھ کی بیسویں

تاریخ کو لکھنؤ میں ہمارے پاس پہنچی

حضرت قبلۃ عالم و عالمیاں خدیو جہان و جہانیاں مدظلہ - فدویانہ آداب و کور نشات کے بعد جو ہمارے لئے سعادت کا موجب ہیں، بلندگان اقدس و اعلیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے کہ شقہٴ خاص کے شرف صدور سے، جو مہربانوں کا مظہر تھا، سرفرازی پائی۔ سر عبودیت کو عرش عالی پر پہنچایا۔ حق جل وعلیٰ اسی بندۂ نوازی کے ساتھ ہمیشہ سایہ انداز رکھے۔ پہلے بھی دو تین عریضے جناب والا میں روانہ کئے تھے۔ یقین ہے کہ اُن سے بلندگان حضور لامع اللور کی راے پر سارا حال روشن ہوا ہوگا۔ باقی باتیں لالہ سری کشن داس معتمد کی عرضی سے حضور اشرف و اعلیٰ میں واضح ہونگی۔ زیادہ حد ادب۔ ”سایہ ات کم مباد از سرما۔“

راجہ نواب انوپ گرسائیں ہمت بہادر کی عرضی کی نقل، جو کالہی کے

نواح سے ماہ ذی الحجہ سنہ صدر کی بیسویں تاریخ کو ہمارے

بخشی راے تیکا رام بہادر کی معرفت پہنچی

”صاحب عالم و عالمیاں سلامت۔ ادب کے لبوں سے عقیدت کی زمیں چوم کر حضور فیض گلجور کے باریابیوں کی عرض گاہ میں پہنچاتا ہے کہ شقہٴ والا نے اپنے تفضل آمیز ورود سے سرفراز فرمایا۔ اور میرے سر عبودیت کو انتہائی بلندی تک پہنچایا۔ ان دنوں بعضے ضروری ملکی امور کی وجہ سے فدوی نواب صاحب کی لشکرگاہ سے کئی کوس کے فاصلے پر ہے۔ جس وقت اُن کی ملاقات سے مستفید ہوگا، ارشادات عالی کو نہایت عمدہ طور پر ظاہر کرنے کے بعد، جس صورت سے معاملہ طے پائےگا، جناب کے شاہانہ بساط فیض مناط کے حاشیہ نشہوں کی عرض میں پہنچائےگا۔ منشی کشن دیال کو بھی برسات کے بعد لکھوں گا۔ الٰہی سلطنت کا آفتاب تابندہ اور درخشیدہ رہے۔“

کچھ اوپر سات سال میں لکھنؤ میں رہا، لیکن اس طویل زمانے میں شاہزادہ سلیمان شکوہ سے چند موانع کی وجہ سے اُن کے مکان پر جا کر ملاقات کرنے کا اتفاق نہ ہوا۔ صرف دو بار اس طرح ملاقات ہوئی کہ پہلی بار نواب وزیر الممالک کے امام بازے میں متحرام الحرام کے عشرے میں، وہ بھی نواب وزیر کی بیعت خواہش اور ایسا اشارہ سے میں نے صرف لفظ سلام پر اکتفا کی مگر کچھ بات چیت نہ ہوئی۔

دوسری بار اُس دستے میں ملاقات ہوئی جو دریائے گومتی کے کنارے ہے، عید کا دن تھا، وہ ہاتھی پر سوار نواب وزیر کے پاس سے اپنے دولت خانے کو واپس تشریف لے جا رہے تھے، اور راقم اپنے حقیقی بھائی مرزا جلال الدین کے ساتھ ہاتھی پر سوار نواب موصوف کے پاس جا رہا تھا۔ اس موقع پر ادائے آداب اور تسلیم و سلام کے بعد چند کلمے طرفین سے خیریت پرسی کے طور پر، اُس اُنس ویک چہتی کی یاد میں درمیان میں آئے، جو قلعہ مبارک میں باہم تھی اور بس۔ جس روز سے راقم کو حضرت قدر قدرت کی اجازت حاصل کئے بغیر قلعے سے نکل کر جیپور اور جودھپور کی طرف بھاگنے کا موقع ملا، اور اِن راجاؤں کی جانب سے راقم کے لئے اسباب سلطنت کی تیاری عمل میں آئی، اِن شاہزادوں کو مجھ سے سخت ملال تھا۔ حالانکہ میں نے تخت سلطنت وغیرہ سے قطعاً انکار کر دیا تھا۔ اب جو اپنے لکھنؤ سے رخصت ہونے کے قریب شاہزادہ موصوف کو میں نے اپنے حق میں مہربان پایا تو مناسب سمجھا کہ باہم صفائی ہو جائے، اور کدورت دور ہو۔ اسلئے ایک عرضی لکھ کر معذرت چاہی کہ ارادے یا غلطی سے میری طرف سے جو کچھ جناب کو ملال پہنچا اور کدورت کا سبب ہوا ہے اُسے معاف فرمائیں۔

عرضی کی نقل

یہ واسع الاعتقاد فرزند جب سے پیدا ہوا، اور جب سے ہوش سلہالا، تمام دوسرے فرزندوں سے زیادہ جناب کی فدویت کا عزم اپنے سینے میں رکھتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ جناب کے خاطر فیض مآثر پر اچھی طرح سے ثابت ہے کہ قلعہ مبارک کے وقت سے اب تک خدمت گزاری اور عزم جانفشانی کے سوا کوئی اور بات نہ میری جانب سے عمل میں آئی اور نہ جناب نے ملاحظہ

فرمائی ہوگی۔ گو میں چہ پور، جودھپور گیا اور وہاں کے راجاؤں نے بہت عمدہ سلوک کیا۔ بلکہ تخت سلطنت تک بنا کر میرے لئے بھیجا۔ مگر میری زبان سے بغاوت اور سرکشی کا ایک حرف بھی کبھی جناب کے گوش مبارک تک نہ پہنچا ہوگا۔ تمکین علی خاں نائب ناظر اس وقت موجود ہے، اُس نے حضور میں یہ بات بیان کی ہوگی۔ میں تو پانچوں وقت نماز کے بعد یہی دعا کرتا ہوں کہ وہ قادر ذوالجلال اور ملک المتعال اس بلند و برتر خاندان سے اس عاصی کے کسی ایسے قدر دان کو اپنے باپ دادا کا ورثہ نصیب فرمائے کہ یہ ناچیز فرزند بھی اُمرا کے کسی درجے پر پہنچ کر خدمت گزاری کا ثبوت دے اور جان تک سے کوتاہی نہ کرے۔ کیونکہ میں بھی آخر اسی عالی شان خاندان کے نواسوں میں ہوں۔ اور حضور کو معلوم ہے کہ اِس سے پہلے میں نے اپنا تخلص غم خور رکھا تھا۔ مگر اب پانچ سال سے اسکی بجائے اظفری رکھا ہے۔ اطلاع کی طور پر عرض ہے۔ امید ہے کہ اِس عرضی پر دستخط کرم فرما کر منتخبر اور مباحی فرمائینگے۔ اس سے زیادہ فرزندانہ آداب کے سوا کیا عرض کروں۔ فرزند راسخ الاعتقاد مہرزا جلال الدین عرف چھوٹے مرزا میرے حقیقی بھائی بھی فرزندانہ کورنٹس بجاتے ہیں۔

عرضی عاصی فرزند راسخ الاعتقاد و مرزائے کلان مسے بمہرزا علی بخت، متخلص بہ اظفری گورگانی۔

شہزادہ مرزا سلیمان شکوہ کی خاص تحریر کی نقل جس پر

اُن کی چھوٹی دستی مہر لگی تھی

مابدولت آپ جیسے راسخ الاعتقاد فرزند کو اپنے فرزندوں میں شمار کرتے ہیں۔ قلعہ مبارک سے لیکر اب تک آپ کی خدمت اور حسن ارادت میں ہم نے کوئی کوتاہی نہیں دیکھی۔ کلام اللہ اور جناب رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قسم ہے کہ اُن فرزند حاضر و غائب اگر حضور کی دولت خواہی میں کوشاں رہینگے تو مابدولت بھی انشا اللہ نزدیک و دور اور زبان و قلم سے آپ کی اُندہ بےبودی اور مراعات کا پورا خیال رکھینگے۔ اور بہ قسم لکھتے ہیں کہ اب اُن فرزند سے کوئی کدورت دل میں نہیں ہے، جو کچھ غلطی سے یا قصداً خطا ہو چکی ہے، وہ بھی ہم نے معاف فرمائی۔ ہر طرح خاطر جمع رکھیں۔

فائدہ: شہر لکھنؤ بڑا آباد، سواد اعظم اور وسیع شہر بلکہ ایک آدم خیز دنیا ہے۔ میں نے وہاں دو شخص ایسے دیکھے جو نفس کشی میں انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔ اپنی مدح کو عین مذمت اور مذمت کو صحیح تعریف سمجھتے تھے۔ میں نے اپنے سانحات میں ان کا کچھ مختصر ذکر کیا ہے۔ یہاں بھی بنظر فائدہ لکھا جاتا ہے:

اظفری! اکثر عارفوں نے اپنے ہنر چھپانے اور اپنے عیب ظاہر کرنے میں بہت مبالغے سے کام لیا ہے۔ وہ اپنی خوبیوں کا اظہار بڑا عیب جانتے ہیں۔ تعریف کرنے والے کو دشمن سمجھتے ہیں، مرحبا اور شایب کو گالی شمار کرتے ہیں۔ وہ یہی چاہتے ہیں کہ ہمیشہ گوشہ گمنامی میں پڑے رہیں۔ کسی کی زبان سے اپنی تعریف نہ سنیں۔ بلکہ ہمیشہ لوگوں کی زبانوں پر نشانہ ملامت بلیے دھیں۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ ان کا نفس ہر وقت بھلائیاں حاصل کرنے کا حد سے زیادہ آرزومند رہے۔ جس وقت کوئی شخص کسی برائی پر ملامت کرتا ہے تو نفس کی سرزنش ہوتی ہے، وہ کفارہ ادا کرتا ہے۔ اور اندیشہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی اچھی بات کی اطلاع پائیگا تو تعریف کریگا، مسکن ہے کہ نفس اس تعریف سے سرکشی اختیار کرے، اپنے کو کامل تر سمجھنے لگے۔ اور دوسری خوبیوں کے حاصل کرنے سے باز رہے۔ ترقی کا دروازہ اپنے اوپر بند کرے، اور تنزل میں پڑ جائے۔ راقم نے لکھنؤ میں ان صفتوں کے دو آدمی دیکھے، اور ان کی صحبت سے بہت فوائد حاصل کئے۔

ایک تو مرزا کاظم ترکی سوداگر، یہ بہت سے فلون کے جامع تھے۔ خاص کر ترکی چغتائی زبان میں کامل تھے۔ نوائی و گدازی کے دیوان انہیں از بر تھے۔ اشعار و لہجہ اور عبارت آرائی کے میدان میں گوئے بلاغت لے گئے تھے۔ اکثر اوقات میرے پاس آیا کرتے تھے۔ عرصے تک ان سے بہت فوائد حاصل ہوتے رہے۔

ایک روز ان کی سحر آگہی باتوں پر بے اختیار میری زبان سے تحسین و آفرین کا کلمہ نکل گیا۔ کیونکہ زبان پر حق بات ہی رہنا چاہئے۔ بس وہ بگڑ گئے اور کہنے لگے کہ تقصیر معاف! صاحب میں آپ میں اسکے سوا اور کوئی بری صفت نہیں پاتا کہ دوستوں کو اتنا سراہتے ہیں کہ وہ اُترا اور اُکتا جاتے ہیں۔ آپ یہ نہیں سمجھتے کہ دوستوں سے ایسی بات کہنا چاہئے جس سے

اُن کا نفس ترقی کرے نہ یہ کہ تنزل۔ شاید آپ نے گلستاں کا یہ قطعہ نہیں پڑھا:

از صحبت دوستان بر نجم - کا خلاق بدم حسن نمایند
عیب هنر کمال بینند - خارم گل یا سمن نمایند
کو دشمن چشم شوخ بیباک - تا عیب مرا بسن نمایند

میں نے بہت کچھ عذر و معذرت کی مگر وہ ایک نہ مانے۔ آخر یہی تعریف ترک صحبت کا سبب ہو گئی۔

ایسے ہی ایک بزرگ، ایک طالب علم سید تھے، جو اپنی ہیئت بدل کر مفلس قلاہ کی طرح ترکی زبان پڑھنے کے لئے میرے پاس آیا کرتے تھے۔ حالانکہ وہ اس زبان کو سنبھتے تھے۔ چند روز بعد بمصداق ”مشک آن است کہ خود ببوید نہ کہ عطار گوید“ حقیقت کے چہرے سے پردہ اُتھ گیا۔ اُن کی سیادت اور فضیلت نگاہوں کے سامنے آشکارا ہو گئی۔ میں پہلے سے بہت زیادہ اُن کی تعظیم و تکریم کرنے لگا۔ یہ دیکھ کر اُنہوں نے بھی میری صحبت سے دامن کھینچ لیا اور آنا جانا چھوڑ دیا۔ قطعہ:

اظنری! مدح نفس خود چو شنود - عاقل از دوست ہم چو ذم داند
زانکہ بيم است چوں شود خیره - از ترقیش باز می ماند

مجھے وہ آدمی بہت زیادہ پسند آتا ہے جو اپنے قصور کو مان لیتا ہے۔ حالانکہ آج کل اکثر لوگ اپنی اصلی کوتاہیوں سے بھی انکار اور اپنے جھوٹ پر اصرار کرتے رہتے ہیں۔ اس صفت کا ایک آدمی مکھو نامی تھا۔ یہ شخص قانون گویوں کی اولاد میں اور سکندریہ کا رہنے والا تھا، جو دہلی کا ایک مشہور قصبہ ہے۔ مکھو جو دہلی پر آکر میرے یہاں نوکر ہوا۔ تھوڑے ہی عرصے میں اس کی قابلیت دیکھ کر میں نے منشی گری کی خدمت پر سرفراز کیا۔ جس وقت شاہزادہ میرزا احسن بخت بہادر جے پور تشریف لائے، میں بھی وہیں موجود تھا۔ مکھو نے مجھے سے دعا کی اور اُن سے جا ملا۔ میرے دست خاص کی تحریری سند پر شاہزادہ موصوف نے اسے منشی گری کی خدمت پر مامور کر لیا۔ اور اُن کے ہمراہ تیمورشاہ والی ہرات کی ولایت میں چلا گیا۔ چند روز تک خوب آرام سے رہا۔ کئی ہزار روپے کا سامان اور کئی عدد عربی نسل کے گھوڑے وغیرہ بھی فراہم کر لئے۔

دو سال کے بعد میں لکھنؤ میں تھا۔ یہ منشی فقہیروں کی طرح ننگا، بھوکا وہاں وارد ہوا۔ اور ایک سید کی سفارش سے میرے پاس آیا۔ میں نے پوچھا کہ اسباب کہاں ہے، اسی وقت میرے قدموں پر گر پڑا اور کہا کہ قصور معاف ہو تو سچی بات عرض کروں۔ میں نے کہا: اچھا معاف کیا، سچ سچ کہو۔ مکھو نے کہا: میں نے حضور سے جو دغا بازی کی اور شاہزادہ مرزا احسن بخت سے جاملا۔ یہ سب اسی نیک حرامی کا نتیجہ ہے۔ میں نے کہا: تو بہت تھیک کہتا ہے، تیری طرف سے جو کدورت میرے دل میں تھی وہ دور اور تیرا قصور معاف کرتا ہوں، خدا بھی معاف فرمائے۔ اُسکے بعد بہت کچھ کہا کہ چند روز میرے پاس رہ، مگر وہ نہ مانا، کہنے لگا کہ حضور سے ایسی شرمندگی ہے کہ اپنا کالا منہ دکھا نہیں سکتا۔ اجازت ہو تو حج بیت اللہ کے ارادے سے جانا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا: بہتر ہے، خدا پہنچائے۔ پھر باصرار راہ خرچ دینا چاہا، مگر اُس نے نہ لیا، اور روانہ ہو گیا۔ سنا ہے کہ زیارت و حج کے بعد خیر و عافیت کے ساتھ اپنے وطن پہنچ گیا ہے۔ اِس بیان کا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی نوکر اپنے آقا کو دغا دیتا ہے تو خدائے برتر جو غیب کی باتیں جاننے والا اور حقیقی قہرمان ہے توہڑی ہی مدت میں اُسے کھنر کردار کو پہنچا دیتا ہے۔

شاہ جہاں آباد (دہلی) کے قلعہ مبارک سے راقم کے بھانپوں کی نجات

اِس سے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ راج راجندر سری مہاراجہ دھراج سواے پر تآب سنگھ بہادر والی چے پور و راج راجیشتر سری مہاراجہ دھراج بچے سنگھ بہادر فرماں رواے جو دھبور، دونوں نہایت شائستہ طریقے سے میری خدمت میں دست بستہ حاضر ہوئے تھے۔ اور میرے لئے ایسی تکلیف اُتھانے پر آمادہ ہو گئے تھے جو حقیقت میں اُن سے اُتھانے والی نہ تھی۔ اِس لئے میں نے اُس امر عظیم کو قبول نہ کیا۔ میرے اِس انکار پر بھی دہلی کے والوں نے یعلیٰ ناظموں کو اپنے بیہودہ وسوسوں کی وجہ سے یہی مناسب نظر آتا تھا کہ میرے بدلے حضرت عرش آرام گاہ کے نواسوں کو طرح طرح سے ستائیں۔ اور اُن کی طرف سے انصاف کی آنکھ بند کر لیں۔ خاص کر میرے چھوٹے سکے بھائی مرزا جلال الدین عرف چھوٹے مرزا سلمہ اللہ کے ساتھ دہلی کے

ناظم صاحبان جو مختار کار تھے، کچھ ایسی ضرر رسانی اور ایذا دہی کے ساتھ پیش آئے کہ وہ ایک داغ ہے میرے دل سے نہ مٹنے والا، اور ایک زخم ہے کبھی نہ بہنے والا۔ انتظار ہے کہ دیکھنے وہ اصلی منتقم خدائے تعالیٰ کب انتقام لیتا ہے۔ اور کب اپنی مہربانیوں کا مرہم اس جگر ریش کے زخم پر رکھتا ہے۔ غرض کہ برابر ایذا پہنچاتے اور بےحد تکلیف دیتے رہے۔ آخر میرے نکلنے کے تین مہینے بعد ان سب کو قلعہ مبارک سے نکال کر اسمعیل خاں کی حویلی میں پہنچا دیا اور اب ان مظلوموں سے قید اُتھالی گئی ہے۔

ایک حسب حال حکایت

کہتے ہیں کہ ایک روز ایک گدہ سمندروں کے ہاتھ پڑ گیا۔ سب نے ملکر اُس غریب کو خورد بُرد کر ڈالا۔ بہت سے گدہ اُن سے بدلہ لینے کی فکر میں تھے۔ اتفاق سے ایک دن ایک سمندر گدوں کے پلچے میں گرفتار ہو گیا، سب نے ملکر مشورہ کیا کہ اسے نہایت سخت اذیتیں اور بدترین سزائیں دے دیکر مارنا چاہئے۔ سب کی رائے قرار پائی کہ آگ سے زیادہ سخت سزا اور کون ہو سکتی ہے اسی میں جھونک دیں۔ غرض لے جا کر آگ میں ڈال دیا۔ حالانکہ بھڑکتی آگ میں پہنچ جانا سمندروں کے لئے عین تمنا اور عین راحت ہے۔ کسی بزرگ شاعر نے کہا ہے:

سمندر نداند عذاب التحریق

خدا چاہے تو دشمن سے راحت پہنچاے ورنہ دوست سے ایذا دلوئے۔
 اللهم احفظنا وجميع المؤمنين والمؤمنات والمسلمين والمسلمات من سجين الدنيا
 والدین برحمتک یا ارحم الراحمین * آج کل میرے چچہرے اور حقیقی بھائی
 سب کے سب لکھنؤ میں گوشہ عافیت کی زندگی گزار رہے ہیں۔ نواب
 آصف الدولہ، ہر ایک کے حوصلے اور حالات کے مطابق خدمت کرتے رہتے
 ہیں۔ نائب نواب وزیر بھی میرے حقیقی بھائی کے ساتھ حسن سلوک

* ترجمہ: اے اللہ ہم تمام مومن مردوں اور عورتوں، مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو دنیا
 اور دین کی قید سے محفوظ رکھا۔ اپنی رحمت کے طفیل اے تمام رحم کرنے والوں سے
 زیادہ رحم کرنے والے اللہ!

اور قابل قدر تواضع سے پیش آتے رہتے ہیں۔ وہ خوش اور عزت کے ساتھ ہیں، اُن کے دو لڑکے اور دو لڑکیاں بھی ہیں۔ بڑے بیٹے کا نام مرزا الہی بخش اور چھوٹے کا نام مرزا ایزد بخش ہے۔ خدا انہیں علم و عقل اور عزت دے، اور اقبال کے ساتھ عمر طبعی کو پہنچائے۔

میرے ایک چچہ بھائی مرزا ہمایوں بخش اپنی بیوی کے ساتھ چینا یعنی مندراج میں نواب امیرالہند والاجاہ محمد علی خاں بہادر کے پاس تشریف لے گئے۔ نواب والاجاہ نے اُن کے ساتھ لاکھوں کا سلوک کیا۔ نواب صاحب کی وفات کے بعد اُن کے بڑے بیٹے نواب عدۃ الامراء، امیرالہند والاجاہ ثانی بھی قابل قدر سلوک کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سلامت رکھے۔*

میں لکھنؤ سے نکلنے ہی کی فکر میں تھا کہ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۲۱۰ ہجری میں چند معتمد لوگ اور سرکاری ہرکارے مندراج کے خطوط لیکر پہنچے، جو مرزا ہمایوں بخش نے میرے نام بھیجے تھے۔ مضمون یہ تھا کہ آج کل ایک منجھول النسب شخص یہاں آگیا ہے۔ وہ اپنا نام مرزا جنگلی اور اپنے کو نواب وزیر شجاع الدولہ کا بیٹا بتاتا ہے، میرے ساتھ بے سبب عداوت پیدا کر رکھی ہے۔ ظاہر یہ کرتا ہے کہ مرزا ہمایوں بخش حضرت امیر تیمور گورگان کے خاندان سے

* سوانح ستار: نواب عدۃ الامراء اور اُن کے زمانہ حکومت کی ایک تاریخ ہے جو مدراس میں اُن کی وفات کے بعد لکھی گئی تھی۔ اُس کتاب کے آخر میں مصنف نے ایک گلدستہ (باب) اُن شاہزادوں کی تشریف آوری کے بیان میں قائم کیا ہے جو دہلی سے مدراس چلے آئے اور یہیں مقیم ہو گئے تھے۔ نواب والاجاہ اول کے زمانے سے لگا کر نواب عظیم جاہ بہادر کے زمانے تک جو شاہزادے وارد مدراس ہوئے اُن کی آمد کے مختصر حالات لکھے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سے یہاں نقل کر دئے جائیں۔ مصنف لکھتا ہے: "سب سے پہلے مرزا ہمایوں بخش بہادر شاہزادہ عالی مرتبہ سنہ ۱۲۰۹ء میں مع محلات (اپنے بیوی بچوں کے ساتھ) نواب والاجاہ جنم آرام گاہ کے زمانے میں تھا یہ تحصیل اور شان و شوکت سے داخل مدراس ہوئے۔ نواب ممدوح نے ایک روز کلس محل میں شاہی دربار کی طرح اپنا دربار آراستہ کر کے اُس عالی قدر شاہزادے کو اُس کے منصب اور مرتبہ کے مناسب طلب فرما کر ملاقات کی۔ نواب عدۃ الامراء بہادر امیرالدولہ بہادر، اقتضار الدولہ بہادر، مبارز جنگ بہادر، سالار جنگ بہادر وغیرہ دیگر ملازمین خاص کو شاہزادہ موصوت کی نوردگاہ پر روانہ کیا۔ شاہزادہ موصوت نواب شہید (نواب انوارالدین) نواب والاجاہ کے باپ بانی حکومت والاجاہی کے نژاد ملحق یعنی مصد کمال کی حویلی میں نوردگاہ تھے جسے سرکار نے خرید لیا تھا۔ اور شاہزادہ موصوت کے آنے سے کچھ روز پہلے اُن کے

نہیں ہیں، اور اس بات پر مصر ہے۔ اس جھوٹے کی باتوں سے اس طرف کے بعض رئیس مجھ سے کچھ بدگمان ہو گئے ہیں۔ ضرورت ہے کہ بھائی جان! آپ وہاں کے رئیسوں، قاضیوں اور مفتیوں وغیرہ کی مہروں سے ایک منحصر بہت جلد تیار کرا کر بھیجا دیتے۔ جس میں تصدیق ہو کہ ہم حضرت امیر تیمور صاحبقران کے نواسے اور ان کے سلسلہ عالیہ میں ہیں۔ جھوٹے بے ایمان کے وزیر زادہ ہونے کی تردید بھی ہو۔ تاکہ اس منحصر کو دیکھ کر اس ملک کے رئیسوں کے دلوں سے یہ بدگمانی دور ہو جائے۔ اور اس کاذب کی بات غلط ثابت ہو۔ میلے ان کی استدعا کے موافق دو قطعے منحصر کے خود نواب شجاع الدولہ کے بیٹوں کی مہروں سے مزین کرائے۔ نیز یہاں کے قاضیوں، مفتیوں اور دیگر رئیسوں کے دستخط بھی لے لئے۔ ان میں سے ایک قطعہ تو بھائی صاحب موصوف کے ہرکاروں کے ہاتھ مندرجہ رواںہ کیا۔ دوسرا قطعہ اپنے پاس رکھ لیا تاکہ ضرورت کے وقت کام آئے۔ یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ جو منحصر ہرکارے کے ہاتھ بھیجا تھا وہ راستے میں تلف ہو گیا۔ دوبارہ پھر وہ جھوٹا یہاں پہنچا تو میلے دوسرا منحصر جو میرے پاس موجود تھا، عمدۃ الامراء کے نزدیک بھیجا۔ انہوں نے اس کی نقل لے کر اپنی

لئے 'نوش' شامیلا' مسند اور تندیلوں سے آراستہ کر دیا تھا۔ وہاں سے دھوم دھام کے ساتھ اپنے محل پر بلا یا۔ دوسرے دن خود بدولت ان کی ملاقات باز دید کے لئے گئے اور ملکر ٹھہرا یہ سرور ہوئے۔ میارز جنگ اور دیگر حاضرین سے ٹھہرا خوشی کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ "شکر نصبت ہاے تو چندا تک نصبت ہاے تو" میں اپنے خالق پر نیاز کی بارگاہ میں ہزار ہزار شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے اس فقیر حقیر پیر دستگیر خوت مصیوب سچائی کے غلام اور حضرت ظل ربانی محمد معزالدین علی گوہر شاہ عالم بہادر بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ و دولتہ کے ازلی دولت خواہ اور فدوی محمد علی کے چھوٹیڑے کو اس عالی خاندان شاہزادہ تیموریہ کے مبارک قدموں سے منور و روشن کر کے معزز و منتظر فرمایا اور اس بے مقدار ذرے کی ریاست و دولت کے لئے باعث زینت کیا۔" نواب صاحب زندگی پھر جمیع وجوہ سے ان کے خبرگیراں رہے۔ نواب والاحاجہ کی بیوی صاحبزادی جناب نواب سلطان النساء بیگم صاحبہ مخفی طور پر ہمیشہ اقتصاد و مصیبت کا سلوک رکھتی تھیں اور شاہزادہ موصوف کی محل عالیہ فیض النساء بیگم صاحبہ کی خبرگیر رہتی تھیں۔ اپنے بھائی نواب عمدۃ الامراء کے عہد ریاست میں یہ سلوک کھلم کھلا ہونے لگا۔ بیگم صاحبہ موصوفہ کو اپنے محل میں ٹھہرا عزت و شان کے ساتھ بلا کر ملیں۔ پہلے جو سلوک یک جہتی اور روپا بنا نایاب مرعی رکھتی تھیں، ان میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا۔

سرکار میں بحفاظت رکھ لی، اور اصل واپس بھجوادی۔ وہ مختصر مرزا
ہمایوں بخت نے مجھ سے منگوا کر اپنے پاس رکھ لیا تھا، واپس نہیں کیا۔
اب تک انہیں کے پاس ہے۔

سوالک دکن کی سیر کے ارادے سے میری لکھنؤ سے روانگی اور بنارس پہنچنا

دکن کی سیر، بعض عزیزوں کی ملاقات، نواب نظام الدولہ آصف جاہ بہادر،
اور نواب امیرالہند والاجاہ عمدۃ الامرا بہادر کو دیکھنے کا ارادہ مدت سے
میرے دل میں تھا۔ آخر اپنے ساز و سامان میں بے حد تصنیف کرنے کے بعد
روانہ ہوا اور ماہ رجب المرجب سنہ ۱۲۱۱ھ کی چوتھی تاریخ کو منگل کے
دن، چار پہر دن چڑھ بنارس پہنچا۔ بنارس ایک چھوٹا سا رونق دار
شہر ہے، مگر آبادی بے شمار ہے۔ دریائے گنگا کے کنارے پر واقع ہے۔ بہت ہی
دل چسپ اور مرغوب شہر ہے۔ وہاں کے سارے باشندے اپنی اپنی حالت میں
حد سے زیادہ خوش و خرم ہیں۔ بائیس روز یہاں قیام رہا، اور رستے کے حالات
کی تحقیق کرتا رہا۔ ارادہ تو یہ تھا کہ ریوان مکندپور کے راستے سے دکن کا
رخ کروں، مگر خدا کا چاہا ایسا ہوا کہ مرہٹے کے سپہ سالار نائک نواب علی
بہادر کے قتل ہوجانے کی وجہ سے ان اطراف میں غدر پھیل گیا اور تمام
راستے بند ہو گئے۔ اس لئے ناچار ہم مشرق کی جانب روانہ ہوئے۔

بلدۂ سہرانوہ (سہرام) کا ذکر

بنارس سے مشرق جانب چار منزل کے فاصلے پر، ہم نے ایک شہر دیکھا، جس
کا نام سہرانوہ اور بہت آباد ہے۔ اس شہر میں علاول خاں کا روضہ مشہور ہے۔
عجیب بات یہ ہے کہ وہاں کی عورتوں سے اگر پوچھا جائے کہ علاول خاں کا روضہ
کہاں ہے تو اُس کا نام سننے ہی پوچھنے والے کو بے دھڑک ماں بہن کی گالیاں
دینے لگتی ہیں۔ یہی نہیں بلکہ یہاں کے مردوں سے پوچھنے تو دل لگی سمجھتے
ہیں۔ اور شرمندگی سے ہنس کر اپنا منہ پھیر لیتے ہیں۔ روضے کا پتلا نہیں
بتاتے، نہ کچھ جواب دیتے ہیں۔

عظیم آباد پہنچنے کا بہان

مجبوراً تقدیر الہی کے بموجب اور ”قید الما اشد من قید الحديد“ کے مصداق ہم بنارس سے نکل کر عظیم آباد پہنچے۔ راجہ شتاب رائے کے فیض باغ میں قیام ہوا۔ پونے دو مہینے تھہرے رہے۔ یہیں ماہ رمضان میں رکن الدولہ مدبر الملک مہاراجہ اندرپت، کلور دولت سنگھ بہادر دلیور جنگ کی عرضی ہماری نظر سے گزری۔ یہ شخص مہاراجہ کلیان سنگھ بہادر تہور جنگ ابن شتاب رائے صوبہ عظیم آباد کا بیٹا ہے۔

عرضی کی نقل: شوکت اور نامداری کے چمکدار نشان، حسمت اور بختیاری کے سر بلند علم، روشنی، سلطنت و کاماری کے تازہ نونہال عظمت اور شہریاری کے باغ کے تازہ گلبن، شہامت و اجلال کے گلشن کی بہار، باغ سلطنت اقبال کے نوباوہ، خاندان عالیشان کے سپوت، مفاخر و معالی کے دریا کی شاخ، تخت اُبھت کے صدر کو زیب دینے والے، سریر عظمت کو زینت بخشنے والے، عالم رفعت کے محتوی، دائرۂ عزت کے مرکز، باغ سروری کے نفع رسان نونہال، شجر ناموری کے تازہ ثمر، بساط کاماری اور مآثر نامداری کے پھولنے میں آسمان ہمیشہ موید ہو اور ہمیشہ طالع لامع رہے۔ حضور کے نشان والا شان نے نیک ساعت اور اچھے وقت میں اپنے ورود کا پرتو ڈال کر ہمیں معزز فرمایا۔ جہاں تک ممکن ہے یہ ارادت مند حضور کی خدمت بجالانا اپنی سعادت سمجھتا ہے۔ قبلہ و کعبہ گاہی انتظام الملک ممتاز الدولہ مہاراجہ کلیان سنگھ بہادر تہور جنگ کلکتے میں تشریف رکھتے ہیں۔ سرکار فیض آثار مدار الہام سپہ سالار کھلی انگریز بہادر دام ظلہ و اقبالہ سے جو ہمارا تعلق ہے وہ حضور پر ظاہر ہے۔ اور ہم بلند مرتبت صاحبان انگریز کے استمزا ج بغیر کوئی کام نہیں کر سکتے۔ اس وجہ سے دولت حضوری سے قاصر ہیں۔ چند ماہ سے مزاج بھی کچھ کسل مند ہے۔ حضور کے بلند ریاات کا سواد لکھنے سے ان حدود میں نہضت فرمانا قرین صلاح ہے۔ اس سے پہلے حضور کے بھائی صاحبان خود اپنی آنکھوں سے یہاں کے حالات دیکھ گئے ہیں۔ وہ انہوں نے سمع مبارک تک پہنچائے ہوں گے۔ خدایا دولت و اقبال کا یہ نہال اور جاہ و جلال کا یہ آفتاب ہمیشہ عالم پروردی کے پھلوں سے پر بار اور دنیا اور دنیا والوں کے لئے قہام قہامت تک روشنی بخشنے والا رہے۔

راجہ کلیان سنگھ مذکور کا نائب راجہ مجلس راے بہت عمدہ طور پر ہماری خدمت بجالایا۔ اس کا منیب اُن دنوں کلکتے میں تھا۔ اسکے علاوہ ہمارے عالی شان خاندان کے دوسرے فدوی بھی بہت کچھ نسیاں خدمتیں بجالائے۔

کریم قلی خان مخاطب بہ ضیاء الدولہ فرزند خان بہادر تہور جنگ، ابن نواب

ملیر الدولہ مرحوم کی ضیافت کا بیان - ہندوؤں کی چرخ

یوجا کی سیر اور اس شہر سے جہاز میں سوار ہونا

نواب ملیر الدولہ کے منجھلے بیٹے ضیاء الدولہ کریم قلی خان بہادر بہت عمدہ سلوک سے پیش آئے۔ کئی بار ہمارے پاس آئے اور ہم کو بھی اچھے مکان پر لے جا کر تمام مراتب کے ساتھ پرتکلف ضیافت کی۔ یہ جگہ ہو کر رمضان المبارک کے مہینے میں ہمیں آگے نہ بڑھنے دیا۔ میں نے دیکھا کہ عظیم آباد ایک بہت بڑا اور رونق دار شہر ہے، بربادی کی حالت میں بھی، زبان حال سے دلی کی رونق کا پتہ دے رہا ہے۔ اس کی سیر سے مسافر کا دل خوش ہوتا ہے۔ یہیں ہم نے خدائے بے ہمتا کی مہربانیوں سے رمضان مبارک کے مہینے کے روزے پورے کئے۔ بارہویں شوال سنہ صدر کو ہندوؤں کا کوئی بڑا تیوہار تھا۔ ان کے یہاں یہ ایک مذہبی رسم ہے کہ اس روز دو نیڑوں کے برابر بلند ستون کے مانند کئی بانسوں کو باندھ کر کھڑا کرتے ہیں۔ اور اسکے سروں پر موتی لمبی رسیاں باندھ دیتے ہیں۔ اوپر کے سرے پر بڑے موٹے موٹے لوہے کے کانتے لگاتے ہیں۔ اس کانتے کو کوئی ایک برہمن اپنی پیٹھ کی کھال میں گھسا لیتا ہے۔ اس طرح کہ وہ کانتا کھال میں سے دوسری جانب باہر نکال کر مضبوط باندھ دیا جاتا ہے۔ اسکے بعد اسے کل کے زور سے لوگ گتاتے ہیں۔ وہ برہمن ہوا میں معلق چکر لگاتا رہتا ہے، اور اپنی گود میں کچھ ترکاریاں یا پھل رکھ لیتا ہے جو اوپر سے اپنی قوم کے تماشائیوں میں ڈالتا رہتا ہے۔ ہر ایک اپنے ہاتھ یا گود میں چھیلے کی کوشش کرتا ہے، اور تبرک سمجھتا ہے۔ یہ کانتے میں معلق چکر لگانے والا ہوا کے جھکڑ سے کبھی کبھی خوفزدہ ہو جاتا اور اسکا براز نکل جاتا ہے تو تماشائیوں کے چہرے اور لباس پر پوتا ہے۔ چند لمحوں کے بعد اُسے اتار لیتے ہیں، اور اُسکی جگہ کسی دوسرے برہمن کو چڑھاتے ہیں۔ اس مہلے میں تقریباً ساری بستیاں کے مرد اور عورتیں

جاتے ہیں اور اس کو چرخ پوجا کہتے ہیں۔ اپنی سواری کے اثنا میں اس کو دیکھنے کے بعد ہم جہاز پر سوار ہو گئے۔ سواری کے گھوڑے اور چوپائے وفیرہ خشکی کے راستے سے روانہ کر دئے۔ عظیم آباد میں ہمارے چند بار بردار جانور ضائع ہو گئے، اس وجہ سے سامان میں اور کمی کی گئی۔ سواری کے کھار وفیرہ جہاز پر سوار ہونے کے خوف سے سب کے سب بھاگ گئے، صرف گھوڑے کی سواری رہ گئی۔

مرشد آباد میں ہمارا داخلہ

دریائے گنگا کے راستے سے جو دریائے شیرین سے نکل کر بنگالے میں بہتا ہے، تھیس روز بعد ہم اس دریا کے ہولناک طوفان دیکھتے ہوئے ماہ ذی قعدہ سنہ صدر کی چوتھی تاریخ کو مقصود آباد کے علاقے میں پہنچ گئے، جس کا دوسرا نام مرشد آباد ہے۔

ایک مجہول نسب جھوٹے کا ذکر، جسے عظیم آباد اور مرشد آباد میں اپنے کو شاہزادہ مشہور کر رکھا تھا، اور یہاں کے رئیسوں کو دھوکا دے رہا تھا

جس روز ہم اس شہر میں پہنچے، شام کا وقت تھا، یہاں ایک عجیب تماشا نظر آیا۔ ایک مجہول النسب شخص متحض ان پڑہ، جو شہن کی جگہ ہمیشہ سہن بولتا تھا۔ ”بد نام کنندہ نکو نامے چند“ اپنے آپ کو میرے نام سے دنیا کے آگے پیش کر رہا تھا۔ اسی وقت مہینے اُسے پکڑوا کر اپنے حضور میں بلوایا، دیکھا اور معقول سزادی۔ بارہ روز تک اُسے اپنی فرودگاہ میں قید رکھا۔ آخر جب اُس نے نہایت ملت ساجت سے معافی چاہی، تب اُس کا قصور معاف کیا، مچلکا لہکر چھوڑ دیا اور شہر بدر کرادیا۔ بزرگوں کا مقولہ ہے:

”در عنو لذتے است کہ در انعام نیست“

بنگال کا ذکر، اس کی سپر اور وہاں کے رئیسوں کے حالات

ایالت و امارت مرتبت، حشمت و شوکت منزلت، نواب عضد الدولہ ناصر الملک سہد بگر علی خان بہادر دلہر جنگ کی مجمع الصفات ذات کے ساتھ اس شہر کی حکومت اور سرداری وابستہ ہے۔ ارسال پھس کش اور اظہار ارادت و اخلاص، غرضک ہر طرح سے موصوف نے نہایت ہی شائستہ طریقے اور

عمدہ طور سے خدمت گذاری کے تمام مدارج ادا کئے۔ اور اُن کے ساتھ ریاست و اقبال کے آسمان کے سورج، اجلال و امارت کے فلک کے چاند، شمس الدولہ امیر الملک سید احمد علی خان بہادر ذوالفقار جنگ، نواب جسارت جنگ کے نواب بھی حسن خلق سے پیش آئے جو آسمان اقبال و ریاست کے آفتاب اور فلک اجلال و امارت کے ماہتاب ہیں۔ نواب مبارک الدولہ مغفور و مہرور کے داماد ہیں۔ اِن کے بڑے بھائی نواب نصرت جنگ، آجکل جہانگیر آباد ڈھاکہ کے فرماں روا اور وہاں کے تمام اوامرو نواہی کے مختار ہیں۔ میں نے دو سال پہلے سید صفوی رضا علی خان مرحوم کی زبانی اِس جوہر نفیس کے دبدبے اور جوانمردی کا حال سنا تھا۔ اور ایک مکتوب شوق بھیجا تھا، جو غائبانہ اشتیاق اور بیان آرزو پر مشتمل تھا۔ جس وقت راقم یہاں پہنچا، تو جذبات موصوف نے اپلی انتہائی تسنا و شینتگی کا اظہار کیا۔ اور نہایت عقیدت مندانہ پیام ایک قابل عنایت و احسان شخص کی زبانی بھیجا جن کا تخلص تہس ہے۔ مرزا جان کے نام سے مشہور ہیں۔ نہایت متین مثل زا جوان اور بخاری الاصل ہیں۔ خواجہ مہر درد قدس اللہ سرہ کے شاگردوں اور دہلی کے مشاہیر شعرا میں سے ہیں۔ انہوں نے اُمراء میں رہ کر آداب و مراتب مجلس کا فن حاصل کیا ہے۔ بہت شائستہ انسان ہیں۔ خاص کر ہمارے تیموری خاندان قدسی نشان سے آبائی نسبت بندگی اور توسل رکھتے ہیں۔ آجکل کچھ عرصے سے یہ ہر دل عزیز مرزا جان نواب ڈھاکہ کے رفیقوں میں شامل ہیں۔ مرزا تہس کے اِس زبانی پیام نے راقم کے اشتیاق کو اور بھی بھڑکا دیا۔ لیکن اِس وقت بعض وجوہ کی بنا پر، جن کا بیان اِس مقام پر بے ضرورت ہے۔ نواب مذکور عازم جہانگیر نگر تھے، ملاقات کی آرزو پوری نہ ہو سکی۔ لیکن امارت و ایالت مرتبت، ناصر الملک بہادر کو پوری طور پر نہایت شائستہ طریق سے اِس راقم کے ساتھ ارادت مندی کی ترغیب اور اخلاص کی تعلیم دے کر اور خوب سمجھا بجھا کر تشریف لے گئے۔ اُن کی روانگی کے بعد موصوف تمام مراتب کے ساتھ میری خدمت بجالائے۔ حافظ حقیقی اِس یار غم گسار و صداقت شعار کو جہاں کہیں بھی ہو رفعت و شوکت کے ساتھ رکھے۔ آمین۔

اِس وقت جبکہ یہ حالات لکھ رہا ہوں، ماہ محرم الحرام سنہ ۱۲۱۲ھ کی پچیسویں تاریخ، اور جمعہ کا دن ہے۔ غلام حسین خاں عرض بیگی کے

رنگ محصل میں، دریا کے کنارے متصلہ کلہڑیا میں مقیم اور مالک دکن کی سمیر کے ارادے سے پابہ رکاب ہوں۔ دیکھنا ہے کہ پردہ گاہ باطن سے کیا ظہور میں لاتا ہے۔ بدلتالے کی آب و ہوا اشتہا کو بہت توڑنے والی، مرطوب اور بیماری لانے والی ہے۔ موسم گرما میں گرمی بھی شدت سے نہیں پڑتی۔ اکثر اوقات بے موسم بارش ہوجاتی ہے۔ اس آب و ہوا نے مجھے بہت نقصان پہنچایا۔ خصوصاً پیت میں ریاح پیدا ہونے سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوگئیں۔ ہمیشہ دریائے علاج رھنا پڑا۔ خاص کر سونف اور سیاہ مرچ کا استعمال ہمیشہ جاری رکھا۔ یہاں غلہ اور پھلوں کی زیادہ ارزائی ہے مگر انگور نایاب اور خریدنے بے مزہ ہیں۔ البتہ آم مختلف قسم کے بہت بڑے بڑے اور خوب سستے میسر آتے ہیں۔ خصوصاً ”کھرساپات“ نامی ایک قسم کا آم بہت خوب ہے۔ نواب ناصرالملک نے بھیجا تھا، ہم نے کھایا۔ واقعی نہایت لذیذ، خوشبودار اور بالکل بے ریشہ تھا۔ اور ایک قسم کا کیلا یعنی موز ہوتا ہے، جسے ”امرت بان“ کہتے ہیں۔ یہ بھی مزے میں بے نظیر ہے۔ کہتے ہیں کہ یہاں کا کولہ، سنترہ بھی بے بدل ہوتا ہے۔ عورتیں نہایت بے باک، شوخ طبع، چالاک ہیں۔ اپنے شوہروں پر غالب اور زیادہ تر شہوت پرستی کی طالب ہیں۔

مرشد آباد سے بردوان کی جانب ہمارا کوچ اور اس شہر کا کچھ بیان

ماہ صفرالمظفر سنہ صدر کی پچیسویں تاریخ کو سنیچر کے دن، مبارک ساعت میں، جو نجومیوں نے پسند کی تھی، طلوع آفتاب سے پانچ گھڑی بعد ہم نے بردوان کی جانب کوچ کیا۔ موضع کٹوانا کی منزل کے بعد اتھارہ کوس تک پانی کی وجہ سے نہایت درجہ تکلیف اُٹھانا پڑی۔ جگہ جگہ کمر کمر تک زمین پر پانی کھڑا تھا۔ بڑی زحمت کے ساتھ، بیحد اسباب تلف ہوجانے کے بعد ساتویں روز ماہ ربیع الاول سنہ صدر کی دوسری تاریخ کو ہم بردوان میں داخل ہوئے۔ بخششی السالک، صمصام الدولہ محمد اشرف خان، نواب خان دوران خاں بہادر منصور چنگ، شہید مرحوم کے بھائی خواجہ انور شہید کے مقبرے میں اُترے۔ نواب ناصرالدولہ محمد اشرف خان بہادر جو نواب محمد اشرف خان خاندوران خاں بہادر مرحوم ولد نواب صمصام الدولہ مغفور کے بھٹے ہیں۔ ہر روز نہایت شایستہ خدمتوں اور عمدہ ضیافتوں سے پیش

آتے رہے۔ نواب موصوف کو درویشانہ اخلاق اور امیرانہ آداب سے متصف پایا۔ زمانے کی ناموافقیت کے باوجود امیری کے تھاتھے نہیں چھوڑے ہیں۔ عجیب متوکل انسان، درویش صفت، امیر منہش، سخاوت پیشہ، نیک خیال بزرگ ہیں۔ ان کے اوصاف سے ہم بہت مسرور ہوئے۔ خدا ان کا انجام بخیر کرے، اور انہیں دلی مراد کو پہنچائے۔ نواب موصوف کے ماموروں میں نواب دستم علی خاں نواب بہادر، نواب محمد حسن خاں، نواب مرزا بہادر، خواجہ الہی بخش خاں بہادر، اور ان کے فرزند ارشد محمد حسین خاں بہادر، خواجہ محمد بخش خاں بہادر، خواجہ علی اکبر خاں بہادر، نواب میرزا کے فرزند وغیرہ، غرض ہر ایک تہذیب و اخلاق کے نمونہ اور جزآت شجاعت، ہمت کے اوصاف سے متصف ہیں۔ بردوان کی آب و ہوا بھی بہ نسبت تمام بنگالے کے بہت معتدل ہے، ہمارے مزاج کو موافق آئی۔ یہ شہر میری نظر میں نہایت ہر ابھرا، بہت سستا، اور زراعت سے مالا مال ہے۔ اناج، میوے، ناریل اور چھالیا کے درخت بکثرت اور پھل بہت ارزاں ہیں۔ اس مقبرے کی تعمیر اور اس کے تالاب کی وضع قطع سارے بردوان میں بے نظیر ہے۔ کچھ اور پتھر سے نہایت مضبوط بنایا گیا ہے۔ شہر میں شاہ جہاں آباد دلی کے لوگ بہت کم ہیں۔ مرد اور عورتیں اکثر بد صورت، گندہ دھن اور بد بودار ہیں۔ مگر دانت بہت خوب صورت اور بال بڑے لمبے لمبے ہوتے ہیں۔ لوگوں کا بیان ہے کہ یزید بن معاویہ رض ولد ابوسفیان رض کی اولاد کے لوگ اس شہر میں موجود ہیں، اور وہ اس پر فخر کرتے ہیں۔ اپنی لڑکیاں اپنے ہم قوم کے سوا کسی اور کو نہیں دیتے۔ اس سے زیادہ یہاں کے حالات یاد نہیں رہے۔ ”وہوالہادی الے سبیل الرشاد“ اب آگے کوچ کرنے کے ارادے سے ہم پابریکاب بیٹھے ہیں۔ دیکھنا ہے کہ قسمت کہاں لے جاتی ہے۔ بقول شاعر:

برات رزق بہر جا کہ کردہ اند رقم
ضرورت است نہادن دران دیار قدم

ہندو نامی قصبہ اور ہوگلی بندر کا بیان، نیز حاجی محسن سلمہ اللہ تعالیٰ

کے اخلاق کا ذکر

اسی مہینے کی پچیسویں تاریخ کو بردوان سے کوچ کیا۔ تیسرے روز ہندو نامی قصبے میں پہنچے۔ یہاں کا کاغذ عمدگی میں مشہور، اور کشمیری کاغذ کے برابر ہے۔ ہم سید عطاء الرحمن کے مکان میں اُترے، جو روضہ شاہ صفی شہید کے متولی ہیں۔ وہ مہمانی کی رسم بجالائے۔ دو دن کے بعد اسی مہینے کی انتیسویں تاریخ کو ہم ہوگلی بندر پہنچے، اور حاجی محسن * کے گھر میں اُترے۔ میں نے دیکھا کہ وہ درویشانہ لباس میں ایک مرد کامل ہیں اور ہرفن مولا، بلبل ہزار داستان، بڑے کاریگر، ہشیار، صاحب حکمت و فطرت، بڑے مروت، اخلاق اور جوہر مودت رکھنے والے، یوں کہنا چاہئے کہ سارے ہندوستان میں ایسے وقت کے ارسطو ہیں۔ قلم تراش کی تین حرکتوں میں قلم بنا دیتے ہیں۔ شاہ مسکین کے شاگرد شہید ہیں۔

* حاجی محسن ملک کی اُن مایۂ ناز ہستیوں میں سے ہیں جن کا نام مدت تک زبان زد خاص و عام رہے گا۔ حاجی صاحب ایرانی الاصل اور اُن کے چچا بنگال کے مشہور تاجر تھے۔ لیکن خدانے اولاد نہ دی تھی۔ حاجی صاحب اپنے چچا کی زندگی میں اکثر حصہ سپرد سیاح میں بسر کرتے رہے۔ چچا نے انتقال کے وقت اپنی بے حساب دولت حاجی صاحب کے حوالے کر دی۔ حاجی صاحب نے خود بھی تجارت سے سرمایے کو بہت فروغ دیا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ حاجی محسن بھی نصیب اولاد سے محروم رہے۔ اور یہ واقعہ ہے کہ یہ محرومی اُن کے حق میں نہایت مفید ثابت ہوئی۔ انہوں نے اپنی دولت کا ایسا عمدہ مصرف دھونڈا نکالا کہ ان کا نام صدیوں تک زندہ رہے گا۔ بنگال میں حاجی صاحب نے کئی مدرسے اور مسجدیں تعمیر کرائیں۔ ہوگلی میں ایک ایسا امام بارگاہ بنایا جو عمارت کے لحاظ سے آپ اپنی نظیر ہے۔ اور اُسکے لئے کئی گاؤں وقف کر دیئے۔ حاجی صاحب کا سب سے صبیح و غریب کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے سرمائے سے ایک کروڑ روپیہ نقد پانچ فی صدی کی شرح پر ایسٹ انڈیا کمپنی کے حوالے کر دیا۔ اور یہ شرائط مقرر کئے کہ اس کے منافع کی آمدنی مسلمانان بنگال پر خرچ کی جائے۔ اور مسلمانوں میں انگریزی تعلیم کو رواج دینے کے لئے وظائف دئے جائیں۔ چنانچہ آج بھی تقریباً سو سو سال کے بعد مدرسۂ عالیہ کلکتہ جیسے مدارس اسی محسن فقہ سے فیض حاصل کرتے ہیں۔ بنگال کے بعض مایۂ ناز سپوت جسٹس امیر علی مرحوم اور سر عبدالرحیم بالقابہ وغیرہ بھی اپنی طالب علمی کے زمانے میں اسی فقہ کے مرہون مدف رہے ہیں۔ حاجی صاحب کے اِس کارنامے کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے۔

(رسالۂ سفینۂ مدراس)

ان کے ہاتھ کا لٹھا ہوا قرآن شریف ایک ہزار روپے کو ہدیہ ہوتا ہے۔ اور ان کی بلائی ہوئی لیس ایک اشرفی میں بکتی ہے۔ توڑے دار بلدوق تو کچھ اس طرح ڈھالتے ہیں کہ بارود اور آگ کے بغیر اس کی گولی کواز کو توڑ ڈالتی ہے۔ یہ بزرگ ہر روز دن میں تین دفعہ ضیافت کا کھانا بھجواتے تھے۔ قسم قسم کے کھانے رنگوں اور مزوں میں مختلف، خود انہیں نے ایجاد کئے ہیں۔ خصوصاً چند ایسے بے نظیر کھانوں اور سالنوں کے موجد ہیں، جو لذت میں واقعی بے نظیر ہیں۔ اسم بامسے یعنی سارے زمانے کے متحسن ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ فقیروں کے لباس میں بادشاہ وقت ہیں۔ ان کی صحبت سے دین و دنیا دونوں جہاں کے فائدے حاصل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان کو سلامت رکھے۔ بڑی بڑی تعمیروں کے مالک ہیں۔ ان کا امام بارگاہ بالکل نئی طرز کا اور بیحد دل پسند ہے۔ صاحب موصوف نے تنسوقات کے نام سے جو سنت نبوی ہے، کئی سو روپیہ نقد، بہت سے چاندی کے برتن، اور چند تھان پوشاک کے، پنڈوا کے نہایت عمدہ کاغذ کے چند دستے، بہت سے واسطی قلم وغیرہ ہمارے حضور میں بھجوائے۔ سارے بندر ہو گئی میں انسانی اخلاق کے لحاظ سے ہم نے صرف انہیں کو کامل پایا اور بس۔ اگرچہ یہاں مسلمان بہ کثرت ہیں۔ مہرے اشعار دیکھ کر بہت پسند کئے۔ اور نہایت درد مندانہ طریق سے ذیل کی رباعی پڑھی جو قہس مجلوں کی تصنیف ہے:

الجسم بدار حکم مطروح - والقلب لسيف هجر کم مذبح
العین بشدة البکاء مجروح - یا قوم! علی الغریب نوحا نوحا

رباعی پڑھتے ہی حاجی صاحب کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ میں نے پوچھا کہ حاجی صاحب! کیا آنجناب کو بھی عالم شباب میں کبھی کسی کی صحبت میں گرفتار ہونا پڑا ہے؟ ہنس کر فرمایا: بلدے کی ساری جوانی تحصیل علوم و فنون کے اشغال میں اس طرح گزری کہ کھانا کھانے اور پانی پہلے تک کی مہلت نہ ملتی تھی۔ عشق تو فراغت اور بیکاری چاہتا ہے۔ چنانچہ کسی

* پتھ اول و ضم سین مہملہ۔ صحائبات و اشیاء نادرہ۔ جمع تنسوق (لفظ ترکی) بمعنی نادر (پروان)۔
۲. مرعب تسع ایک نفیس کپڑا۔ تن زیب' مجازاً تصفہ چیز' نفیس چیز۔ (رشیدی)
۳. جمع تنسوق جو مفرد اور مرعب ہے تسخ کا۔ اور مفرس تن سکھ کا۔ ایک نفیس کپڑا
ساختمہ پنگالہ مجازاً نفیس و تصفہ چیز۔ فیات اللغات بھوانہ سراج اللغات۔

کا قول ہے: ”العشق لا يعرض الالم فراغ“ اس موقع پر ذیل کا سانحہ دل میں گزرا، حوالہ قلم ہے:

سانحہ: اطفری! جو لوگ آداب داں ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ جب کوئی مہمان کسی کے گھر میں اُترتا ہے تو اُسے چاہئے کہ میزبان سے کوئی فرمائش نہ کرے۔ صاحب خانہ جو کچھ سامنے لاکر دسترخوان پر رکھ دے، اُسی پر نظر رکھے۔ اسی لئے تارکان دنیا جب گوشہ نشینی اختیار کرتے ہیں تو اپنے کو مہمان اور خدا کو میزبان سمجھتے ہیں۔ بغیر طلب کے جو کچھ وہ پہنچاتا ہے، اُسی کو اپنا حصہ جانتے ہیں۔ جستجو اور سوال کو حرام تصور کرتے ہیں۔
قطعہ:

اطفری ہاں بہ میزبان ہرگز - نہ کشائی لب ارادت خویش
قسمت خویشتن ہوں پندار - بے طلب ہرچہ آوردت پیش
پانچ چہ روز تک زکام اور سخت بخار کی وجہ سے میری طبیعت بہت زیادہ ناساز رہی۔ محض موصوف کی تدبیر سے شافی حقیقی نے شفا عنایت فرمائی۔ اس جگہ تین مقام ہوئے۔ آخر ربیع الثانی سنہ صدر کی آٹھویں تاریخ کو ہنتے کے دن ہم کلکتے روانہ ہو گئے۔

تصبہ چیچڑا اور نواب آصف الدولہ بہادر کی خبر موت کا بیان

ہوگلی بندر سے آدھہ کوس کے فاصلے پر چیچڑا نامی ایک گانوں ہے۔ اس میں بہت سی اعلیٰ درجے کی پختہ، رنگین اور خوش نما عمارتیں بنی ہوئی ہیں۔ ہم نے طبیعت کے کسل کی وجہ سے عمدۃ التجار حاجی کربلائی کے گھر میں اتر کر تین روز مقام کیا۔ صاحب موصوف پر تکلف پکی ہوئی مہمانی بھیجتے رہے، اور خود حضور میں حاضر ہو کر رسم نذرانہ ادا کی۔ اُن کی زبانی معلوم ہوا کہ ماہ ربیع الاول سنہ ۱۲۱۲ھ کی آٹھویں تاریخ کو وزیر الممالک نواب آصف الدولہ بہادر والی لکھنؤ نے استسقا کی بیماری میں طبعی موت سے انتقال کیا۔ اس خبر سے دل کو بہت ملال ہوا۔ عجیب لآبالی طبیعت کے رئیس تھے۔ ایک لحظہ بھی کھیل کود کے اشغال سے جدا نہ ہوتے تھے۔ امور مملکت اور اپنے پرائیوں سے کچھ واسطہ ہی نہ تھا۔ مدح اور مذمت دونوں کے لحاظ سے عقل مند لوگ انہیں لائے نفی کی حیثیت دیتے ہیں۔ افسوس کہ وہ بھی نہ رہے۔

شہر کلکتہ اور اسکے حالات

اسی سال ربیع الثانی کی چودہ تاریخ کو ہم کلکتے میں داخل ہوئے۔ دیکھا کہ آبادی کے لحاظ سے بہت بڑا اور عجب غدار شہر ہے، عمارتیں بے شمار ہیں۔ آبادی انتہا درجے کو پہنچی ہوئی ہے۔ صاحبان عالی شان انگریز بہادر کی عمارتیں مرقع کے مانند نظر آتی ہیں۔ دیکھنے سے دل کی مسرت بڑھتی ہے۔ سبحان اللہ! ”توتی الملک من تشاء وتلزع الملک من تشاء، رب اغفر لنا ذنوبنا واعطنا رجاونا انت التواب، انت الوهاب الیک المرجع والیک المآب“ * راستوں میں پانی کی طغیانی کی وجہ سے بائیس مقام کرنا پڑے۔ اس شہر میں سردی بہت کم ہوتی ہے۔ موسم باراں کے وسط سے موسم سرما کے آخر تک ہوا معتدل رہتی ہے۔ یہ ہوا گرمیوں میں غریبوں کو بہت جسمانی نقصان پہنچاتی ہے۔ یہاں جو ہمارے خانہ زاد ہندوستانی آباد تھے، انہوں نے نذرانوں کی رسم ادا کی۔ جمادی الاولی سنہ صدر کی ساتویں کو اتوار کے دن ہم نے کتک کی طرف کوچ فرمایا۔ اور مسبب حقیقی پر نظر رکھی۔ ”ان اللہ علی کل شئی قدير، وبالاجابة جدیر“۔

قصبہ میدنی پور اور اسکے راستوں کا ذکر، بلدہ کتک میں ہمارا ورود

راستے میں ہر پرگنے اور ہر قریے کے تحصیل داروں اور تھانہ داروں کی جانب سے مہمانی اور نذرانوں کی جملہ رسمیں عمل میں آتی رہیں۔ ہر منزل پر ڈاک اور رہبر کو ساتھ کرتے رہے۔ اٹناے راہ میں ایک چھوٹا سا خوب صورت شہر میدنی پور دیکھنے میں آیا۔ یہاں کا دودہ مزے میں بے نظیر ہے۔ اور یہیں سے صوبہ اڑیساکے عمل داری شروع ہوتی ہے۔ بلکالے کا علاقہ ختم ہوا۔ ہم نے دماغ کی تازگی اور دل کی تفریح کے لئے ایک رات بلکالے کی طوائفوں کا گانا سنا، اور ناچ دیکھا، اچھا گاتی ہیں۔ جس روز جلوپووں کی عمل داری میں بمقام برکھونگہ داخل ہوئے، غلطی سے وہاں کے چوکیداروں نے ہمیں

* ترجمہ: پاک ہے اللہ! تو جسے چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔ اے رب ہمارے گناہوں کو بخشے اور ہمارے امیدیں پوری کر تو توبہ قبول کرنے والا ہے۔ تو بڑا دینے والا ہے۔ تیری ہی طرف رجوع ہونا اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔

سوداگر خیال کیا اور محصول کے لئے سد راہ ہوے۔ ہم نے بہت کچھ سمجھایا اور پوری طور پر سرزنش کی، تب واقف ہوے اور عذرخواہ ہو کر ہمیں چھوڑ دیا۔ خیریت گزری، ورنہ قصہ بہت بڑا گیا تھا۔ ہتھیاروں تک نوبت پہنچ گئی تھی۔ اس واردات کے سلسلے میں ایک اور سانحہ لکھنے میں آیا۔

سانحہ: اظفری! جن لوگوں کی طبیعت میں قدرتی بہادری ودیعت کی گئی ہے، وہ حصول اور امتحان کے محتاج نہیں۔ تم نہیں دیکھتے کہ مچھلی کے بچوں کو تیرنا کس نے سکھایا۔ پتلا کس کے زور پر بے باکانہ جل مرتا ہے۔ کوئی اگر یہ کہے کہ جو لوگ سپہ گری کے فنون سے واقف نہیں، وہ مقابلہ کیونکر کر سکتے ہیں؟ یہ بات ہم مانتے ہیں، تاہم دو حال سے خالی نہیں، یا تو دشمن کے ہاتھ سے مارے جائیں گے۔ یہ بھی عین شجاعت ہے، یا قصداً اپنے آپکو نذر اجل کر دیں گے۔ خدا خوب جانتا ہے کہ اُس ازلی عقل بخشنے والے نے جس روز ہمیں عقل کا ذائقہ چکھایا۔ اُسی روز سے ہمارے ہوش کے کانوں میں یہ صدا پہنچتا رہا ہے کہ قتل و قتال بہادروں کا شہوہ ہے۔ اور بزدلی مردوں کے لئے انتہائی نقصان و ذلت۔ اسی پر نظر کرتے ہوئے جب ہمیں سلاطینی قید میں جانبازی کے چند ہنگامے پیش آئے تو ہم نے جرأت سے کام لیا۔ کسی آفت و مصیبت سے جان نہ چرائی۔ پھر قلعے سے نکلنے کے بعد بھی کئی ہولناک خطروں کا سامنا ہوا۔ مگر ہم میدان جرأت میں آگے ہی بڑھتے رہے۔ گوشہ عافیت میں پناہ نہ لی۔ سمجھ لیا کہ مارنا اور مارا جانا ہمارے لئے شایاں اور موت سے ڈرنا سخت بیجا ہے۔ قطعہ:

اظفری عادت رجال این است - کشتن و خویس کشتہ گردیدن
آنکہ در کنج عافیت بخزید - ہم چو نسواں توانس فهمیدن

یہ گھات بہت سخت اور راستہ بہت تنگ تھا۔ صرف ایک آدمی چل سکتا تھا۔ دونوں طرف بے شمار کانٹوں دار جنگل واقع ہیں۔ چلنے والے کے ہاتھ اور منہ کو کھرونچے لگتے ہیں۔ اس راستے میں پانی اور کیچڑ کی کثرت سے بھی بہت مصائب جھیلنا پڑے، لیکن اس حافظ حقیقی کی حمایت سے پورے ایک مہینے میں، جنسادی الثانی سنہ صدر کی ساتویں تاریخ کو پھر کے دن ہم شہر کلک میں پہنچ گئے۔ قدم شریف کی درگاہ میں اترے، زیارت کی سعادت حاصل کی۔ کلک کے قریب حاجی پور ایک قصبہ ہے، وہاں ہمارا ایک مددہ کسبت گھوڑا تلف ہو گیا۔

بلدۃ کلک کا ذکر

یہاں آج کل عاملوں کا عزل و نصب جاری ہے۔ ہر ایک بجائے خود پریشان و متفکر ہے۔ معزول صوبہ دار کے دیوان کے بیٹے دمودر راے نے نذر اور خام ضیافت کی رسم پر تکلف طریقے پر ادا کی۔ زر نقد اور پروانہ راہداری حسب معمول تیار کرا کے اور ناگپور کے مہاراجہ کی مہر لگا کر ہمارے حضور میں بھجوا دیا۔ اس راجہ کا منشی کیبول رام کئی طرح کے خط لکھتا ہے۔ اس کے بزرگ ہمارے خانہ زادوں میں تھے، یہ ہماری خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے لکھے ہوئے قطعات اور وصلیاں ملاحظہ میں پیش کیں، بیحد پسند آئیں۔ اُسے سحر رقم اور راے کے خطاب سے ممتاز فرمایا۔ دوسرے فدویوں نے بھی حاضر ہو کر شرف ملاقات حاصل کیا۔ ان میں شیخ کمال مصد خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ اپنے فرزند فتح محمد کے ساتھ شرف ملازمت کے لئے حاضر ہوئے۔ یہ والی ناگپور کی طرف سے چلکا ندی کے گھات، قصبہ مانک پٹن اور مالود کے مالک ہیں۔ نقد نذرانہ اور ضیافت کا سامان پیش کیا۔ بہت نیک اور بھروسے کے قابل آدمی معلوم ہوئے۔ میں نے انہیں خانی اور بہادری کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔

شہر کی ہوا اور پانی بہت عمدہ ہے۔ اعتدال کے ساتھ بھوک لگتی ہے۔ آبادی مائل بہ ویرانی ہے۔ یہاں کوئی عمدہ چیز میسر نہیں آتی نہ لطیف غذا ہے، نہ اچھی پوشاک، میوہ کمیاب ہے۔ آم کے سوا کچھ پیدا ہی نہیں ہوتا۔ ساری چیزیں خراب ملتی ہیں، ان میں دھول اور کنکر ملے ہوتے ہیں۔ اس شہر میں یہ تمام خرابیاں مرہقوں کی بد عملی اور بدنظمی کی وجہ سے ہیں۔ سچہ میں نہیں آتا کہ ان دکھلیوں کی مملکت میں آبادی کیونکر باقی رہے گی۔ ہم نے تو اپنی زندگی میں یہی دیکھا کہ جب ہمارے ملک پر دکھلیوں کا عمل ہوا تو کوئی ایسی خرابی نہ تھی جو ملک میں نہ آئی ہو۔ فرض ہندوستان کی یہ ساری تباہی دکھلیوں کے آنے کا نتیجہ ہے۔ ”اللہم احفظنا من نحوسة مقدمہم“، تاہم اناج، چاول، ماش، کلٹی، گھوڑوں وغیرہ کے کھانے کا دانہ بہت ارزاں ہے۔ مونگ اور گہوں بہت کم ہیں۔ یہاں مچھروں اسقدر کثرت سے ہیں کہ لوگوں پر آرام اور نیند حرام کر دی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہر سات اور گرمی کے موسم میں ان مچھروں کی نہیں زنی سے شہروالوں

کوروات بھر ذرا بھی نیند نہیں آتی۔ دن میں ذرا سونے کا موقعہ مل جاتا ہے۔ اس شہر میں سردی کا موسم بھی بہت کم رہتا ہے۔ لوگوں کی زبان بھی سمجھنے میں بہت کم آتی ہے۔ ع
 ”نیستند آدم، خلاف آدم اند“

ہمارے بار برداری کے جانوروں کی پڈتھیں زخمی ہوگئی تھیں، اس لئے اتھارہ روز تک قیام کرنا پڑا۔ شہر سے کئی سو کوس تک کیوڑے کے جنگل ہی جنگل ہیں۔ خاصکر شہر مالود سے لیکر گنجام تک بڑی افراط سے نظر آئے۔ کیوڑوں کے پتوں ہی سے گھاس پھوس کے چھپڑوں کی طرح مکانات بنائے جاتے ہیں۔ انہیں کے تلوں اور شاخوں سے ستون بناتے اور ایندھن کا کام بھی لیتے ہیں۔ کال کے زمانے میں لوگ اس کا پھل بھی کھا جاتے ہیں۔ بہتوں کا کام تمام کر دیتا ہے۔ پکنے کے وقت یہ پھل بہت سرخ اور خوش نما ہوتا ہے، انڈناس سے بہتر دکھائی دیتا ہے، اور اس کے پھول کو تو کوئی پوچھتا ہی نہیں۔ نہ تو اسکا عرق نکالتے اور نہ سونگھنے کے کام میں لاتے۔ ویجانگر تک ہم نے کیوڑے کے درخت بہت دیکھے، اس کے بعد سے کم نظر آنے لگے۔ عظیم آباد سے لیکر اب تک چھپکلیوں کی آواز ذرا بھی کہیں سننے میں نہیں آئی تھی۔ مگر مرشد آباد سے لیکر پداپور تک اسکی آواز چالیس قدم دور سے سنائی دیتی ہے۔ اب مچھلی بندر میں بھی سنائی دی۔ عظیم آباد سے بلدہ کٹک تک ہر منزل پر ہر پیشے کے چند ملازم برابر بھاگتے رہے۔ پیشگی تنخواہیں دیدی گئی تھیں، پھر بھی فرار ہو جاتے، بلکہ کچھ نہ کچھ چرا کر بھی لے بھاگتے تھے۔ یہاں پہنچکر اُن چند لوگوں کے سوا جو پشتوں سے ہمارے خانہ زاد تھے، پرانے ملازموں میں سے کوئی بھی ہمراہ نہ رہا۔

”جزاہم اللہ خیر الجزا“

پوری جگناتھ کا بیان

اس کے بعد بار برداری کی تہاری کر کے اسی مہیلے کی پچیسویں کو ہم ہندووں کی مشہور عبادت گاہ پوری جگناتھ کی طرف روانہ ہوئے۔ جگناتھ کے قریب احمد پور نامی مقام میں ایک خاصے کے بڑے سبزہ گھوڑے کو چوت لگی، آخر اُسے وہیں چھوڑنا پڑا۔ کہونکہ اس کا پہلو بالکل بیکار ہو گیا تھا۔ پھر اسی مہیلے کی انیسویں تاریخ کو ہم جگناتھ کے گہات کی چوکی ’اتھارہ نالہ، پر پہنچے‘

جہاں ہندوؤں کا تھا کر دوادہ اور بڑی زیارت گاہ ہے۔ یہاں ہم نے عجیب تاشا دیکھا کہ ہزارہا ہندو طول طویل مسافت طے کر کے، اپنے خان و ماں سے تباہ و برباد ہو کر فقیرانہ حالت و صورت میں نلکے، بھوکے جگناتھ کی زیارت کو آتے ہیں۔ جب اُس کی چوکی پر پہنچتے ہیں تو دربان بے دھوک بید وغیرہ سے مار مار کر اُنہیں بالکل مجروح کر دالتے ہیں۔ جو کچھ لباس اور زاد راہ اُن کے پاس ہوتا ہے، سب چھین لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ سر پر پگڑی، پانوں میں جوتھیاں اور کمر میں ایک دن کا خرچ تک نہیں چھوڑتے۔ بلکہ اُس سے بھی زیادہ مانگتے ہیں۔ جو نہیں دیتے، اُنہیں جیل خانے میں ڈال دیتے ہیں، جو اُسی چوکی میں ایک طرف بنا ہوا ہے۔ اُنہیں کھانے، پینے، اور ڈھلے کو کچھ نہیں دیتے۔ روزانہ تیسرے پہر کو لاتھوں سے پیٹتے ہیں کہ اور مال بناؤ۔ پانچ چھ روز میں کسی نے کچھ اور دیدیا یا وعدہ کیا تو چھوڑتے ہیں۔ مرجاتا ہے تو دریا میں ڈال دیتے ہیں، اور زندہ بچ جاتا ہے تو چند روز کی قید کے بعد اُسے زیارت کی اجازت ملتی ہے۔ اعتقاد کا یہ عالم ہے کہ ان تمام مصائب پر بھی یہاں کی حاضری کا سودا دماغ میں پکاتے رہتے اور اپنے آپ کو یہاں پہنچاتے ہیں۔ اِس وقت تقریباً بیس ہندو ہمارے ملازم تھے۔ وہ سب کے سب اور ہم خدا کے فضل و کرم سے ہندوؤں کے اِس گھات سے گزر کر پوری جگناتھ کے اندر داخل ہو گئے۔ دربانوں نے کچھ روک ٹوک کی، لیکن ہم نہ مانے۔ اِن میں سے کسی کی کچھ نہ چلی۔ ملازمان حضور کی خاطر یہاں ہم نے دو مقام کئے۔ ہماری سرکار کے ہندوؤں نے روپیہ خرچ کئے بغیر جگناتھ جی کی خاطر خواہ سیر اور اپنی مراد میں پوری کہیں۔ عجیب تر بات یہ ہے کہ ہندو، مسلمان ملکر ایک رکابی میں کھانا کھاتے ہیں اور ہندو کچھ پروا نہیں کرتے۔ خود میں نے اپنے کھانے میں سے کچھ بچا کچھا ایک ہندو کو کھلایا۔ وہ بغیر کراہت کے کھا گیا۔ پھر میلے اپنے ایک مسلمان ملازم کے ساتھ ایک ہندو کو ایک ہی رکابی میں کھلایا۔ اور اپنی آنکھوں سے دیکھتا رہا، ہندو نے کچھ بھی تکلف نہ کیا۔

پوری جگناتھ دریائے شور کے کنارے پر واقع ہے۔ ہم نے اِس کی موجوں کی سیر کی۔ اِس دریائے مصیبت کے تلاطم کا یہ عالم دیکھا کہ جب مہری سواری کا گھوڑا ساحل کے قریب پہنچا، اور اُس کا پانی نظر آیا تو اُس کے تھوڑوں کو دیکھ کر اور اُن کی ڈراؤنی آوازیں سن کر بھاگ کھڑا ہوا۔ شور اِس

بلا کا ہے کہ سنلے والوں کے کان بہرے ہوئے جاتے ہیں۔ اسی وقت برجستہ ایک شعر ذہن میں آیا۔ شعر:

قلزم کہ تاب زلف ترا ی یاد می کند
پیچند بکفویش و نالہ و فریاد می کند

اس کے بعد ماہ رجب المرجب سنہ صدر کی تیسری تاریخ کو ہم مانگ پتلی پہنچے، یہ کمال محصد خان بہادر کا علاقہ ہے۔ ان کا نائب مصطفیٰ خان چلکا ندی کے گہات پر موجود تھا، اسنے حاضر خدمت ہو کر ہمیں ایک عمدہ باغ کے خوش نما بنگلے میں اُتارا۔ دو روز تک مہمانداری کی۔ اسی مہینے کی پانچویں کو خان موصوف خود ہمارے ہم رکاب گہات پر آئے۔ انہوں نے باربرداری کے سارے جانوروں کو بخیر و عافیت دریا پار کرا دیا۔ ان ریگستانی صحراؤں میں عجیب وحشت نظر آتی تھی۔ ایک طرف تو دریائے شور کا زور و شور تھا، دوسری جانب دریائے چلکا کی موجوں کا ہلکا مہ۔ یہ بھی بہت بڑی ندی ہے۔ سمندر ہی سے نکلی ہے۔ اس کا پانی تیز و نمکین ہے۔ بعض جگہ اس کا پات چودہ کوس کا ہو گیا ہے۔ اس وسیع صحرا میں بے شمار ہرن چوکڑیاں بھرتے بھرتے ہیں۔ کنارے پر اکثر دیو، جنات دھتے ہیں۔ کبھی کبھار رات کو دستے میں لوگوں پر حملہ کرتے اور مار ڈالتے ہیں، مگر آگ اور تلوار سے ڈرتے ہیں۔ غرض کئی منزلیں اسی طور سے طے ہوئیں۔ دریائے چلکا اور سمندر کے درمیان ایک دو تیر پرتاب سے زیادہ فاصلہ نہ تھا۔ کبھی تو سمندر کا تلاطم ان آبادیوں کو بہالے جاتا ہے اور کبھی چلکا کی موجوں اپنے بے پناہ سلاب سے انہیں خراب کر دیتی ہیں۔ لیکن پھر آباد ہو جاتا ہے۔ ”فبارک اللہ احسن الضالقیں“۔ اسی وقت حسب حال یہ اردو شعر دل میں آیا:

دھارے ہے سمندر اک طرف، اک طرف چلکا ہے
جو اس دو پات میں ثابت چلے مضبوط دل کا ہے

اسی مہینے کی پانچویں کو ہم چاہ شہر میں پر اترے۔ دونوں دریاؤں کے درمیان میں یہ ایک منزل کا نام اور شیخ موصوف کا علاقہ ہے۔ یہاں بھی ضحافت پھس کھی کی گئی۔ لیکن گھاس بالکل میسر نہ آئی۔ اس روز ہمارے سرکار کے چوپایوں بلکہ خود ہمارے گھوڑے تک کو بڑ و فہرہ کے درختوں کے سوکھے پتے کھانا پڑے۔ چھٹی تاریخ کو مالود نامی مقام پر پہنچے، جہاں

شیخ صاحب کا گھر ہے۔ ان کے بیٹے واعظ مصد حاضر ہوے اور ہمیں ایک عمدہ مکان میں اتارا۔ نقد نذرانہ پیش کیا، اسکے علاوہ دو روز تک ضیافت بھیجوائی، پھر دوبارہ حاضر ہوے۔ میں نے انہیں نوجوان صالح پایا، اور خانی کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔

بلدۂ گنجام کا ذکر

اس کے بعد دو کوچ میں اسی ماہ رجب کی نویں تاریخ کو ہم گنجام میں داخل ہوئے، اور ایک ہندو کے دھرم سالے میں اترے۔ کم وبیش پانی کی وہی آفت دیکھنے میں آئی کہ زمین پر جا بجا کھڑا ہوا تھا۔ گنجام ایک چھوٹا سا بے رونق شہر ہے، مگر سونے چاندی سے معمور۔ سیاحہ فام لوگوں سے بھرا ہوا ہے۔ یہاں کی زبان کچھ اور ہے، ذرا بھی سمجھنے میں نہیں آتی۔ اسی شہر سے تلنگانہ دیس شروع ہو جاتا ہے۔ حاکم وقت کی جانب سے جو ناظم یہاں مقرر ہے، اُسے معمول کے موافق راہداری کا پروانہ لکھ کر دیا۔ دو روز ہمارا قیام رہا، پھر اسی مہینے کی بارہویں کو ہم سہکا کول روانہ ہو گئے۔ روانگی کے دن ہی میڑے حال زار پر دو ناگہانی مصیبتیں پڑیں۔ مگر حافظ حقیقی نے رفع کر دیں۔ ایک تو یہ کہ اسی دن رستے میں اچانک بھیجش کے مانند پیٹ میں بڑا سخت درد محسوس ہوا۔ ہر چند برداشت کرنا چاہا، لیکن نہ کرسکا۔ آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ بیتاب ہو کر زمین کے ایک پلڑے پر سر رکھ دیا۔ تکلیف کی شدت سے جب غشی تک نوبت پہنچی تو خادموں کو آواز دی کہ جلدی مجھے گھوڑے سے اتار لو۔ انہوں نے اتار لیا۔ چلد لہکے اسی حالت میں گزرے، اس کے بعد ایک بلغم آمیز دست ہوا، درد میں بھی کچھ کسی ہوئی، پھر میں سوار ہو کر روانہ ہو گیا۔ دوسرا حادثہ یہ پیش آیا کہ ہم چند تہر پرتاب آگے بڑھے تھے کہ دیکھا دریاے شور کے کنارے پر، سارے ریگستان میں دریا کے مانند کٹی کوس تک پانی تھہرا ہوا ہے۔ ناچار ہم اسی میں روانہ ہوئے، یہاں تک کہ یہ پانی طے ہو گیا۔ مگر اس کے کنارے پر کسی قدر نیم خشک کھجڑ نظر آئی۔ ہم نے سمجھا کہ زمین شاید خشک ہو گئی۔ غلطی سے اور اسی طرف بڑھے، اور اٹھ گھوڑے کو اس دلدل میں ڈال دیا۔ سواری کے آگے چلد خدام پیدل چل رہے تھے۔ وہ بھیچارے سینے تک دلدل میں دھنس گئے۔ میں اس پانی کھجڑ کو اسی پانی کھجڑ اور برساتی نالوں کی طرح سمجھا، جو

پہلے گزر چکے تھے، کچھہ خاطر میں نہ لایا، اور بے دھوک گھوڑے کو ڈال دیا۔ گھوڑے کا اس کھلی ریت کی دلدل میں پہنچنا تھا کہ کمر تک دھنس گیا، نہ آگے بڑھنے کی مجال تھی نہ پیچھے ہٹنے کی۔ مگر خدا کے فضل سے میں اسی طرح گھوڑے کی پیٹھ پر ڈتا رہا۔ گھوڑا دم بہ دم اندر کو دھنستا جاتا تھا۔ میرے سارے ملازم یہ حالت دیکھ کر بدحواس ہو گئے، اور سوچنے لگے کہ کس طرح نکالنا چاہئے۔ مشکل یہ تھی کہ نزدیک آنے والا بھی اندر دھنستا تھا۔ میں نے کہا کئی آدمی ایک دوسرے کا ہاتھ مضبوط پکڑ لیں اور اسی طرح محفوظ کنارے تک ایک سلسلہ بنا کر کھڑے ہو جائیں۔ پھر ہر ایک شخص دوسرے کا ہاتھ کنارے کی طرف کھینچے۔ اس تدبیر سے ہم سب باہر نکل آئیں گے۔ اسکے بعد میں دو آدمیوں کے کندھوں پر بیٹھ گیا، اور سب نے وہی ترکیب کی۔ اس حکمت سے حق تعالیٰ نے ہمیں اس آفت سے نجات دی اور میرے گھوڑے کو کچھہ ایسی طاقت بخشی کہ ایک ہی جست میں وہ ساحل سلامتی پر پہنچ گیا۔ ”الحمد لله على كل حال“ اس روز ہم ملصور کوت میں اتر پڑے۔ غریب مستحقوں کو صدقہ دیا۔ صبح سویرے کیچڑ اور دلدل کی کثرت کے سبب دریائے شور کے کنارے کا راستہ چھوڑ کر بمقام برہم پورہ پہنچ گئے۔ دیکھا کہ بڑا رونق دار اور آباد قصبہ تھا۔ اس کے بعد آٹھواں کوچ ہوا، مگر برہم پورے سے روانہ ہو کر ہم راستہ بھول گئے۔ پہاڑی تیلوں اور ٹیکریوں سے گزرتے ہوئے پالٹن نامی قریے میں پہنچے۔ دو ڈاک رہبر ہمارے ساتھ تھے۔ لیکن نہ ہم یہاں کی تلنگی زبان سمجھتے تھے، نہ وہ لوگ ہماری ہندی زبان۔ ضروری گفتگو اشاروں سے ہوا کرتی تھی۔ اس گانوں کے زمیندار بڑے منسہ تھے۔ یہ سمجھ کر کہ ہم لوگ سوداگر ہیں، ہمارے سرکاری ملازموں کے ساتھ بہت تکرار کی۔ راہداری کے پروانوں کو ہاتھ تک نہ لگاتے تھے۔ خوں ریزی تک نوبت پہنچنے کے قریب تھی۔ آخر ہمارے ملازموں کو دھسکی دی کہ اچھا ہم آج رات تم سے سمجھ لیں گے، ہوشیار رہنا۔ اس روز ذرا بھی ایک دوسرے کی زبان سمجھ میں نہ آتی تھی۔ سودا سلف، اور لہن دین سب اشاروں سے ہوتا رہا۔ مجھے یاد ہے کہ اس سفر میں میرے داہلے ہاتھ کی ایک انکلی میں ایک پھنسی ہو گئی تھی، جس میں شدید درد تھا، اُسکی تکلیف سے سخت بنگار بھی آگیا تھا۔ اپنی تمام ضرورتیں بائیں ہاتھ سے پوری کرتا تھا۔ ساری رات بیداری اور ہشیاری میں گزار کر بڑے ہمت و استقلال سے صبح کی۔

اب خہریت کے ساتھ آگے روانہ ہوئے۔ اس واردات میں یہ سانحہ دل میں
القا ہوا:

سانحہ: انسان عالم ناسوت میں سخت غافل ہے۔ اسے یہ بھی خبر نہیں
کہ اُسکی دوسری سانس میں کیا ہونے والا ہے، اور اسکے پیچھے کون لگا ہوا ہے۔
کسی شدت کی مجبوری اور مصیبت میں زیادہ اندیشہ و اضطراب پیش آجائے
تو ہمت میں ہرگز کمی نہ آنا چاہئے، بلکہ اپنے مقصد کو مد نظر رکھے، اور آگے
ہی قدم بڑھاتا رہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

”قدم عشق پیشتر بہتر“

لیکن اگر کوئی مصیبت پیش ہی آجائے تو اپنا پانوں پیچھے نہ ہٹائے،
ورنہ لوگ اسے بذدلی جانتے اور بہادر لوگ ایسے شخص کو ہیجڑا کہتے
ہیں۔ قطعہ:

اظہری! سخت غافل انسان است - مضطرب شد چو دید شدت را
عیب نبود چہن ز غفلت، لہک - در نبارد حواس و ہمت را

اس کے بعد دو کوچ اور کر کے ہم اسی مہینے کی تیئیسویں تاریخ کو جمعے کے
دن سیکا کول میں داخل ہو گئے۔ دیکھا کہ یہ قصبہ بھی بڑا بارونق تھا،
ہر چیز میسر آتی تھی۔ اتفاق سے اسی دن ہندوؤں کی ایک عید تھی۔
بہلوں کو جھولوں اور پھولوں سے آراستہ کرتے ہیں، اُن کی گردنوں پر جوے دکھکر
ہل کے مانند بناتے ہیں، پھر اُس پر ایک شخص کو سوار کرتے اور بہلوں کو زور
سے بھگاتے ہیں۔ یہ شخص اس ہل جیسی لکڑی پر کھڑا رہتا ہے اور گرتا نہیں تو
خوب ہنستے خوش ہوتے ہیں۔ ساری بستی کے مرد اور عورتیں زیور اور عمدہ
عمدہ کھڑے پہن کر اس میلے میں تماشا دیکھنے حاضر ہوتے ہیں۔ شام کے
وقت ایک خوب صورت بھیل پر مٹی وغیرہ سے نقش و نگار بناتے ہیں۔ اُسے عمدہ
چھول اور پھولوں سے سلواتے ہیں اور رتھ کے مانند بانس وغیرہ کی ایک گاڑی
بنا کر بھیل کو اس پر سوار کرتے ہیں، اور اس کے سر پر طاؤسی مورچھل جھلکتے
دھتے ہیں۔ کھار لوگ اس گاڑی کو کندھوں پر اُٹھا لیتے ہیں۔ روشنی کے لئے
بہت سی مشعلیں ساتھ ہوتی ہیں۔ سواری بڑی شان اور تعظیم کے ساتھ آہستہ
آہستہ روانہ ہوتی ہے۔ بستی کے سارے بازاروں میں اُدھر سے اُدھر، اُدھر
سے اُدھر لگے پھرتے ہیں۔ تماشاخیوں کا بڑا انبوا ساتھ ساتھ پیدل چلتا ہے۔

ہم نے قصبے میں اپنی سواری کے داخل ہوتے ہی یہ تماشا دیکھا، اور تین روز یہاں رہنے کا اتفاق ہوا۔ ایک انگریز بہادر رئیس نے خود بخود ایک سبزہ گھوڑا نذر کی طور پر بھیجا، جسے ہم نے خوشی سے قبول کر لیا۔ حاکم وقت نے بھی حسب معمول راہداری کے خطوط دیے اور ڈاک رہبر ساتھ کر دیا۔ میرا ایک عمدہ چھکڑا معہ بیلوں کے بیکار ہو گیا تھا، وہ میں نے یہاں کے ایک فقیر کو خیرات کر دیا۔ اسی مہینے کی ۲۶ تاریخ کو ہم روانہ ہوئے۔ اور ۲۸ تاریخ کو ایجانگر میں پہنچ گئے۔

ایجانگر کا بیان

ایجانگر میں پہنچتے ہی ”کونیری تالاب“ کے کنارے پر خیمے لگا دیے گئے۔ ہم نے یہ عجیب تماشا دیکھا کہ اس تالاب کا پانی خون کی طرح بالکل لال ہے۔ اگرچہ صوبہ آریسا سے لیکر یہاں تک ہر جگہ کی خاک دھول، گل ارملی یعنی گہروہ جو خون کی طرح سرخ نظر آتی ہے۔ گہروں پر بھی خوش نائی کے لٹے اسی لال مٹی سے کہہ گل کرتے ہیں۔ مگر پانی ہر جگہ کا سفید تھا، نہ معلوم یہ پانی کس وجہ سے سرخ ہے۔ مزہ تو میٹھا ہی ہے۔ آدمی اور جانور سب پیٹتے ہیں، کچھ نقصان نہیں کرتا۔ ہم نے یہاں کے لوگوں کا گانا بھی سنا، گویوں اور قدیم کلاونت کی طرز پر اچھا گاتے ہیں۔ اچھروٹی اور طلبورہ بھی اچھا بجاتے ہیں۔ اس شہر کا والی دام راج زندہ ہوتا تو یقیناً وہ ہمیں آگے نہ بڑھنے دیتا۔ کیونکہ لکھنؤ سے ظفر الدولہ مبارزالملک، ابراہیم خان دھونسا مرحوم کے منجھلے بیٹے مستشم جنگ کی معرفت ہمارے شقے یہاں آچکے تھے۔ راجہ ہماری طلب میں عرضی اور راہ خرچ بھجولے ہی والا تھا کہ بیچارہ مارا گیا۔ بہت افسوس ہے! یہ راجہ ہندوستانیوں کا بڑا قدردان تھا، اور اس کا بھائی سیتا رام راج اس وقت مندر راج میں ہے۔ اتفاق سے ہمارا گذر اس وقت ہوا جبکہ راجہ کا نابالغ بیٹا اُسکی جگہ پر مسلد نشیں ہوا ہے، جسکی عمر دس گیارہ سال کی ہے۔ اس کا نام راجہ بابو نرائن راج بہادر ہے۔ یہ لڑکا بالکل ناسمجھ ہے۔ اپنی نانی پلکا رام اور دوسرے اہلکاروں کے ہاتھوں میں گویا گرفتار ہے۔ اپنی بے بسی اور مجبوری پر بھی ضحافت اور

زر نقد کی پیش کش سے ہماری خدمت بجالایا۔ اس شہر میں بارہ روز رھنے کا اتفاق ہوا، کیونکہ یہاں کا ناظم موجود نہ تھا۔ آخر اُس کے نائب نے حسب معمول راہداری کا پروانہ تیار کر کے بھیجا اور ہم ماہ شعبان المعظم کی بارہویں کو مچھلی بندر روانہ ہوئے۔ یہاں سے ہمیں اور ہماری سرکار کے ملازموں کو شدید خارش کی بیماری ہوگئی، جو بمشکل دفع ہوئی۔ اس علاقے کی آبادی بتدریج آجڑ رہی ہے۔ راج کی حالت خراب ہے۔

پداپور کا بیان

یہاں سے پہاڑوں کی طرف روانہ ہوئے، نو کوچوں کے بعد اسی مہیلے کی انتیسویں کو پداپور پہنچے۔ اُس کا والی راجہ تماراج بہادر تھا۔ یہ بھی ویجانگر کے راجہ کی طرح اس وقت مجبور اور بے بس تھا۔ پھر بھی مہمان نوازی کا حق ادا کیا۔ آدھی رات کے وقت اپنے ملازموں اور مصاحبوں متحد قاسم اور نذر علی بیگ کے ہمراہ زر نقد اور چند پیش کشیں ہمارے حضور میں بھیجیں۔ اپنی بیمقدوری کا عذر بھی پیش کیا۔ اور اُسی رات اپنے کسی ضروری معاملے کے انصاف کے لئے خود کہیں باہر چلا گیا۔ ویجانگر سے پداپور تک پہاڑوں کے باوجود راستہ بہت ہموار اور بے خطر تھا۔ یہاں کے فرسخ بھی زیادہ سخت نہیں معلوم ہوئے۔ البتہ گنجام تک بات چیت ذرا ذرا سمجھتے میں آتی تھی۔ مگر اس کے بعد یہاں کے لوگوں سے بات چیت کرنا، اُن کی سمجھنا اور اپنی کہنا مشکل ہوگیا۔ اِن سب کے لئے اشاروں پر نوبت پہنچ گئی تھی۔ ناچار ویجانگر کے ایک ”دو بھٹیے“ سے تلنگی زبان کے چند ضروری مفرد و مرکب کلمے لکھ کر میں نے یاد کر لئے۔ اپنے ضروریات اِدھر اُدھر کے راہ گھروں سے اِنہیں اشاروں کے ذریعے ادا کر لئے جاتے تھے۔ اِقلے راہ میں راجہ ریت کھا کا مکان تھا۔ اُس نے ضہافت بھجوائی۔ ویجانگر سے یہ حال ہمارے دیکھنے میں آیا کہ لوگ تاز کے پتوں سے گھاس کے چھروں کی طرح مکانات بناتے ہیں۔ تاز اور کھجوروں کے درخت عظیم آباد سے یہاں بہت زیادہ ہیں۔ اور اِن درختوں سے ایک خاص ترکیب سے دودہ یا عرق نکال کر پیچتے اور پیتے ہیں۔ یہ شراب کی طرح نشہ آور ہے۔ تین روز قیام کے بعد اسی مہیلے کی بانٹھویں کو جمعے کے دن ہم وہاں سے آگے روانہ ہوئے۔

گہن پندتی بھیساورم کا ذکر

پانچ کوچوں کے بعد ہم گہن پندتی بھیساورم میں داخل ہوئے۔ یہ بستی دو بڑے بڑے گانوں کا مجموعہ ہے، دونوں ایک دوسرے سے ملے ہوئے اور خوب آباد ہیں۔ ہم ایک عاشور خانے میں اترے۔ اتفاق سے اس روز ہندوؤں کا ایک میلہ تھا، جسے یہاں جاترا کہتے ہیں۔ یہ میلہ ہماری فرودگاہ کے سامنے ہی تھا۔ تلنگستان کے مردوں اور عورتوں کا رقص و سرود ملاحظہ فرمایا۔ ”کل جدید لڈیڈ“ کے مصداق بہت پسند آیا۔ کیونکہ یہ نازک ادائیں بتاتی ہیں۔ مگر سب کی سب ”پردہ آہنگ“ گاتی ہیں۔ اس پردے کے سر ان کے گلوں سے بہت اچھی طرح ادا ہوتے ہیں۔ جو دھپور میں راتھور مردوں اور عورتوں سے سوڑتھہ راگنی اور ملک تلنگانہ میں یہاں کی عورتوں سے پردہ آہنگ سننے میں آیا جو نہایت ہی دل آویز تھا۔

بندر مچھلی پتھن میں ہمارا داخلہ

ماہ شعبان المعظم سنہ صدر کی تیسویں تاریخ کو ہم اچانک رات کے وقت مچھلی بندر پتھن میں پہنچے۔ اور اس بندر کے نواب قطب الملک مبارک الدولہ حسن علی خاں بہادر مبارک جنگ کے باغ میں اچانک جا اترے۔ نواب مرصوف نے اطلاع پاتے ہی آدھی رات کو ماحضر ضیافت ہمارے حضور میں بھجوائی، چند روز کے بعد خود بھی حاضر ہوئے۔ ہم نے نواب صاحب کو بہت سادہ مزاج اور صاحب اخلاق پایا۔ کئی بار حاضر ہوئے اور بڑی منت و اصرار سے پورے رمضان المبارک تک ہمیں اپنے باغ ہی میں روک رکھا۔ بہترین افطاریاں بھجواتے رہے۔ حد درجہ ہماری دلداری کرتے اور رضا جوئی کے لئے ہر وقت حاضر رہتے تھے۔ رمضان کا پورا مہینہ نہایت آرام اور صوم و صلۃ کی پابندی سے یہیں گزارا۔ مگر طبیعت کی کسل مندی کے سبب چھ روزے اقطاع ہوئے۔ عیدالغفر کا دن اتفاق سے نو روز ہی کے دن واقع ہوا۔ نواب صاحب اپنے بھائیوں اور عزیزوں کے ہمراہ آداب و تسلیمات اور تہنیت بجالانے کے لئے حاضر ہوئے۔ ہم نے بلدھی ہوی پگڑی اور گوشوارہ عنایت کیا۔ اور جو دوپٹے ہمارے کاندھے پر تھا، وہ بھی دے دیا۔ آداب بجالائے، اور شام کے وقت ہمیں اپنے گھر لے گئے۔ پوری تمہاری کے ساتھ رسم ضیافت ادا کی۔

قسم قسم کے کھانے تھے اور رقص و سرود بھی، تین پہر رات تک اس بلندر کی تلنگستانی وغیرہ طائفوں کا ناچ گانا ہوتا رہا۔ یہاں کی رندیاں سب کی سب ہلدو ہیں، اور ناچتے وقت کُرتی نہیں پہنتیں، صرف پشواز پہنتی ہیں۔ یہ بہت بدنما معلوم ہوتا ہے، سونے اور موتیوں کا زیور بکثرت مگر موتا اور بھدا، نزاکت نام کو نہیں۔ صورت شکل بھی ایسی ہی بھونڈی اور بھدی ہے۔ عہد کے بعد ہمیں چند ضروری امور کے سبب یہاں کچھ روز اور ٹھہرنا پڑا۔ اس بلندر کے ناظم نے حسب معمول راہداری کا خط تیار کرا کے بھیجا۔ نواب صاحب پھر اپنے ”مسکری باغ“ میں لے گئے، اور دوبارہ اُسی طرح ضیافت کی، جیسے پہلے کی تھی۔ کئی کوس تک اپنے ہمراہ بگھی کی سواری پر دریائے شور کا تاشاد کھانے لے گئے۔ طبیعت میں کئی روز سے انقباض تھا، وہ سب دور ہوا۔ اور خوب فرصت حاصل ہوئی۔ روانگی کے وقت زر نقد پیسے کس اور انگریزی پالکی ہماری سواری کے لئے نذر کی۔ ”سلہ پلی“ کا مالک راجہ ناگپشور سردیس مکہ اور سرکار مصطفیٰ نگر وغیرہ نے حاضر ہو کر کچھ نقد اور ایک مغللی ہلدوستانی جھالردار پالکی نذر گزرائی۔ حالانکہ یہ لوگ اس وقت معزول ہیں، خدا خدا کر کے یہاں کھار بھم پہنچ گئے۔ اس سے پہلے ہم لکھ چکے ہیں کہ عظیم آباد اور مرشد آباد سے کھاروں کے بھاگ جانے کے سبب گھوڑے کی سواری کے سوا اور کوئی سواری ساتھ نہ تھی۔ جگہ جگہ نالکی اور پالکی کو امانت کی طور پر چھوڑنا پڑا تھا۔ اب کھاروں کے مل جانے سے ہم پھر پالکی میں سوار ہوئے۔

مچھلی بلندر سے چینا یقین مندراجہ کی جانب ہماری روانگی

۲۲ شوال سنہ ۱۲۱۲ھ کو منگل کے دن، پانچ گھڑی دن دھ کلام اللہ کی فال واستحضار کے موافق اور نواب موصوف کے نجومی کی تجویز کردہ مبارک ساعت میں اس بلندر سے ہم چینا یقین کو کوچ فرما ہوئے۔ آدھے کوس تک نواب صاحب مشایعت کی طور پر حاضر اور مرکاب رہے۔ پھر واپسی کی اجازت پاکر وخصت ہوئے۔ پہلی ہی منزل میں ہم نے دیکھا کہ گرمی کے موسم نے سرسبز جنگلوں کو پہاڑوں کی طرح سبز سے محروم اور

گرم و خشک کر دیا ہے۔ جس وقت ہمارا سفر شروع ہوا ہے، برسات کے دن تھے، حالت یہ ہوئی کہ بارش کے موسم میں سفر کرنے کے سبب ہمارا بہت سا اسباب تلف ہو گیا۔ جگہ جگہ پر پانی کھوا تھا، مجبوراً گھوڑے کی سواری اختیار کرنا پڑی، پھر بھی حد سے زیادہ تکلیف پہنچی۔ لیکن سارے جنگل اور پہاڑ سینکڑوں کوس تک قسم قسم کے جنگلی خودرو پودوں، اور پھولوں سے بھرے اور لدے ہوئے تھے۔ جہاں تک نظر کام کرتی تھی، خدائے آفریدگار کا گلزار پر بہار دکھائی دیتا تھا۔ یہ بہار دیکھنے والے کے دل سے ایک ہی نظر میں سفر و حضر کے تمام آلام اور صدموں کا زنگ دور کر دیتی تھی۔ اس وقت یہ اشعار میری زبان پر تھے۔ جن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ حضرت امیر المؤمنین اسد اللہ الغالب علی ابن علی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصنیف ہیں، اور اپنی باقی آرزوؤں کی تکمیل کا منتظر تھا۔ قولہ:

تغرب من الاوطان فی طلب العلی

و سافر ففی الاسفار خمس فوائد

ففرج غم و اکتساب معیشتہ

و علم و آداب و صحبۃ ماجد

فان قیل فی الاسفار ذل و مضلۃ

و قطع الدہانی و ارتکاب شدائد

فموت اللغۃ خیر من مقامہ

بدار ہوان بہن و اسد حاسد *

ہر راہ اور فرودگاہ میں جہاں کہیں بھی جانور سر جھکا لیتے، ذری دیر میں شکم سپر ہو جاتے تھے۔ مگر اب یہ منظر دیکھتے ہیں کہ چوپایے زمین پر سر پٹکتے ہیں، مگر خاک کے سوا کچھ ملنے میں نہیں آتا۔ غرضکہ مجھلی بندر سے ہم نے دو تین کوچ کئے۔ راستے میں نواب والا جاہ عمدۃ الامرا بہادر امیر الہند ثانی کا سر بمہر خط ملا، جو درج ذیل ہے۔

* توجہ: بلند مراتب کی طلب میں اپنے وطنوں سے باہر نکل! اور سفر کو کا سفر میں پانچ فائدے ہیں۔ ۱. غم دور ہونا، ۲. روزی میسر آنا، ۳. علم، ۴. آداب، ۵. اچھے آدمی کی صحبت کا حصول۔ اور اگر یہ کھا جائے کہ سفر میں ذلت اور تکلیف ہے، صحرا نوردی ہے اور سختیاں برداشت کرنا ہے تو یاد رکھو کہ رسوائی اور ذلت کے ساتھ گھر میں رہنے، چلن غرور اور حاسدوں میں قیام کرنے سے ایک جوانمرد کے لئے موت بہتر ہے۔

مکتوب

بسم اللہ الرحمن الرحیم
ہو الکریم

”نیہتہ انیقہ بہجت و ثیقہ پہنچا، جس میں تشریف فرمائی کی کیفیت اور دوسرے حالات بھی درج تھے۔ جناب کی طبع سامی کے نتائج اشعار آبدار کے اوراق بھی ملے، اور شہنتہ بنایا۔ ہمارے لئے وہ وقت کیا اچھا ہو گا کہ جمال سامی سے آنکھیں روشن کرینگے۔ مرزا ہمایوں بخت اپنے فرزند اور محل کے ساتھ والد ماجد مرحوم کے زمانے میں اس دیار میں رونق افروز ہوئے تھے۔ واقعی بات یہ ہے کہ اس خوبی اور بزرگی کے آدمی، ایسے صنات حمیدہ اور پسندیدہ اوقات کے بزرگ اب تک دیکھنے میں نہیں آئے۔ لیکن حالات کی تنگی کچھ ایسی دامن گیر ہوئی کہ ہماری جانب سے اُن کی شان میں تہڑی بہت کوتاہی عمل میں آگئی۔ اس سے اُن کا مستحکم دل برداشتہ ہو گیا، اور دوسرے دیار کو عزم آرا ہوئے۔ مگر فرط مہربانی سے پھر دوبارہ بمصداق: ”الغفر عند کرام الناس مامول“ * اس ملک کو تازہ رونق بخشی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں اپنے اوقات اور تصور کی وجہ سے سربہ گریبان خجالت ہوں۔ اِن وجوہ پر نظر کرتے ہوئے، اس ملک میں آپ جیسے بزرگ کی تشریف آوری کے موقع پر تحقیقی حالات سے مطلع کر دیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جناب اپنے درود اور یہاں کے حالات مشاہدہ کرنے کے بعد اگر یہاں کا قہام پسند فرمائیں اور ہمارا مقدر یاوری کرے تو یہ عین ہماری آرزو ہے۔ اور اگر مزاج و ہاج کسی دوسری جگہ تشریف لے جانے پر آمادہ ہو تو اختیار ہے۔ غرضکہ اِس ضعیف کو مشتاق ملاقات سمجھکر اپنی تشریف فرمائی سے ہمارے فریبانہ چھوٹے کو رونق بخشیں۔ اپنی نانہمی کے باوجود اشعار آبدار سے بہت کچھ فہوض حاصل کئے، اور حرز جاں بنایا۔ اللہ ہمارے اور آپ کے ساتھ ہے۔ مہرے دوست کے فرزند اور مہرے دوست قطب الملک کو ہدیہ سلام قبول ہو۔“

فرسکہ ہر منزل پر اور ہر گانوں میں، وہاں کے زمہداروں سے دانہ اور گھاس وغیرہ کا سرانجام بڑی مشکل سے ہوتا تھا۔ جب ہم ونگول پہنچے تو

* ترجمہ: اچھے لوگوں سے سزا کی امید کی جاتی ہے۔

نواب والا جاہ مرحوم کے حقیقی بھانجے حافظ ناصر مصد خان افتخار الدولہ بہادر شاندار مہمان داری کے ساتھ استقبال کو موجود تھے۔ انہوں نے راہداری کا خط اور دانہ گھاس وغیرہ کی تاکید کے خط لکھ کر اپنی مہر لگا کر بھجوائے۔ اور معمول کے موافق ہر منزل پر ضیافت کی رسم بجالاتے رہے۔

جب ہم نہلور پہنچے تو وہاں کا حاکم بھی حسب معمول رسم ضیافت بجالایا۔ وہاں ایک مقام ہوا، پھر ہم کوچ فرما کر چہتر نیکنگا چلم پہنچے۔ اس منزل میں دانہ اور گھاس میسر نہ آنے کی وجہ سے گانوں کی آبادی سے بہت دور پر اترنا پڑا۔ ہمارا ایک بوا سبزہ آختہ گھوڑا بھاگ کر کہیں جنگل میں غائب ہو گیا۔ بہت کچھ تلاش کرایا مگر پتا ہی نہ چلا، آخر اس معاملے کو یونہی چھوڑ کر ہم آگے روانہ ہوئے۔ ملندراج پہنچنے تک بار برداری وغیرہ کے کئی جانور ضائع ہو گئے۔ ان دستوں میں بھی سلندر کی کھازیوں کی دلدل اور کھچڑ کی سخت آفت نظر آئی۔ ہزار دشواری نائیو پیت پہنچے۔ یہاں سے ہم نے اپنی آمد کی اطلاع کا خط اور اس مکتوب مصیبت کے ساتھ اپنے طبع زاد عربی، فارسی، ترکی اور اردو زبانوں کے چند اشعار نواب عدۃ الامراء بہادر کو بھیجے۔ یہیں ہمیں نواب صاحب کا دوسرا خاص خط اور دوبارہ جواب باصواب ملا، جس میں ہمارے بار درچی خانے کے ماہانہ خرچ کے لئے تلخوہ کی تعیین بھی کر دی تھی، اور نہایت ارادت و اشتیاق ملاقات کا اظہار کیا تھا۔ ہم نے بھی وہیں سے اُس کا جواب کمال اشتیاق کے ساتھ اپنے ہاتھ سے لکھ کر روانہ کیا، اور آگے کوچ فرمایا۔ آخر ذی قعدہ سنہ ۱۲۱۲ھ کی ۱۶ تاریخ کو دوبصتیبہ کے چہتر میں اترے جو چھٹا پتوں سے تین چار کوس کے فاصلے پر ہے۔ رات کے وقت ہمارے بھتیجے نور چشم مہرزا شمس الدین ملقب بہ مرزا سکندر شکوہ یعلیٰ مہرزا ہمایوں بخت کے صاحبزادے حضور میں پہنچے۔ نذر پیش کی، اور اپنے دیدار سے مسرور کیا۔ یہاں بھی ہمیں نواب صاحب موصوف کے چند خطوط ملے جو اشتیاق ملاقات اور کمال درجہ مہربانیوں اور دلداریوں پر مبنی تھے۔ بودباش کے لئے جو مکان تجویز ہوا تھا اُس کا بھی ذکر کر دیا تھا۔ نواب صاحب موصوف کی تصریح کے موافق یہاں سات مقام ہوئے۔

۲۲ ماہ ذیقعدہ سنہ صدر کو نواب صاحب کی طرف سے ہمیں دوسرا مکتوب

ملا، جس کی نقل یہ ہے :

نواب صاحب کا دوسرا مکتوب:

محبت آمیز مکتوب موصول ہو کر مسرت بخش ہوا۔ چینا پتلیں کے قریب جناب کی تشریف فرمائی کی خوش خبری ملی۔ مراتب زیارت و ملاقات کو عجلت کے ساتھ بجالانے میں جو تقصیر ہوئی، وہ فرمانرواے بلکالہ کے وارد ہونے اور اُسکے سوال و جواب اور تجویز مکان کے سبب ہوئی۔ اب امید ہے کہ اپنے کرم عہم سے چار پانچ گھڑی کے بعد جمعرات کو اول دن میں ہمارے خانہ دل محبت منزل کی رونق کے لئے توجہ فرمائیں گے۔ نور چشم سراج الملک بہادر اور نور چشم امیر الملک بہادر حافظ احمد خان بہادر کے ساتھ خدمت سامی میں حاضر ہوتے ہیں۔ **إن شاء اللہ - اللہ معنا و معکم - غلام حسین**

چینا پتلیں میں ہمارا ورود اور نواب محمد علی خاں والاجاہ مرحوم کے بڑے اور

لائق بیٹے نواب والاجاہ امیر الہند ثانی کی ملاقات کا بیان *

نواب صاحب کی تحریر کے مطابق نماز صبح کے بعد ۲۳ ذی قعدہ سنہ ۱۲۱۲ھ کو میں چینا پتلیں پہنچنے کے ارادے سے سوار ہوا اور ماس کلیس کے باغ میں جا اُترا۔ صبح کے ناشتے میں مشغول تھا کہ نور چشم مہرزا نور علی عرف سکندر شکوہ ہمارے بھتیجے، اور نواب صاحب کے فرزند امیر الملک بہادر، سراج الملک بہادر نواب موصوف کے دونوں بھانجے، یعنی برخوردار سعادت اطوار نواب سلطان النساء بیگم کے نور چشم مع ادا کہیں، بان، نشان، ماہی مراتب، نوبت،

* "سوانح ستاز" کے مصنف نے میرزا افغری کے مدراس پہنچنے کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

سنہ ۱۲۱۳ھ میں نواب صدق الامراء بہادر کے زمانہ ریاست میں شاہزادہ عالی وقار و بلند مرتبہ میرزا علی بیگ بہادر (افغری) نہایت شوکت و حُصن کے ساتھ وارد مدراس ہوئے، جو تمام علوم میں یتکناے زمانہ تھے۔ نواب موصوف نے اُن کے ورود کے دو تین روز بعد کس محل کے دیوان خانے کو آراستہ کرا کر نہایت عزت و توقیر کے ساتھ طلب فرمایا۔ اور ملاقات سے مغرب ہو کر صلیب باغ میں ٹھہرایا جو پرجداس مدلی کے ہنگلے کے نام سے مشہور ہے۔ شاہزادہ موصوف کے تمام کے لئے اُسے تیار و آراستہ کرایا تھا۔ تاج الامراء بہادر (وہی مہد) رئیس الامراء (بھانجے) امیر الدولہ (بھتیجے بھائی) انتظار الدولہ بہادر بہرام جنگ اور امیر اسد اللہ خان بہادر کو استقبال کے لئے روانہ فرمایا۔ دوسرے دن خود اپنے بھانجوں اور ارکان دولہ کے ساتھ اُن کی بازدید کے لئے تشریف لے جا کر ملاقات باز دید سے مغرب ہوئے۔ اور اُن کے اخراجات کا معقول ہند و بست فرمایا۔

نقارہ اور فوج وغیرہ کے ساتھ ہمارے استقبال کے لئے پہنچے، اور اسی باغ میں ملاقات کی۔ ان دونوں بہادروں کو میں نے خلعت کی کشتیاں دیں۔ پاندان اور عطرندان وغیرہ کی رسم ادا کی۔ پھر اسی تجمل کے ساتھ ان نورچشموں کے ہمراہ ہم نواب والاچاہ ثانی کے مکان پر پہنچے۔ نواب صاحب نے دروازے تک استقبال کر کے سلام کیا، اور مہرا ہاتھ پکڑ کر پالکی سے اُتارا۔ میں نے سلام کا جواب دیکر گلے سے لگایا۔ نواب صاحب ایک فرشتہ سپرت اور خوب صورت بزرگ معلوم ہوتے تھے۔ ایک مدت سے ہم ایسی صورتوں کے بھوکے تھے۔ ان کو دیکھکر اچھی طرح جی سہر ہوگیا۔ اب گوش مشتاق اُن کے کلام شہریں کی طرف مائل ہوئے۔ کلام نے تمام مکروہات اور سفر کے آلام کا زنگ دل محضوں سے مٹادیا۔ حق تو یہ ہے کہ اِس نو سال کے عرصے میں یعنی قلعہ مبارک سے نکلنے کے بعد سے اب تک بہت سے امیروں، وزیروں کو دیکھا اور ملاقات ہوئی۔ لیکن ایک کو بھی نواب صاحب کی طرح صحیح طور پر اخلاق متصدی سے متصف نہ پایا۔ سننے والے کے کان اُن کے نقد کلام سے خرمن خرمن فرحت و مسرت کے پھول چلتے ہیں، اور دل انبار انبار نقد دل جمعی و ہمدردی سمیٹتا ہے۔ ”اللہم زد ولا تلقص“ خدا انہیں تمام آسمانی اور زمینی بلاؤں سے محفوظ رکھے۔ اس شہریں کلامی کے ساتھ ہم ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ہوئے دروازے کے اندر پہنچے تھے کہ بھائی صاحب مرزا ہمایوں بخت بہادر آئے۔ وہ اور ہم رسم سلام علیک بجلائے، اور بغل گیر ہوئے۔ ساتھ آٹھ سال کے بعد ملاقات نصیب ہوئی تھی، ایک دوسرے کو دیکھ کر خوب دل خوش ہوا۔ تھوڑے دنوں سے باہم کچھ شکررنجی پیدا ہوگئی تھی، نواب موصوف نے ہم دونوں میں سے کسی کو زبان بھی نہ کھولنے دی، بلکہ سخت قسم دیکر باہمی تصفیہ کرا دیا، دل صاف ہوگئے۔ ”الصد لله علی ذلک“ اِسکے بعد شعر و شاعری پر بات چیت ہونے لگی۔ میں نے نواب موصوف کو تمام علوم میں صاحب ذوق پایا۔ خصوصاً فارسی اردو شاعری میں بےحد فصیح ہیں۔ مکتوبات میں عبارت منشاہانہ اور مختصر مگر مائل و دل لکھتے ہیں۔ غرض اُن کا کلام بہت پسند خاطر ہوا۔ ارشاد فرماتے ہیں:

بہا زاہد کہ پیدا کردہ ام از بہر تو دینے
پرستھی کن دل خود را، مشورہ بلد آئینے

مطلع ریختہ:

مصو وحدت کے تلہیں پوشاک کیا درکار ہے
 جوں حباب اسکو تو جو سر ہے وہی دستار ہے
 • یاد اُس شوخ کی مجھہ دل میں بھری رہتی ہے
 لوگ کہتے ہیں کہ اس گہر میں پری رہتی ہے
 یہ میرا کلام ہے:

بتے دیدم خدایا بادل بے مہر سلگیلے
 کہ بہر عاشقان آورد حادث دین و آئیلے
 تہی از کافر یہا نیز نبود چہن پیمشانی
 گرہ دارد در صد دل این بت چہنم بہر چہلے
 در جواب ریختہ:

آنکھ میں زلف کی تصویر دھری رہتی ہے
 ظن مردم ہے کہ سرمے سے بھری رہتی ہے
 گاہ وہم دہن اور گاہ کمر کا ہے خیال
 عاشقوں کو بھی عجب درد سری رہتی ہے
 چشم بد دور نہ توکو مرا رونا کوئی
 شاع دل اپلی تو آنسو سے ہری رہتی ہے
 نہیں معلوم کدھر کو نگہ لطف پڑی
 اِس طرف آب کی کچھہ کم نظری رہتی ہے
 اظہری دل میں ہمارے ہے خیال ممتاز
 ”لوگ کہتے ہیں کہ اِس گہر میں پری رہتی ہے“ †

ہندوستانی (اردو) بات چیت میں اُن کے کلام کا انداز کرنا تکہوں کے طریقے پر نہیں، بلکہ شاہ جہاں آباد کے مہرزاؤں کا سا ہے۔ کبھی کبھار اتفاق سے بعض الفاظ یہاں کے نکل جاتے ہیں، اُن پر عام حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ الغرض چند گھڑی کے بعد بہت شایستہ طریقے سے ضہافت فرمائی۔ اُتھتے

* حافظ فضل علی متخلص بے ممتاز، مرزا محمد رفیع السواد نے تلامذہ میں ہیں۔ میر حسن نے اپنے تذکرۃ الشعرا میں اُن کا ذکر کیا اور کلام دیا ہے۔ اس میں بھی یہ بیت موجود ہے۔
 ذرہ بہر تفاوت نہیں۔ کیا اِسے توارد کہا جائے؟
 † معلوم ہوتا ہے یہ دونوں غزلیں مرزا اظہری نے ثواب صاحب کی غزلوں پر بعد کو کہی ہیں۔

وقت میں نے اپنی سرہستہ پگڑی مع گوشوارہ کے اس کے علاوہ شال اور دو سال اپنے ہاتھ سے نواب موصوف کو پہنایا، آڑھایا، اور ایک تلوار بھی عدایت کی۔

ہماری سگی بڑی بہن، نواب عظمت آرا بیگم معروف بہ فیض النساء بیگم مرزا ہمایوں بخت کی بیوی ہیں، وہ راقم کو بہت عزیز رکھتی ہیں، گویا مادر مہربان ہیں۔ نو سال سے اُن کی دولت دیدار سے محروم تھا۔ وہ بھی میرے دیکھنے کے لئے بہت بیقرار تھیں۔ اس لئے نواب موصوف نے بہ جد ہو کر سب سے پہلے مجھے ہمشیرہ صاحبہ و قبلہ سلسہا اللہ تعالیٰ کے پاس بھیجوا دیا۔ نواب صاحب ہمیں سوار کرانے کے لئے ساتھ ساتھ آئے۔ اٹھارے راہ میں، مرزا ہمایوں بخت بھیج میں آگئے۔ ایک طرف مجھے اور دوسری طرف نواب صاحب کو کھینچ لیا۔ مگر نواب موصوف پھر ہم دونوں بھائیوں کے بھیج میں آگئے، اور دونوں کے ہاتھ پکڑ کر فرمانے لگے ”بندہ آپ دونوں صاحبوں کی پناہ اور سایہ میں آگیا۔“ میں نے کہا ”نہیں نہیں بلکہ آپ ہم دونوں کے دست گیر ہوئے ہیں۔“ یہ سن کر کمال انبساط کے ساتھ مجھے سے فرمایا کہ ”گستاخی معاف، کچھ روز تو جناب قلعہ مبارک میں قید رہے۔ اب بندہ قید کر کے رکھیگا۔ کہیں آگے نہ جانے دیتا۔“ میں نے کہا: ”بجان ملت،“ بقول شاعر:

”کے دام فلندی تو کہ ما صید نہ گشتیم“

خوش ہو کر فرمایا کہ ”میری کیا مجال، بلکہ جناب نے بندے کو اپنا اسیر اخلاق بنا لیا ہے۔“ فرض اسی دُرافشانی کے ساتھ پالکی تک ہمراہ تشریف لائے۔ پھر ہمارا ہاتھ پکڑ کر پالکی میں سوار کرایا اور سلام کر کے رخصت ہوئے۔

بہرام جنگ بہادر بخشی کے بڑے بھائی حافظ احمد خاں بہادر اور اپنے دوسرے اہلکاروں کو فوجی تجمل اور نویت وغیرہ کے ساتھ جناب ہمشیرہ صاحبہ کی ملاقات کے لئے میرے ہمراہ میلاپور روانہ فرمایا اور تاکید فرمائی کہ بہن صاحبہ کی ملاقات کے بعد حسینی باغ میں اُتاریں، جو خاص آنجناب ہی کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ یہ حکم دیکر نواب صاحب واپس ہوئے۔ میں اپنی پالکی میں اور بھائی صاحب مرزا ہمایوں بخت اپنی پالکی میں سوار ہوئے۔ دونوں پالکیاں برابر جا رہی تھیں، ہم دونوں مسرت آمیز باتیں کرتے ہوئے میلاپور پہنچ گئے۔ میں اُتر کر متعل میں گیا، اور جناب ہمشیرہ صاحبہ سے ملاقات کی۔ قلعہ مبارک سے بھاگنے کے وقت

میں نے ان تمام صاحبوں کو وہیں تہد سلاطینی کی حالت میں چھوڑا تھا، جدائی کا زمانہ بہت طویل ہو چکا تھا، اس لئے باتوں باتوں میں گزشتہ دور کا تذکرہ آگیا۔ میں نے میہرزا ہمایوں بخت سے اپنے فرار ہونے کے بعد کے حالات دریافت کئے اور پوچھا کہ حضرت قدر قدرت شاہ عالم بادشاہ، صوبہ دار دہلی اور وہاں کے اہل کاروں نے آپ صاحبوں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اگرچہ دہلی کی خبروں اور آپ لوگوں کی تحریروں سے حالات معلوم ہوتے رہے۔ پھر بھی آپ کی زبانی سننا چاہتا ہوں۔ میہرزا ہمایوں بخت نے کہا: بھئی کیا کہوں، مختصر یہ ہے کہ بیحد تکلیفیں اور مضرتیں پہنچانے کے بعد حضرت قدر قدرت نے اپنے والد ماجد حضرت عرش منزل مرحوم کے عرس میں ہم کو دیوان خاص میں طلب کیا اور اپنے حضور میں بلوا کر خود اپنی زبان گوہر نساں سے ارشاد فرمایا کہ ”باباجان! میں نے تمہارے ساتھ کوئی برائی نہیں کی، مگر تمہارے بھائی میہرزا علی بخت میہرزا کلان نے میرے ساتھ دغا کی، وہ راجاؤں کے پاس بھاگ گئے۔ اب راجاؤں نے ملکر انہیں بادشاہ بنایا ہے۔ بہتر ہوگا کہ اپنے بھائی کے پاس ہی چلے جاؤ، اور اپنی اپنی تلخواہیں ان سے مانگو۔ میں تم لوگوں کو اپنے پاس رکھنا نہیں چاہتا۔“ اس کے بعد ہمیں عورتوں اور بچوں سمیت جبراً قلعہ مبارک سے باہر نکلوا دیا۔ میہرزا ہمایوں بخت کی زبانی یہ ماجرا سنکر میں نے کہا: اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، مگر میں جناب بادشاہ سے یہ امید نہ رکھتا تھا کہ میرا عذر قبول نہ فرمائیں گے۔ خیر۔

غرض ہم نے ایک دوسرے سے مل کر ہر ایک کے دیدار سے اپنی آنکھیں خوب سیر کیں۔ ایک پہر تک میں یہیں رہا، پھر رخصت ہو کر سوار ہوا۔ حافظ احمد خان، نواب موصوف کے اور اہلکاروں کے ساتھ ہمارے ہمراہ تھے۔ یہ دیانت، امانت، عقل و صلاح اور علم و اخلاق میں اپنے بھائی بہرام جنگ بخشی سے کئی درجہ بہتر ہیں۔ انہوں نے نواب صاحب کے حکم کے موافق ہمیں نواب سلطان النساء بیگم کے حسینی باغ میں اتارا۔ بیگم صاحبہ موصوف نے اپنی طرف سے اور بھی فرہ، آلات شہشہ و چھنی اور اسباب باورچی خانہ و ابدال خانہ وغیرہ تمام ضروریات کا سامان بھجوایا۔ ہم نے انہیں اپنی بہن بنا لیا ہے۔ شام کے وقت نواب موصوف کی طرف سے ہر تکلف پختہ مہمانی آئی۔ اور تقریباً رات کا ایک پہر گزرا ہوگا کہ بھائی صاحب میہرزا ہمایوں بخت

مع اپنے بیٹے کے، مہمانی کا کھانا اور گوٹھیوں کو ساتھ لکے ہوئے تشریف لائے۔ ایک پہر تک گانا سننے کا سلسلہ رہا، پھر مکلف ہوئے کہ کل آپ کی مہمانی ہمارے یہاں طے پائی ہے، ضرور تشریف لانا چاہئے۔ میں نے دل و جان سے قبول اور عطر و پاندان کی رسم بجا لاکر رخصت کیا۔ بھائی صاحب سوار ہو کر اپنے گھر تشریف لے گئے۔ دوسرے دن دوسرے پہر کو میں گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہوا۔ شام کے قریب بھائی صاحب کے مکان پر پہنچا۔ بڑی شاندار مہمانی رہی، گانے والے مردوں اور عورتوں کے کئی طائفے موجود تھے۔ جناب ہمشیرہ صاحبہ نے فرط محبت سے اس مکان کی سب چیزیں بطور سوغات عنایت فرمادیں۔ اگرچہ ہمیں یہ گوارا نہ تھا، مگر اُن کی بزرگی اور اصرار پر نظر کر کے لے لیں۔ تمام رات ناچ گانے کی سیر میں گزر گئی۔ تھوڑی رات باقی تھی کہ میں رخصت ہوا۔ بھائی صاحب نے بھی نہایت منت سماجت اور بے حد اصرار سے کچھ چیزیں سوغات کی طور پر تواضع فرمائیں۔ پھر میں اپنی پالکی میں سوار ہو کر صبح کی نماز کے وقت اپنے گھر پہنچ گیا۔ مہری فرودگاہ سے میلاپور تک دو کوس کا فاصلہ ہے۔ چند ہفتوں تک ہمشیرہ صاحبہ، نواب موصوف اور نواب سلطان النساء بیگم کی سرکار سے برابر روزانہ پختہ مہمانی آتی رہی۔ تین چار روز بعد نور چشم سراج الملک بہادر، امیر الملک بہادر، حافظ احمد خان بہادر، شجاعت علی خان وغیرہ ہمارے پاس آئے اور رسم ضیافت بجالائے۔ نواب سلطان النساء بیگم میں اور ہم میں بہن بھائی کا رشتہ قائم ہو گیا ہے، اس لیے بقر عید کے دن میں اُن کے مکان پر گیا۔ ضیافت فرمائی، پوشاک کی کئی کشتیاں تواضع کیں، بہت کچھ نقد اور سامان سے بھی سلوک کیا۔ اسی روز دوبارہ نواب صاحب سے ملاقات میسر آئی۔ آج انہیں پہلی بار سے زیادہ شہر میں زبانی میں سرگرم پایا۔ تیسری بار محرم الحرام کی دسویں کو ملاقات ہوئی۔ اور بھی بدرجہا زیادہ تواضع و انکسار سے پیش آئے۔ غرضکہ نواب صاحب بے نظیر انسان ہیں۔ خدائے تعالیٰ اُن کی ذات باکمال کو اسی طرح کامیاب و بامراد رکھے۔ اسی روز نواب صاحب نے اپنے بھائی حسام الملک بہادر کی ملاقات کرائی، ہم ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے۔ بہادر موصوف اخلاق میں نواب موصوف سے بھی کچھ سوا نظر آئے۔ جب کبھی ملاقات کا اتفاق ہوتا ہے کچھ ایسے انکسار اور تواضع سے پیش آتے ہیں کہ

لویا لاکھوں کا سلوک کر رہے ہیں۔ خدا انہیں سلامت رکھے۔ سچ تو یہ ہے کہ نواب: الاجاء مرحوم کے اکثر صاحبزادے ان صفات میں تمام دوسرے امراء سے بڑا چوڑے کر ہیں۔ راقم نے ۲۲ محرم الحرام سنہ ۱۲۱۳ھ کو جناب ہمشیرہ صاحبہ، بھائی صاحب اور نور چشم میرزا سکندر شکوہ کو اپنے مکان میں مہمان بلایا۔ نہافت کی، تحفے تحائف نذر کئے۔ تمام رات مردوں اور عورتوں کا ناچ گانا رہا۔ صبح کے وقت نواب صاحب کا محبت سے لبریز رقعہ ملا، انہوں نے کسل مند ہونے پر بھی اپنے ہی ہاتھ سے لکھا تھا اور مبارک باد دی تھی۔ عبارت بہت متین اور الفاظ قل و دل لکھتے ہیں۔ اس لئے اس رقعے کی نقل درج ذیل کرتا ہوں۔ نواب موصوف کا نوکین کا نام غلام حسین ہے اور ان کی عادت ہے کہ اپنے رقعوں کے آخر میں یہی نام لکھتے ہیں۔

نواب صاحب کا مکتوب

یا جامع المتفرقین! اب تو محفل انس و محبت کی حضوری ہے اور سب دوست یکجا ہیں۔ اس حسن اتفاق کے موقع پر بے اختیار شوق دامن کھینچتا ہے۔ مگر زکام کی شدت اور اعضا کا درد حضوری سے مانع ہے، بلکہ مبارک باد پہنچاتا ہے۔ اللہ معنا و معکم۔ غلام حسین۔

اسکے جواب میں میں نے بھی ایک رقعہ اپنے ہی ہاتھ سے لکھا۔

میرا رقعہ

یا مسبب الاسباب برادر جانا! حقیقت میں یہ حسن اتفاق آن جناب ہی کے حسن سلوک سے حاصل ہوا ہے، اور آپ ہی کے وجود محترم کی بدولت مدت کے بچھوڑے ہوں۔ پر ملاقات کا دروازہ کھلا۔ جو مبارک باد جناب نے لکھی ہے، گویا ہماری زبان سے ہے، تہنیت کی فیسر بھی اسی جامع کی طرف راجع ہے۔ مزاج و ہاج کی کسل مندی سے ہمارے دلوں میں فکرو درد رونما ہے۔ چاہتا ہوں کہ بطور عبادت خود پہنچ کر دیدار فرحت آثار سے طمانہت حاصل کروں، مگر یہ بھی اجازت پر موقوف ہے۔ وہ شافی حقیقی جلد شنائے عاجل اور صحت کامل عطا فرمائے۔ ”باللہی و آلہ الامجاد“

اسی سال ماہ صفر المظفر کی بائیسویں تاریخ کو ہم نے یہاں کی ایک عورت سے نکاح کیا، جو ایک پگھان کی لڑکی تھی، اور اُس کا خطاب خورد محفل رکھا۔ خدا کے فضل سے وہ حاملہ ہوئیں اور اسی سال ماہ ذی قعدہ کی انتیسویں کو بیتا پیدا ہوا۔ ہم نے اُسکا نام مرزا والا بخت اور عرف مرزا جانی رکھا۔ نواب موصوف نے اِس پسر نیک اختر کی پیدائش کے دن مبارک باد کے ہمراہ ضروری مصارف کے لئے پانسو روپے بھجوائے، اور بڑے چلے کے دن کئی سوہن * کا سلوک فرمایا۔

نواب صاحب کا وہ مکتوب جو ۲۹ ماہ ذی قعدہ کو مرزا والا بخت

عرف مہرزا جانی کی ولادت کی تہنیت میں آیا تھا

الحمد لله ورسوله وآله۔ خدائے تعالیٰ بہت بہت مبارک کرے۔ کیا فرماتے ہیں اس دیوار کی آب و ہوا کی تاثیر کی نسبت کہ کس قدر تفریح آرد۔ مہمانی اور تنہا ناچ دیکھنا حرام ہے۔ نثار جشن ان شاء اللہ حاضر کرتا ہوں۔ اللہ معنا و معکم۔

غلام حسین

پھر ہم اصل مقصد کی طرف رجوع ہوتے ہیں

یہاں پہنچنے کے پانچ مہینے بعد نواب سلطان النساء بیگم ہمشیرہ صاحبہ نے پانچ ہزار روپے ہمارے پاس بھجوائے تاکہ زاد سفر کے لئے بھیج کر اپنے قبائل کو بلالوں۔ آخر ماہ ربیع الثانی سنہ صدر کی پہلی تاریخ

* ایک ہن تقریباً ساڑھے تین روپے کا ہوتا ہے۔

† تباگ کو لکھڑے سے بلانے کے متعلق سوانحات ممتاز کا بیان :

ایک روز نواب صاحب نے میرزا علی بخت بہادر کی ملاقات کے دوران میں دریافت کیا کہ اپنے متعلقین کو کینک جناب دہان لکھنؤ میں) رکھیئے، یہاں کیوں نہیں بلا لیتے۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ زاد راہ کی فکر میں ہوں۔ نواب صاحب نے زاد راہ کی مقدار دریافت کر کے اُس کی ہتھتوں لکھڑے روانہ کر دی۔ اور تھوڑے دنوں بعد سنہ ۱۲۰۹ھ میں مرزا محمد امین الدین صاحب عرف میرزا امانی صاحب میرزا علی بخت موصوف کے چھوٹے بھائی اپنے بڑے بھائی کے محلات کو لیکر مدراس پہنچے، اور اپنے بڑے بھائی کے گھر میں آئے۔ دوسرے دن بہادر علی نواب صاحب کو اطلاع دیکر میرزا امانی صاحب کو اپنے ہوا

کو جہاز کے دستے ہمارے اہلکار دیوان راے بھگوان داس وغیرہ ہمارے قبائل کو لانے کے لئے لکھنؤ روانہ ہو گئے۔ خدائے تعالیٰ انہیں اپنی حمایت و حفاظت کے ساتھ جلد پہنچائے۔ بسنتہ و کمال کر مہ۔ جو کچھ شایستہ سلوک اور قابل قدر مراعات، نقد اور پوشاک، زیور، زر و جواہر وغیرہ کی توابع ہماری بہن فیض النساء بیگم کے ساتھ عمل میں آئی اور آتی رہتی ہے۔ سب صرف نواب سلطان النساء بیگم کی ذاتی توابع کا نتیجہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نواب سلطان النساء بیگم اگرچہ بظاہر عالم نسوان میں پیدا ہوئی ہیں، لیکن ان کی ذات تمام صفات میں کیا ہمت اور مروت، کیا ایٹھے عہد اور کیا ذہنی ذکاوت، کیا عقلی ثبات اور صفائی فطرت وغیرہ میں مردوں سے بہتر ہے۔ خدائے تعالیٰ تمام امور میں ان کے دلی مقاصد پورے کرے اور عاقبت بظہیر فرمائے۔ باللہی و آلہ الامجاد۔ بیگم موصوفہ کے نام کا ایک معما بھی ہم نے تالیف کیا ہے۔

یگے حجت خدا از قدرت خویش - مع التعریف گرز ن سانش آد است
سزاوار شہی عالم زن - بود این خواہر من بے کم و کاست

اسی طرح ایک معما سراج الملک بہادر موصوف کے نام کا بھی کہا ہے :

باتاج انور فردر زین چو کردہ جا - گویا چراغ شہری اے نور دیدہ ما

نصیر الدولہ عبدالوہاب خاں بہادر کی وفات کے بعد نواب صاحب نے مرحوم کے بیٹوں سے برج داس کا باغ خالی کرا کر ۹ جمادی الثانی کو ہمیں اس باغ میں اتارا، اور اسی روز پھر دوبارہ نقد و جنس کے ساتھ مہمانی بھیجوائی۔ باورچی خانے کے مصارف ماہانہ بھیجتے رہتے ہیں۔ کبھی دیر ہو جاتی ہے تو

لے گئے اور نواب صاحب سے ملاقات کرائی۔ ملاقات کے بعد نواب صاحب ان کے اور میرزا علی بھٹ بہادر کے محل کے اخراجات کا بندوبست کر کے اپنی زندگی پھر ان کے خیروکراں رہے۔

مرزا افطری اور ان کے محل (بیگم صاحبہ افطری) ہمیشہ اپنے معاملات کے متعلق سوال و جواب نواب صاحب کی سرکار میں نواب سلطان النساء بیگم کے ذریعے کرتے رہتے تھے۔ ایک روز بیگم صاحبہ موصوفہ نے شاہزادہ علی کی محل کی خواہش کے موافق ان کو اور ان کی دونوں لڑکیوں کو اپنے محل میں طلب فرمایا، اور نہایت نزت و احترام کے ساتھ ان کی ملاقات سے شرف یاب ہوئیں، اپنی دونوں بہنوں سے بھی ملاقات کرائی۔ اور ان کے ساتھ بیٹ کچھ سلوک و مراعات، یک جہتی و محبت و شفقت قلبی کا طریقہ موصوفہ رکھتی تھیں۔

مہرزادہ خطوط اپنے ہاتھ سے لکھ کر ادائیگی کا اقرار کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ جب کبھی کوئی ضروری کام پیش آجاتا ہے تو اُسکے سرانجام میں بھی کوتاہی نہیں فرماتے۔ فرض ہم اُن کے گھر میں نہایت آرام کے ساتھ ہیں، گویا اپنے گھر میں بیٹھے ہیں۔ باعمل ہمارے دل میں کوئی فکر و تردد نہیں۔ آگے دیکھنا ہے کہ وہ خدایے برتر جو کام کا اصلی بنانے والا ہے، پردۂ خفا سے کیا ظاہر کرتا ہے۔

مبارک الدولہ قطب الملک حسن علی خان بہادر مبارک جنگ

کی عرضی، جو ہمارے قبائل کے لکھنؤ سے مچھلی بندر

پہنچنے کے بارے میں ہمارے پاس آئی تھی

ربیع الثانی سنہ ۱۲۱۳ھ کی پانچویں کو حضرت مقدسہ محل اشرف خیر و خوبی کے ساتھ حضور کی جانب روانہ ہوئی ہیں۔ ان شاء اللہ تقدس دیدار فیض آثار سے بہرہ ور ہوئی۔ بندے نے فرط عقیدت اور انتہائے حسن ارادت کے ساتھ کچھ مراتب خصوصیت اخلاص آثار لالہ بھگوان داس کے ذریعے پیش کئے ہیں۔ موصوف حضور میں پہنچا ٹھلکے اور اُن جناب کی بزرگ ترین مہربانیوں سے امید ہے کہ وہ شرف قبول سے مترون ہوں گے۔ زیادہ حد ادب۔

ہمارے قبائل کا چیلنا یمن مندراس پہنچنا

ماہ جمادی الثانی سنہ ۱۲۱۳ھ کی گیارہویں تاریخ کو خشکی کے رستے سے جناب عالیہ حضرت والدہ صاحبہ خدا اُن کا سایہ ہمارے سر پر تادیر رکھے خیریت اور سلامتی کے ساتھ ہمارے پاس پہنچیں۔ اُن کے ساتھ ہمارے چھوٹے علاتی بھائی مہرزا متصد امین الدین عرف میرزا امانی اور بیگم صاحبہ یعنی ہماری محل بھی تھیں۔ یہ نہایت عفیونہ اور صحیح السب سادات سے ہیں۔ نواب خان دوران خاں شہید مرحوم کے قرابت داروں میں ہیں۔ اُن کے ساتھ ہماری شادی خاص حضرت قدر قدرت شاہ عالم بادشاہ عالم کے دست خاص سے لکھے ہوئے حکم سے قلعہ مبارک شاہ جہان آباد میں ہوئی تھی۔ اُس وقت تک ہمارا کوئی نکاح یا شادی اور کسی

ادنے و اعلیٰ کے ساتھ نہیں ہوئی تھی، بلکہ اس کا خیال بھی نہیں آتا تھا۔ بیگم صاحبہ کے ہمراہ مہری دونوں نور چشم بیٹیاں بھی آگئیں۔ خدا ان کی عمروں میں ترقی دے۔ ایک کا نام سعیدۃ النساء بیگم اور دوسری کا نام وجیہۃ النساء بیگم ہے۔ یہ دونوں ”محل موصوفہ معتصمہ“ ہی کے بطن سے ہیں۔ پہلی بچی قلعة شاہ جہاں آباد میں اور دوسری لکھنؤ میں پیدا ہوئی تھی۔ غرضکہ الصدقہ سب خیریت اور سلامتی کے ساتھ پہنچ گئے۔ اگرچہ اٹھارے راہ میں بہت کچھ اسباب تلف ہو گیا۔ اس حسن خدمت کے صلے میں، میں نے اپنے دیوان کو راے کے خطاب اور خلعت سے سرفراز فرمایا، اور بہت شاباشی دی۔

اس کے بعد جناب ہمشیرہ صاحبہ نواب سلطان النساء بیگم نے ان سے ملاقات کی۔ اور نقد و جنس کے علاوہ جزاؤ زبور، قیمتی کپڑے، بدری اور سونے چاندی کے برتن وغیرہ عطا فرمائے دونوں نور چشموں کو خوش کرنے کے لیے عمدہ عمدہ چینی کی گڑیوں اور کھلونوں سے تواضع کی۔ بچہوں کو جب کبھی کوئی ضرورت پیش آتی ہے، بہن صاحبہ موصوفہ ان کی تکمیل میں ضرور امداد فرماتی اور دونوں پر دلی شفقت مبذول رکھتی ہیں۔

ہماری سابقہ ماہوار کے علاوہ، نواب صاحب موصوف کی طرف سے والدہ صاحبہ کی، ہمارے محل اور بھائی کی تلخواہیں بھی مقرر ہو گئیں، جو ہماری تلخواہ کے ساتھ برابر پہنچتی رہتی ہیں۔ اسی سال ہمارے چھوٹے محل میں ایک لڑکی پیدا ہوئی، خدائے تعالیٰ عصمت و عفت کے ساتھ اُسے طبعی عمر کو پہنچائے۔ نواب موصوف نے ایک مرتبہ حسینی باغ میں ہم سے ملاقات فرمائی۔ پان و فیروزہ کی رسم ضیافت عمل میں آئی۔ دو تین بار برج داس کے باغ میں تشریف لائے، مگر دروازے پر ہی ملاقات کر کے چلے گئے۔

شاہزادۃ سلیمان شکوہ بہادر کا پہلا رقعہ، جو ہمارے معتد، راے

بھوان داس دیوان کے ہاتھ ہمارے نام آیا تھا

مہرے عزیز فرزند! ہمیشہ قادر ذوالجلال کی عنایتوں اور مہربانوں کے مورد رہیں۔ بھتد دعاؤں اور بے حساب اشعتیاتی کے بعد آپ کے دل پر جو

اتحاد و محبت کے اثر سے معمور ہے ملکشف ہو کہ اس اثنا میں ہمارا الطاف منزل دل آپ کے حالات معلوم کرنے کے لئے متفکر تھا۔ آپ کے معتمد نے حضور میں حاضر ہو کر صحت و عافیت کی خوش خبری دی اور ان اطراف میں آن فرزند کے خیریت سے پہنچنے کا حال عرض کیا۔ ہمارے عفویت منزل دل کو مسرت و خوشی اور اطمینان و رفعت حاصل ہوئی۔ آن فرزند کے خلوص و محبت اور صدق ارادت کے مراتب ہزار گونہ یاد دہی اور یاد آوری کے مقتضی ہیں۔ آپ کی جانب سے یک جہتی کے جو مدارج مابدولت کے حضور ساطع النور میں ثابت ہو چکے ہیں۔ وہ شرح اور تفصیل کے محتاج نہیں۔ آن فرزند عزیز کے ان مضبوط تعلقات کی وجہ سے یہ سمجھنا چاہئے کہ ہماری مہربانہوں سے بھرے ہوئے دل کو آپ ہر لمحہ اور ہر آن اپنی ارادت بلدانہ حالت کی جانب متوجہ اور اس سے وابستہ تصور کریں۔ اپنی خیریت مزاج سے جو عقیدت و ارادت سے بھرا ہوا ہے، اکثر و بیشتر مطمئن اور مسرور کرتے رہیں۔ زیادہ شوق ملاقات اور دعاؤں کے سوا کیا لکھا جائے۔

اس شقہ کے ساتھ نواب صاحب کے نام جو شقہ آیا تھا، اس کی نقل مہرے پاس نہیں ہے۔

نواب خان درواں خان مرحوم کے نواسے نواب اشرف خان کی عرضی

جو بردوان سے ہمارے قبائل کے ہمراہ پہنچی

قبلہ عالم و عالمیاں سلامت۔ سرفراز نامہ نامی وحی آسانی کی طرح راے بھگوان داس جیو کے ذریعے پہنچا جو حضور کے قبائل کے ہمراہ جا رہے ہیں۔ اس خط نے عز و روڈ فرما کر ممتاز و معزز فرمایا۔ جن مراتب کی طرف راہ نائی کی گئی تھی، ان کی آگاہی کا شرف بخشا۔ خدا کا شکر اور احسان ہے کہ اس نے ہم ترقی چاہنے والوں کی خواہش کے موافق ایک طرح سے حضور کے لئے وہاں کے قیام کی صورت ظہور یزیر فرمادی۔ خدائے سبحانہ تعالیٰ جناب مستطاب کو روز بروز بہبودی اور خیر سے مترون فرمائے۔ ”بسمحمد و آلہ الامجاد“۔ حضور کے ایسا کے موافق راے صاحب حضور کے قبائل کے ساتھ اس ضعیف کے مکان میں دو روز تشریف فرما رہے۔ پھر عنایت ایزدی کی رہنمائی میں اس طرف روانہ ہوئے۔ خدائے سبحانہ تعالیٰ

بہت جلد اچھی طرح، خیر و عافیت کے ساتھ مقام مقصود پر پہنچائے۔
 امید ہے کہ آپ مزاج و ہاج کی صحت کی خوہں خبری سے اس خیر طلب کو
 اکثر منتظر اور شادمان فرماتے رہیں گے۔ ملازمت کی آرزو کے سوا اور زیادہ کیا
 التماس کرے۔ الہی آفتاب اقبال ترقی پر رہے۔

نواب اشرف خاں کے بیٹے خواجہ محمد حسین خاں بہادر کی عرضی
جو ہمارے قبائل کے ساتھ پہنچی تھی۔ یہ صاحب بردوان میں
خاندوران خاں مرحوم کے بھائی خواجہ انور شہید کے
مقبورے میں دھا کرتے ہیں

تبار عالم و عالمیان۔ ان مبارک ایام میں آن خداوند (جو بہت سی امیدوں
 کا مرجع ہیں) کے محترم قبائل کا نزول اجلال ہوا، جو اس جاں نثار فدوی
 کے لئے قسم قسم کے افتخار کا سبب اور طرح طرح کی عزت اور وقار کا موجب ہوا۔
 ایذا مٹان کا شکر اور سیاسی ہے کہ اُس نے آپ جیسے بزرگی اور احسان والے
 آقا کو اپنے عام فصل و کرم سے عزت و وقار کے ساتھ اُس دیار میں تھرنے کی
 صورت عطا فرمائی۔ خدا کا احسان ہے کہ ہم عقیدت مندوں کے دلوں میں
 جو کچھ آرزو ہیں پلہاں تھیں، قوت کی کسین گاہ سے ظہور کے تختے پر جلوہ
 آرا ہوئیں۔ دعا ہے کہ وہ خدا عز و جہ ترقی چاہنے والوں کی خواہش سے زیادہ
 جناب کو اعلیٰ مدارج اور مراتب پر فائز فرمائے۔ برب العباد۔ امید ہے کہ فدوی
 کو حضور پر نور اپنے وابستگان سے تصور فرما کر ہمیشہ عنایات آمیز شقوں کے شرف
 نصیر سے متناز و سرفراز فرماتے رہیں گے۔ چونکہ حضور کے تفضلات اس فدوی
 کے حال پر مبذول ہیں۔ اسلئے ہمیشہ اور ہر وقت میرا عقیدت منزل دل
 حضور کی دولت ملازمت حاصل کرنے کا خواہاں اور امیدوار و نگران رہا کرتا ہے۔
 جس وقت بھی ملازمت ملازمان کی سفادت کے لئے ایماں اور ارشاد
 ہوگا، اسی وقت حاضر حضور ہو جاؤں گا۔ آفتاب دولت و اقبال تابان و
 درخشاں باد۔

شاہزادہ مہرزا سلیمان شکوہ بہادر کے شقے کی نقل، جو ۲۹ جمادی الاول

سنہ ۱۲۱۵ھ کو راقم کے نام آیا۔ یہ دست خاص کا لکھا ہوا تھا

اور اس پر اُن کی چھوٹی مہر لگی تھی

سلطنت کی آنکھ کی تھلڈک، جان سے زیادہ عزیز فرزند، برخوردار کامکار، راحت جان محمد ظہرالدين ميرزا علی بنخت بہادر سلمہ اللہ ہمیشہ آپ شاہانہ الطاف کے مورد رہیں۔ اور معلوم کریں کہ آپ کی عرضی نظر سے گزری۔ جو کچھ کیفیت درج تھی معلوم ہوئی۔ خدا کے فضل اور جناب رسالت پناہ کی عنایت سے اپنی جانب کے حالات سزاوار شکر ہوں۔ اور اُن فرزند کے مزاج کی خیریت درکار ہے۔ اب اگر نواب صاحب کو شقہ لکھوں گا تو اِن شاء اللہ تعالیٰ آپ کے معروضے کے مطابق اُسی القاب سے لکھوں گا۔ باقی حالات سیادت و نجابت مرتبت فدوی خاص لائق العنايات والاحسان مہر بہادر علی خاں سے معلوم ہونگے۔ زیادہ والسلام۔

تلبیہ: مہر بہادر علی خاں عالی قدر سادات سے ہیں۔ اور اِن کی بیوی شاہزادہ موصوف کی حقیقی خالہ ہیں۔

شاہزادہ موصوف کے اُس شقے کی نقل جو منشی کے ہاتھ کا

لکھا ہوا ہے اور اُس پر اُن کی خاص چھوٹی مہر لگی ہے

اِس مہر پر شاہزادے کا یہ سجع کدہ ہے

”اِنَّ مِنْ سَلْمَانَ وَاِنَّهُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“

مہرے عزیز فرزند! آپ ہمیشہ حافظ حقیقی کی حفاظت و حمایت میں رہیں۔ اور دونوں جہاں کے مطالب میں کامیاب ہوں۔ آپ کی بھیجی ہوئی عرضی عین تردد اور دلی انتظار کی حالت میں پہنچی۔ آپ کی صحت و عافیت سے اطلاع حاصل ہوئی، اور جو حالات عرض کئے گئے تھے وہ واضح و لائح ہوئے۔ آپ نے لکھا تھا کہ میں جانب کا شقہ نواب عمدۃ الامراء کو عمدۃ طور سے پہنچا دیا۔ لیکن القاب میں ولی عہد مہرزا اکبر شاہ بہادر کی تصریح کے موافق لفظ برادر لکھنا ضروری ہے۔ میں جانب کے نوشتہ جات میں سے کسی ایک کا جواب بھی اُن فرزند کی جانب سے وصول نہ ہوا۔ مہرے فرزند عزیز! یہاں سے اُن فرزند کو دو قطعے روانہ کئے گئے، لیکن آپ کے اِس عریضے کے سوا

اور دریغے ہماری نظر سے نہیں گزرے۔ کمال تردد کا سبب تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اب تشویش دور ہوئی۔ ایک شقہ چھوٹے کافد پر نواب عمدۃ الامراء بہادر کی خدمت میں پہنچانے کے لئے ”لقاب برادر“ اور اشتیاقی ملاقات، و ثناء کے ساتھ روانہ کیا جاتا ہے۔ اسکو پہنچا کر اُن کی عرضی جواب میں بھجوانا چاہئے۔ باقی مراتب سیادت مرتبت میر بہادر علی خاں کے ذریعے پہنچائے گئے ہیں۔ اُن کی تصریح سے دریافت کر کے آپ کو اُن کے حالات کی درستی اور استحکام میں دل سے مصروف رہنا چاہئے۔ ہر چند میرے دل کو یقین ہے کہ اُن فرزند عزیز کو کہلے اور لکھنے کی ضرورت نہیں۔ پھر بھی اُس دلی محبت کے تقاضے سے لکھتا ہوں، جو آپ میرے ساتھ رکھتے ہیں، امید ہے کہ آپ ہرگز غافل و عاطل نہ رہیں گے۔ بطور تاکید لکھا جاتا ہے کہ بہر طور اُن فرزند کے مساعی جملہ اور بلیغ کوششوں کے اظہار سے ہم کمال درجہ مسنون اور شکرگزار ہوں گے۔ اُن فرزند کا حسن عقیدت اور محبت ہمارے خاطر مبارک میں نقش ہے، اور آپ کو اپنا سب سے زیادہ عزیز جانتا ہوں۔ یقین ہے کہ ہماری دولت خواہی کے تمام امور میں آپ دل و جان سے آمادہ و حاضر رہیں گے۔ میں بھی اُن فرزند سے نہایت خوش اور رضامند ہوں۔ تمام وجوہ سے اپنی خاطر جمع رکھیں۔ اور جس امر کی تاکید کی گئی ہے، اس کی تکمیل کے لئے مصروف رہیں، اس سے زیادہ اور کیا لکھا جائے۔ آپ کو لازم ہے کہ اپنے مزاج کی صحت اور خیر و عافیت سے جلد جلد مسرور کرتے رہیں۔

فرزند عزیز از جان محمد ظہیر الدین مورزا علی بخت بہادر حافظ حقیقی کی حفاظت میں رہوں۔ ۲۹ جمادی الثانی سنہ ۱۲۱۵ھ۔

شاہزادہ موصوف نے ایک شقہ لکھنے سے نواب عمدۃ الامراء بہادر کے نام

بھجوا تھا۔ نواب موصوف نے اس کو کھول کر پڑھا اور پڑہ کر میرے پاس

بھجوادیا۔ میں نے اس کی نقل لے کر رکھ لی تھی جو درج ذیل ہے:

تاریخ ۲۹ جمادی الثانی سنہ ۱۲۱۵ھ

امارت و ایالت پناہ، حشمت و شوکت دستکاز، اعتضاد خلافت و فرمانروائی اعتماد سلطنت و کشور کشائی، اسوۂ مخلصان درگاہ، عمدۂ مخصوصان بارگاہ، قدوۂ خوانین بلند مکان۔ زبدۂ امراء رفیع الشان، مطرح انظار عنایت

متمولی، مورد الطاف معالی، محترم خلوت خاص، انیس بزم با اختصاص، لائق العنایت والاحسان، قابل المرحمت والامتنان۔ برادر عزیز از جان ہماری طرح طرح کی عنایات سے منتظر اور مباهی رہ کر معلوم کریں کہ اس اٹلا میں فرزند عزیز از جان محمد ظہیر الدین مہرزا علی بخت بہادر کی تصریح سے آن امارت و ایالت پناہ کی صحت و عافیت کا مؤدہ پاکر کمال مسرت و شادمانی حاصل ہوئی۔ آپ کے اخلاق حمیدہ اور پسندیدہ صفات از بسکہ سامعہ افزوز ہوئے۔ باوصفے کہ رسل و رسائل کا سلسلہ جاری نہیں۔ لیکن میں اپنے خاطر عاطر میں جو اشتیاق اور باطنی شوق و ذوق رکھتا ہوں، وہی اس طرف سے خیریت دریافت کرنے اور رسائل شوق کے سلسلے کو حرکت میں لانے کا سبب ہوا۔ اسی کے اشارے پر عمل پیرا ہو کر یہ شقہ لکھا گیا۔ آن برادر عزیز کی خوبیوں کا مقتضی اور ارادت و عقیدت کا یہ فریضہ ہے کہ ہمیں اپنی خیر و عافیت کا جویا اور مشتاق سمجھکر ہمیشہ اس خوش خبری سے شاد کرتے رہیں۔ فرزند عزیز مہرزا علی بخت بہادر آپ کے حسن سلوک، مروت اور جوانمردی کے بہت بہت شکر گزار اور آپ کے اوصاف میں ترزبان ہیں۔ عزیز موصوف کا آن قوت بازوے خلافت کے پاس رہنا نہایت مناسب، بہتر اور ہمارے دل کی کمال خوشی کا باعث ہے۔ خدا کے فضل سے وہ قابلیت، اور فہم و فراست سے مہذب و آراستہ ہیں۔ اور اس زمانے میں دوستوں کی خیر خواہی میں بے نظیر ہیں۔ جس امر کی نسبت جناب اظہار فرمائیلگے، یقیناً اُس کا سلنا اور پسند کرنا ہر اہم معاملے میں اُن کے لئے بہتری اور ترقی کا باعث ہوگا۔ ہم کو ہمیشہ اپنی طرف متوجہ سمجھتے رہیں۔

لغافے پر مہر اور یہ عبارت لکھی تھی: اُنکس جمادی الثانی سنہ ۱۲۱۵ھ۔ سو نامہ پر لکھا تھا: ”امارت و ایالت پناہ، حشمت و شوکت دستکلا، اعتقاد خلافت و فرمانروائی، برادر عزیز از جان، عدۃ الامرا امیرالہند عدۃ الملک، اسدالدولہ انورالدین خان، حسین علی خان بہادر ذوالفقار جنگ۔“

شاہزادہ موصوف کے ایک دوسرے شقے کی نقل جو اسی مہلے مہرے

نام پہنچا تھا۔ اُس پر بھی چھوٹی دستی مہر لگی تھی

مہرے فرزند عزیز محصد ظہیر الدین مہرزا علی بخت بہادر ہمیشہ اس حافظ حقیقی کی حفاظت و حمایت اور مطالب دارین سے کامیاب رہیں۔ سہادت و نجات مرتبت مہر بہادر علی خان کی معرفت آپ کی مرسلہ عرضی پہنچی۔ اُسے مسرت اور خوشی دکھائی، اس کے مضمون سے آگاہی اور دریافت صحت سے نہایت درجہ اطمینان خاطر حاصل ہوا۔ حقیقت میں اُن فرزند عزیز کی محبت اور امداد، دولت خواہی و خیرستانی ہمارے دل پر منقوش اور ہمارے گمان کے موافق ہے۔ اور حد تھاس سے زیادہ ہم اُس کے متوقع ہیں، استقدر کہ بیان و اظہار کی ضرورت نہیں۔ اُن فرزند کا اُس دیار میں رہنا مہرے لگے اطمینان و دل جمعی کا باعث ہے۔ بلکہ بعینہ خود اپنا رہنا تصور کرتا ہوں۔ یقین ہے کہ جو کام بھی مہرزی دولت خواہی کا سبب ہوگا، ہرگز آپ اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کریں گے۔ ضروری ہے کہ اسی طرح اپنی خیریت لکھواتے رہیں، اور سمجھ لیں کہ ہم آپ کی پیاد میں ہیں۔

مہرزا سکندر شکوہ عرف مہرزا جہینکا کے شقے کی نقل جو اسی مہلے

مہرے نام پہنچا تھا۔ یہ شاہ عالم بادشاہ کے بیٹے اور

مہرزا سلیمان شکوہ موصوف کے سگے بھائی ہیں

فرزند عزیز از جان محصد ظہیر الدین مہرزا علی بخت بہادر، آپ ہمیشہ مورد تفضلات اور بعافیت رہیں۔ مرسلہ عرضی ہماری نظر فیض مظہر سے گزری، مندرجہ کیفیت معلوم ہوئی۔ نواب عمدۃ الامرا بہادر سے عرائض حاصل کرنے کے باب میں اپنے کوشاں رہنے کے متعلق آپ نے جو کچھ لکھا ہے سب معلوم ہوا۔ حقیقت میں یہ بات آپ کی عقیدت مندی سے بعید نہیں۔ یقین ہے کہ ہمارے معاملات میں کسی طرح سے قاصر نہ رہیں گے۔ آپ نے یہ جو لکھا ہے کہ آپ کے نام حضرت قدر قدرت کے شقے حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ اسلئے میں اس مضمون کی ایک عرضداشت حضور میں روانہ کرتا ہوں۔ جس وقت شقے حاصل ہوں گے آپ کو بھجوادوں گا۔ دوسری بات

یہ ہے کہ ہمیں معلوم ہوا ہے حضور پر نور حضرت ظل سبحانی خلد اللہ ملکہ کی جانب سے ایک ملبوس خاص نواب عمدۃ الامراء بہادر کے لئے روانہ ہوا ہے۔ آپ کی اطلاع کے لئے قلم عطوفت رقم سے تحریر کیا جاتا ہے۔ کبھی کبھی اپنی خیریت کے عرائض روانہ کرتے رہیں۔ کیونکہ اس سے ہمارے دل کا اطمینان متصور ہے، اور مابدولت کو ہمیشہ اپنی یاد میں مشغول سمجھیں۔ دوسری کھیتیں فدوی خاص سید شمس الدولہ کی تحریر سے ظاہر ہونگی۔

شاہزادہ میرزا سکندر شکوہ کے اُس شقے کی نقل جو لکھنؤ

سے مہری معرفت نواب عمدۃ الامراء کے نام

۱۶ شعبان المعظم سنہ ۱۲۱۵ھ کو آیا تھا

امارت و ایالت پناہ، حشمت و شوکت دستکاز، اعتضاد خلافت و فرمانروائی، اعتماد سلطنت و کشور کشائی، اسوۂ مخلصان درگاہ، عمدۂ مخصوصان بارگاہ، ذرۂ خوانین بلند مکان، زبدۂ امراء ذی شان، لائق العنايت والا حسان، برادر عزیز از جان امیرالہند والاجاہ عمدۃ الامراء اسدالدولہ انورالدین خان حسین علی خان بہادر ذوالفقار جنگ مورد تفضلات دھکر منتظر رہیں۔

فرزند عزیز محمد ظہیرالدین میرزا علی بخت بہادر کی اکثر عرضیوں سے آپ کی عقیدت مندی کی حقیقتیں اور آن خاصان بارگاہ کی خوبیاں حضور اقدس میں منکشف ہوتی رہی ہیں۔ جو شاہانہ مہربانیوں کے ازدیاد کا سبب اور سلطانی عنایت و عاطفت کا مزید موجب ہوئیں۔ اس لئے اپنے قلم فیض توام سے جو صفحہ ہستی کو زینت دینے والا ہے۔ لکھا جاتا ہے کہ آپ کی عقیدت مندی کا لازمہ یہ ہے کہ اپنی خیر و عافیت کی اکثر عرضیاں ہمارے حضور میں ارسال کرتے رہیں، تاکہ خاطر اقدس کی مسرت کو بڑھاتی رہیں۔ اور جس وقت کوئی امر میں جانپ کے توسط سے حضرت ظل سبحانی خلد اللہ ملکہ و سلطنت کے حضور سے تعلق رکھتا ہو، بے تامل ایما فرمادیا کریں۔ خدا نے چاہا تو اس باب میں شایستہ عنوان کے ساتھ ہماری بلیغ کوشش مہذول رہے گی۔

نواب صاحب کے اُس مکتوب مودت اسلوب کی نقل جو دونوں

شاہزادوں کے شقوں کی رسید اور جواب میں

یکم رمضان سنہ صدر کو میرے پاس پہنچا

سعادت توام نشانات کے شقے پہنچنے سے بہت کچھہ سعادتیں حاصل کیں۔
خدا نے چاہا تو بہت جلد آن جناب کی معرفت جوابات لکھوا کر اور تصائف
بھجوا کر بہرہ ور ہوتا ہوں۔ تصائف اور نشانات ماسبق کے جوابات کی
تصیر میں جو دیر ہوئی ہے، اس سے جناب کے خاطر گرامی میں کچھہ تعجب
پیدا ہوا ہوگا۔ مگر:

کجا داند حال ما سکساران ساحلہا

اتفاقی امور کا ہجوم میرے لئے تعویق کی تائید کرتا رہا۔ اللہ معنا و معکم۔
غلام حسین

ان دونوں شاہزادوں کے اور جو شقے آئے تھے، ان کے متعلق

نواب صاحب معز نے اسی سنہ میں مجھے ایک رقعہ لکھا، جسکی نقل

درج ذیل ہے۔ اسی میں مہر محمد تقی مہر دہلوی کو مدراس

بلانے کا وعدہ کیا تھا، جو میرے استاد اور بے نظیر

شاعر ہیں۔ خدا انہیں سلامت رکھے۔

”آپ کی تصیریوں کو اپنی آنکھوں کا سواد بنایا۔ شاہزادے کا نشان
(مکتوب) جو میرے نام تھا، رکھ لیا ہے۔ باقی کاغذات لفافے میں ارسال
کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو مہر محمد تقی مہر کو آپ کی معرفت
بلوائے لیتا ہوں۔ اللہ معنا و معکم۔“
غلام حسین

نواب صاحب کے ایک اور رقعے کی نقل جو میرے رقعے کے جواب اور شاہزادوں

کے شقوں کی رسید میں، اسی ماہ و سنہ میں آیا تھا۔ یہ رقعہ موصوف

نے اپنے خاص خط سے قلم سرمہ فرنگی (پنسل) سے لکھا تھا

جناب کے رقعہ گرامی نے معہ شقہ مکرم کے وارد ہو کر معزز فرمایا۔ اگرچہ
یہاں کی کیفیتیں بیان میں نہیں لاتا ہوں، پھر بھی جناب کے باورچی خانہ

خاص کی ماہوار بھیجئے میں جو تعویق ہو، اُس سے آپ جیسے نکتہ فہموں کو حال معلوم ہو جائیگا۔ محض اُس قادر لایزال کی بے مثال مہربانوں سے اس ضعیف کے کام سرانجام پارہے ہیں۔ جناب کی خدمت میں شقہ مکرم کا جواب لکھے میں یہ امر مانع ہے کہ چاہتا ہوں پہلی بار تصفوں کے ساتھ جواب روانہ کروں۔ اِن شاء اللہ المستعان بہت جلد اِس دولت سعادت کو حاصل کروں گا۔ ماہوار کی تاخیر سے اُن جناب اپنے خاطر کو مکدر نہ کریں۔

آیندہ ایسی تکلیف نہ ہوگی۔ اللہ معنا و معکم۔ غلام حسین

میرے چچیرے بھائی مرزا تاج الدین کے مدراس آنے کا بیان *

اسی سال بقر عید کے مہینے میں میرزا محمد تاج الدین نامی اپنے متعلقین کے ساتھ یہاں پہنچے۔ موصوف ہمارے چچاؤں کے فرزندوں میں ہیں۔ عمر میں ہم سے بہت بڑے اور بہت بال بچوں والے ہیں۔ جس وقت یہ مدراس پہنچے، نواب عمدۃ الامراء بہادر مرض موت میں گرفتار تھے۔ مگر امیرالدولہ بہادر امیر جنگ کی وساطت سے جو نواب والاچاہ مرحوم کے حقیقی بھانجے ہیں، میرزا صاحب موصوف کی تھوڑی بہت ماہانہ مدد معاش مقرر اور ایک ماہوار وصول بھی ہوگئی۔ نواب موصوف کی وفات کے بعد اسی سال کھلی انگریز بہادر کی سرکار سے اِن کے نام چار سو روپیہ ماہانہ مقرر ہوگئے، جو والاچاہی خاندان وغیرہ کے ساتھ پاتے اور اپنی بسر اوقات کرتے ہیں۔ عرصے سے انہیں خشکی دماغ کا عارضہ لاحق ہے۔ اللہ تعالیٰ شفاے عاجل اور صحت کامل عطا فرمائے۔ آمین۔

* سوانح ممتاز کا بیان :

سنہ ۱۲۱۶ھ میں میرزا تاج الدین بہادر شاہزادہ اپنے مہلات اور فرزندوں کے ساتھ نواب عمدۃ الامراء کی حکومت کے آخر میں مدراس پہنچے۔ مگر ایسے وقت کلا نواب مرحوم الموت کی حالت میں تھے۔ دادے شاد کے باغ میں ٹوکش ہوئے۔ نواب صاحب کی شدید بیماری کے سبب اُن سے ملاقات کا اتفاق نہیں ہوا۔ مگر جناب ہنگام عالی حضرت نواب عظیم الدولہ بہادر امیرالہند والاچاہ ثالث نے اپنی مسند نشینی کے بعد کلس محل کے بڑے دیوان خانے میں عزت و تکریم کے ساتھ ملاقات کی۔

وزیر معزول عباد الملک متخلص بہ نظام مغفور کے انتقال کی

خبر پہنچنے کا بیان

اسی سال سنلے میں آیا کہ نواب عباد الملک قازی الدین خان بہادر وزیر معزول متخلص بہ نظام کسی مصلحت کی بنا پر مہاران سے نواح کالہی میں پہنچے اور اپنی جاگیر معاش میں وفات پائی۔ اُن پر خدا کی رحمت ہو۔

اُس شقے کی نقل جو میہرزا سلیمان شکوہ کی جانب سے میرے نام پہنچا۔

اُس کے ساتھ میری معرفت نواب سلطان النساء بیگم کے نام کا شقہ بھی تھا،

یہ شقے نواب مغفرت مآب کی وفات کے بعد لکھوے سے

ہمیں پہنچے اور ماہ صفر سنہ ۱۲۱۶ھ کی

اُنتیسویں کے لکھے ہوئے تھے

میرے عزیز فرزند محمد ظہیر الدین میہرزا علی بخت بہادر خدا کی حمایت اور دونوں جہاں کے مقاصد میں کامیاب رہیں۔ مسرت طراز عریفہ عین انتظار میں خوشیاں لگے ہوئے پہنچا۔ اُن فرزند کی خیر و عافیت سے کمال درجہ خوش اور مطمئن کیا۔ ملد درجہ حقیقت واضح ہوئی۔ اُن فرزند کی محبت اور عقیدت کے مراتب میرے ضمیر میں نقش پزیر ہیں۔ اور آپ کے حسن کوشش سے ہم بہت خوش ہیں۔ اُن فرزند کے اظہار سے بھی زیادہ آپ کی دولت خواہی اور جانفشانی کے مدارج میرے دل میں جگہ رکھتے ہیں۔ اعتماد سلطنت برادر عزیز از جان نواب عدۃ الامراء بہادر کو ہمارا شقہ پہنچا دینے کے حالات معلوم ہوئے اور یہ بھی کہ وہ عرضی اور سوغات بھیجئے کا وعدہ فرماتے ہیں۔ آپ نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ برادر عزیز نواب موصوف کی جانب سے جواب پہنچنے میں ذرا دیر ہے، تاہم برادر موصوف کی بہن نواب سلطان النساء بیگم صاحبہ کو شقہ لکھا جائے۔ اُسی ایسا کے موافق ایک ملفوف شقہ مساعۃ موصوفہ کے نام روانہ ہے، آپ پہنچادیں، اور جواب لے کر یہاں بھیجیدیں۔ ہمیں رات دن اپنی طرف متوجہ اور اپنی صحت و عافیت

کا طالب سمجھکر اپنی خیریت کی خوش خبری سے مسرور کرتے رہیں۔ زیادہ اشتیاق آمیز دعاؤں کے سوا کیا کہا جائے۔ آپ کے دیوان فدوی خاص عقیدت اختصاص راے بھگوان داس کو مہربانی آمیز دعائیں۔

اُس شقے کی نقل جو نواب سلطان النساء بیگم موصوفہ کے نام آیا تھا

زیب حریم عصمت و عفت، زینت دودمان عزت و حرمت، فراست و شعور کی بزم کو زینت دینے والی اور حضور کی (ہماری) خاص الخصاص دولت خواہ، مشہورہ معظمہ محترمہ مکرمہ سلطان النساء بیگم سلمہ اللہ تعالیٰ۔

بہت بہت دعا اور گلزار مدعا کی گلدستہ بلندی کے بعد معلوم ہو کہ آپہ سابقہ روابط کے اقتضا سے برادر عزیز از جان، عمدۃ الامراء والاجاہ بہادر کی صحت و عافیت معلوم کرنے کے لئے ہزارا خاطر عاطر ہمیشہ متوجہ اور متعلق رہتا ہے۔ اس لئے کئی شقے فرزند عزیز از جان محصد ظہیرالدین مہرزا علی بخت بہادر کی معرفت بھیجے گئے۔ اور اب انہیں فرزند عزیز کے لکھے سے آن ہمشیرہ معظمہ کے عمدہ صفات، پسندیدہ خصائل، نیکیاں اور خوبیوں معلوم ہوئیں۔ ہم بہت خوش اور مسرور ہوئے۔ ہماری دلی عطوفت اور مہربانی کا تقاضا ہوا کہ اگرچہ خط و کتابت کا سلسلہ آپ کی طرف سے جاری نہیں ہوا ہے، تاہم آپ کی صحت و عافیت کا احوال پوچھتے رہنا، آپہ خاندان والاشان کے دستور کے مطابق ہمارے لئے مستحسن و مقصود ہے۔ اس لئے خامۃ الطاف شامہ سے لکھا جاتا ہے کہ ہم کو آپہ مزاج کی صحت کا جویا سمجھکر نوید عافیت سے مسرور کرتی رہیں۔ اور آپہ بھائی اعتماد سلطنت عمدۃ الامراء بہادر سے فرمائیں کہ یہاں سے دو قطعہ شقے، فرزند عزیز محصد ظہیرالدین مہرزا علی بخت بہادر کی معرفت، جناب کے نام بھیجے گئے ہیں۔ آپ کی برادرانہ محبت اور ارادت سے بعید ہے کہ اب تک جواب سے ہمیں خوش و خرم نہ فرمایا۔ چاہئے کہ آن ہمشیرہ معظمہ مابدولت کی وکالت فرماکر برادر عزیز موصوفہ سے جواب حاصل کر کے آپہ جواب کے ساتھ جلد ہمیں خوشلود کریں۔ کہ کمال

درجہ مابہدولت کی استرضائے خاطر کا سبب ہوگا۔ فرزند عزیز کا پاس خاطر اور دل جوئی عین مابہدولت کی خوشنودی ہے۔ زیادہ آن ہمشیرہ کی خوبیوں کے اشتیاق کے سوا کیا لکھا جائے۔

راقم کے نام مرشد زادہ موصوف کے خالو کترین مہر بہادر علی

کی عرضی۔ تاریخ و سلسلہ صدر

جناب عالمیہاں مآب قبلہ و کعبہ دوجہاں سلامت۔

کترین مہر بہادر علی آداب و تسلیمات، کور نشات بلدگی اور ملاقات کی سعادت حاصل کرنے کی تمنا کے بعد جو بیحد فوائد رساں اور ہمارے مطالب عظمیٰ کا خلاصہ ہے۔ عرض کرتا ہوں کہ عنایت نامہ عظامی نے عین انتظار میں صاحب عالم عالمیہاں کے نام کے عریفے کے ساتھ عزاجلال فرمایا، اور سرفراز و ممتاز کیا۔ ذات بابرکات کی صحت اور سلامتی پر اطمینان خاطر حاصل کر کے خدا کے شکر کا سجدہ بجالایا، مندرجہ حقیقت واضح ہوئی۔ نواب سلطان النساء بیگم صاحبہ کے نام حضور کا شقہ بھجوانے اور دیگر معاملات کے بارے میں تفصیل اور تشریح کے ساتھ جو کچھ بھی آن جناب نے لکھا تھا، کترین نے حضور پر نور میں عرض کیا۔ اور اُس کے مطابق حضور سے ایک شقہ نواب موصوف کے نام کا آن جناب کے نام کے شقے کے ساتھ منگوانا بھجوا گیا ہے، مطالعہ ساطعہ میں آئیگا۔ جناب صاحب عالم دام اقبالہ آن جناب سے نہایت رضامند ہیں۔ آن جناب خود بھی عرائض لکھنے تو نواب عمدۃ الامراء بہادر اور نواب صاحبہ موصوفہ سے شقہ جات کے جوابات بھجوانے میں دیر نہ فرمائیں، تاکہ کترین کے اطمینان خاطر میں اضافہ ہو۔ اور جو مرکوزات دلی جناب کے پیش نظر ہیں، اُن سے غافل نہ رہیں۔ زیادہ حد ادب۔

ماہ ذی الحجہ سنہ ۱۲۱۵ھ میں شاہزادوں کی خدمت میں سوغات،

تھلے اور نذرین بھیجنے کے لئے نواب صاحب کا وعدہ فرمانا اور

موصوف کی وفات کے حالات کا مختصر بیان

عہد اٹھنے کے دن، تیسرے پہر کے وقت نواب موصوف اور بیگم صاحبہ موصوفہ نے ہمیں طلب فرمایا اور رسم ضیافت بجلائے۔ میں نے شاہزادوں کے شقوں کے جوابات کا ذکر چھوڑا تو مسکراتے ہوئے نہایت شیریں زبانی سے فرمایا کہ ”اس تاخیر کی معذرت میں کمترین نے خدمت گرامی میں چند نیاز نامے بھیجے ہیں، اُن کی خلاف ورزی نہ ہوگی۔ خدانے چاہا تو کل پہر جناب سامی کو زحمت دوں گا، اور منصل عرض کروں گا۔ سوغات، ہدیوں اور نذرانوں کی کشتیاں تیار کر کے رکھوائی ہیں۔ جناب ہی کی معرفت دونوں شاہزادوں کو روانہ کروں گا۔“ اس کے بعد میں رخصت ہو کر اپنے گھر چلا آیا۔ دوسرے روز تیسرے پہر کو پھر نہایت منت و اصرار سے طلب کیا۔ میں اپنے بھائی مہرزا متصد امین الدین اور اپنے دیوان راے بھگوان داس کے ساتھ گیا۔ نواب موصوف نے دروازے تک استقبال کیا، میرا ہاتھ پکڑے ہوئے اندر لے گئے اور خلوت کرا دی۔ یہاں اب صرف اُن کے بیٹے تاج الامراء، سید شجاعت علی خاں، ہمارے بھائی اور دیوان موجود تھے۔ اِن چار کے سوا کوئی نہ تھا۔ شاہزادوں کو جوابات، سوغات اور نذرانے روانہ کرنے میں جو تاخیر ہوئی تھی، اس کے کئی ایسے اسباب اور بہن عذر بیان کئے جنہیں عقل نے باور کر لیا۔ اُسکے بعد کہا: اگرچہ یہ چیزیں اُن بلند اقبال مرشد زادوں کے لائق نہیں، لیکن بالفعل سوغات و تحفہ جات اور نقد نذرانے کی چند کشتیاں دونوں مرشد زادوں کے لئے تیار کرائے رکھی ہیں۔ اسی مہلے خدمت گرامی میں بھیج دوں گا تاکہ جناب اپنی معرفت روانہ فرمائیں۔ میں نے کہا ”مجھے منظور نہیں کہ یہ کام میری معرفت ہو۔ اس لئے کہ ہماری سرکار کے لوگ ہمیشہ میرے خطوط و فدیہ لے کر آتے جاتے ہیں۔ اگر آپ مرشد زادوں کو خوش کرنا چاہتے ہیں تو اپنے معتمدوں کے ذریعے یہ نذرانے، خطوط اور تحائف روانہ فرمائیں۔“ نواب صاحب نے اس بارے میں بہت سے عذر کئے، اور سخت قسمیں دیکر اس کام کا سرانجام میرے ہی ذمے رکھا۔ کہا کہ یہ امانت سرکار کے دیوان کو سپرد کیے دیتا ہوں۔ اور ایک عرضی

جناب سامی کے نام اس طرح لکھے دیتا ہوں کہ میری وہی عرضی جناب اپنی عرضی کے ساتھ مرشدزادوں کی خدمت میں پہنچادیں، اور رسیدیں طلب فرمائیں۔ فرض نواب صاحب نے میرے دیوان راے بھگوان داس کے لئے ایک جہاز کا انتظام کیا۔ اور اُسکا خرچ بھی مقرر فرمادیا تاکہ اُس میں سوغات اور نذرانے کا زر نقد وغیرہ اپنے ہمراہ لے جا کر پہنچائے۔ اور جوابات لے کر جلد تر اُسی جہاز پر واپس آجائے۔ ان امور کے طے پا جانے کے بعد میں نے پوچھا کہ ”سنا ہے جناب کے دشمنوں کے بدن پر چند روز سے کچھ چھوٹی بڑی پھنسیاں نکل آئی ہیں۔ یہ خارش کی قسم سے ہیں یا کوئی دوسرا مواد ہے۔ اسی وقت مجھے چند پھنسیاں بتائیں اور کہا کہ یہ اسی ذیقعدہ کے مہینے سے جلن اور چہین کے ساتھ نمودار ہوئی ہیں۔ دیکھنا ہے کس قسم کا مواد ہے۔ میں نے کہا علاج کے لئے حکیم احمد اللہ خان دہلوی کی طرف رجوع فرمائیں وہ حکیم میر حسن دہلوی کے شاگرد رشید ہیں، عمر و زید کے علاج سے اجتناب رکھیں۔ ضرور اس باب میں احتیاط سے کام لیں۔ پھر رخصت ہو کر میں اپنے گھر چلا آیا۔ القصہ اُسی مہینے کے آخر میں نواب موصوف کی پیٹھ اور پہلو پر دملوں کے عارضے نے شدت دکھائی۔ روز بروز مرض بڑھ رہا تھا۔ محترم الحرام اور صبرالظفر سنہ ۱۲۱۱ھ کے پورے دو مہینے نہایت بے چیلی اور بمقتراری کے ساتھ گذرے۔ یورپ کے حکماء یعنی بڑے بڑے عقل و دانہ والے ڈاکٹر علاج کے لئے مامور تھے۔ لیکن:

چوں قضا آید طبیب ابلہ شود
و ان دوا در راہ خود گمراہ شود

ماہ ربیع الاول سنہ ۱۲۱۱ھ کی تیسری تاریخ کو بدہ کے دن پانچ گھڑی دن گزرنے پر نواب صاحب نے اپنی زندگی کی ودیعت خازنان جلت کے حوالے کر دی، اور اپنا سامان ہستی اِس دار دنیا سے لے کر ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئے۔ خدا اُن کی مغفرت کرے۔ مجھے بے حد صدمہ ہوا، اور چند شعہ اُن کی تاریخ وفات کے کہے، جو درج ذیل ہیں۔

فغان! وداع جہاں کرد عمدۃ الامرا
دگر عروس دکن ہم چو اونہا بد جلت

بہ خلتها همه خلتی مصمدی می داشت
 کہ بود، کز دل او گرد غم زرحم نہ رفت
 غریب پرور و مہمان نواز بود و کریم
 مدد شاہ و گدا بود آشکار و نہفت
 چہار شنبہ و سوم ربیع اول بود
 کہ از سرب ریاست بہ تخت مہت خفت
 چو جست اظفری تاریخ این غم عدہ
 ۵۱۲۱۶
 خورد ز روے تکبر چراغ بود بگفت

نہایت ہی متصل مزاج، متین، عاقبت اندیش، نکتہ یوں اور اخلاق
 مومنون سے آراستہ انسان تھے۔ فارسی خاصکر ریختہ میں شعر بہت اچھا
 اور بہ نسبت دکھنوں کے خوب کہتے تھے۔ اپنا تخلص ممتاز رکھا تھا۔
 بذلہ سلجی، لطیفہ گوئی، تفلن طبع سے بھی بہرہ یاب تھے۔ اکثر فوراً بر
 محل جواب دیتے تھے۔ ان کے طبع زاد چند اشعار لکھے جاتے ہیں:

میں بچائے ہوئے اس دل کو لئے پھرتا ہوں
 آہ کیا عقدہ مشکل کو لئے پھرتا ہوں
 ہم کو منظور نہیں قصائل کی تعمیر
 عمر جوں سایہ دیوار ڈھلی جاتی ہے
 دامن کو تیرے کھیلچے کے چھوڑے ہر آن دل
 باعث لنگ کے چلنے کا تیرے ہے جان! دل
 یا تمکے تبا ہو تو، یا چھاتی کا پدک
 ہرگز نہ چھوڑیو تو یہ دونوں مکان دل

عظیم الدولہ بہادر امیرالہند والاجاہ ثالث سلمہ اللہ کی نوابی کا ذکر، جو
نواب مصد علی خاں بہادر امیرالہند والاجاہ کے منجھلے بیٹے نواب
امیرالامراء فخر اللہ لہما کے فرزند ہیں۔ اس سال اس ضمن
میں اور جو جو حالات پیش آئے وہ بھی لکھے جاتے ہیں

نواب صدق الامراء بہادر مرحوم کی وفات کے بعد ان کے بیٹے علی حسین
 جن کا خطاب تاج الامراء اور تخلص ماجد تھا، اپنے باپ کی امارت حاصل کرنے

پر آمادہ ہوئے۔ لیکن مختلف وجوہ کی بنا پر میسر نہ آئی، اور یہ نقشہ اُن کی مراد کے موافق صورت پذیر نہ ہوا۔ بادشاہ انگلستان کی حکومت کے اہمیتوں نے اپنی طور پر بندوبست کر کے ماہ ربیع الاول سنہ ۱۲۱۶ھ کی انیسویں تاریخ کو امیرالامراء بہادر مرحوم کے بیٹے کو مسند ریاست پر بٹھایا اور انہیں کے نام نامی سے نوابی کی نوبت بجوائی۔ انہیں امیرالہند، والاچاہ عظیم الدولہ کا خطاب دیا، اور اُن کے حالات و حیثیت کے لائق ماہانہ معاش اور سالانہ آمدنی کا پانچواں حصہ مقرر کر دیا۔ سارے مالی اور ملکی کاروبار پر خود قبضہ کر لیا۔ عالم علوی کے کارکنوں نے جو کچھ ہماری معاش مقرر کر رکھی تھی وہ بھی والاچاہی خاندان وغیرہ کے ساتھ معین کر دی گئی۔ ہر مہینے بلا حجت بڑے آرام کے ساتھ ”الذصیب یصیب“ کے مطابق پہنچتی رہتی ہے۔ اس وقت ہم گوشے گمنامی میں بیٹھے ہوئے۔ بیکار لوگوں کی طرح محض بیکاروے اعتبار ہو کر اپنی مستعار زندگی کے دن گن رہے ہیں۔ اور منتظر ہیں کہ داعی موت کب پہنچتا ہے، کب ہم اس کی آواز پر لبیک کہہ کر اس دار ناپائیدار کو چھوڑتے ہیں، اور عدم کے زاویے بقا میں جا کر پناہ لیتے ہیں۔

اسی مہینے میں عظیم الدولہ بہادر نواب ہونے کے بعد راقم کے مکان پر تشریف لائے۔ میں نے ایک سرہستہ دستار مع گوشوارہ تبرکاً اُن کے سر پر رکھی۔ وہ اپنے بزرگوں کے طریقے پر آداب بجالا کر بیٹھے گئے، اُن کی موروثی خواہ اخلاقی کے ہم بہت شکرگزار ہوئے۔ عطر و پان کی رسم ادا کی۔ اسی طرح مہرزا ہمایوں بخت کے مکان پر بھی تشریف لے گئے۔ انہوں نے بھی تبرکاً کچھ دیا۔ اور نواب صاحب کے اخلاق سے بہت شاد ہوئے۔ اس کے بعد نواب صاحب نے ہمیں اپنے مکان پر بلوایا۔ دروازے تک استقبال کیا، اور میرا ہاتھ پکڑے ہوئے اندر لے گئے، مسند پر بٹھایا، اور خاطرخواہ پان، عطر وغیرہ کی رسم بجالائے۔ رخصت کے وقت بھی باغ کے دروازے تک رسم مشایعت ادا کی۔ ہمیں سوار کرایا، اور سلام کر کے رخصت ہوئے۔ ہم نے انہیں نہایت پسندیدہ اخلاق اور عمدہ اوصاف کا آدمی پایا، اور بہت مسرور ہوئے۔ خدائے تعالیٰ ہمیشہ اُن کی ذات گرامی کو انہیں پسندیدہ صفات کے ساتھ، بغیر کسی رنج و ملال کے مسند ریاست پر برقرار اور بیہودہ گفتار و کردار کی بدنامیوں سے مامون و محفوظ رکھے۔ ہمارے

ساتھ نہایت شایستہ سلوک اور عمدہ برتاؤ کرتے رہتے ہیں۔ ہمیں جو کچھ ضروری کام شادی اور مہمانی وغیرہ کا پیش آتا ہے، بے توقف امداد فرماتے ہیں۔ شادی، مہمانی، جشن، فاتحہ و درود نیز بزرگوں کے عرس اور سیر تماشے وغیرہ میں عزت و حرمت کے ساتھ دعوت دے کر ہمیں بلاتے بٹھاتے اور ضیافت کی رسم پاندان و عطردان وغیرہ کے ساتھ بجالاتے ہیں۔ ان کی محفل عالیہ یعنی نواب بیگم صاحبہ اپنے سارے خاندان میں نہایت عالی ہمت اور نیک سیرت ہیں۔ اپنے پرانے سب سے خاصکر ہم اور ہمارے محلات سے شادی و مہمانی میں دعوت دیکر بہترین سلوک کرتی رہتی ہیں، عمدہ اخلاق سے پیش آتی ہیں۔ ہمیشہ ہر طرح سے ہمیں خوش رکھتی ہیں۔ ان کے سب سے بڑے نیک اختر بڑھے فقرا لامراء بہادر نہایت صالح نوجوان اور مؤدب و مہذب انسان ہیں۔ بلکہ اپنے والد سے بھی زیادہ با اخلاق ہیں۔ چھوٹے بڑھے کا نام محمد علی خاں بہادر ہے، یہ ابھی بچے ہیں۔ مگر چہرے سے شایستگی کی علامتیں نمایاں ہیں۔ عظیم الدولہ کی نوابی کے دوسرے سال کے آغاز میں پیدا ہوئے، خدا ان سب کو سلامت رکھے۔

واقم کے یہاں لڑکی پیدا ہونے کا بیان

اسی سال ۱۰ جمادی الاول سنہ ۱۲۱۱ھ کو ہماری چھوٹی محفل سے ایک بچی پیدا ہوئی۔ ہم نے سارا بیگم نام اور جانی بیگم عرف رکھا۔ خدائے تعالیٰ صحت و عافیت اور عفت و عزت کے ساتھ عمر طبعی کو پہنچائے۔ اور خاطر خواہ اطمینان عطا فرمائے۔ بلکہ و کمال کرے۔

سرفراز الدولہ ناظم الملک مرزا احسن رضا خاں بہادر

ظفر جنگ کی وفات کا ذکر

اسی سال (سنہ ۱۲۱۶ھ) میرے برادر جان مہرزا جلال الدین بہادر کی تحریر پہنچی، جو انہوں نے لکھلو سے بھیجی تھی، اس سے یہ اطلاع ملی کہ ماہِ رجب سنہ صدر میں سرفراز الدولہ ناظم الملک مہرزا احسن رضا خاں بہادر ظفر جنگ، اپنی طبعی موت سے چل بسے، جو آصف الدولہ وزیر مرحوم کے نائب تھے۔ خدائے تعالیٰ انہیں بخشے، اور جنتِ نعم میں جگہ دے۔ اس نہایت وحشت ناک

خبر کو سن کر میں بے اختیار رو پڑا۔ کیونکہ اُن کا مکان دہلی کے تمام امیروزادوں اور لکھنؤ کے سارے شرفاء کا مرجع تھا۔ ہمارے ساتھ بھی بہت کچھ عمدہ سلوک مرعی رکھتے اور ہماری قابل قدر مدارات کرتے رکھتے تھے۔

سرفراز الدولہ مرحوم کے اخلاق سے متعلق چند باتیں

سرفراز الدولہ کے ساتھ سات سال تک صحبتیں رہیں۔ لیکن کبھی کسی حالت میں بھی انہوں نے ہمارے آداب کو نظر انداز نہ کیا، خواہ کیسا ہی موقع ہو۔ کبھی ہمارے سامنے مسند یا سوزنی پر تکیہ نہ لگایا۔ یہاں تک کہ ایک بار نہایت شدید سردی کے موسم میں بغیر کسی اطلاع کے میں اُن کی مزاج پرسی کو چلا گیا۔ انہوں نے مسہل لگے تھے، مگر ہمارے پہنچتے ہی مسند چھوڑ کر لب فرہی تک آگئے۔ اور سلام کر کے ہمارا ہاتھ پکڑ کر اپنی مسند پر بٹھایا، اور خود ہمارے سامنے بہت دور، دو زانو ہو کر بیٹھے۔ ہر چند میں نے کہا کہ سردی سخت اور مسہل کی حالت ہے، آپ کے لئے نرم و گرم فرہی زیادہ مناسب ہے۔ اس مسند پر اگر آپ بیٹھنا نہیں چاہتے تو بہتر ہے کہ اپنے لئے دوسری مسند منگوالیں۔ مگر سرفراز الدولہ نہ مانے۔ میری طرف سے جب بہت اصرار و مبالغہ ہوا تو کہنے لگے کہ ”آپ قیامت تک غلام سے یہ بے ادبی نہ دیکھینگے۔ سو برس تک روزانہ اگر اسی طرح احقر کے مکان کو اپنی تشریف آوری سے رونق بخشتے رہیں، تب بھی خدا نے چاہا تو ہمیشہ مہرا طرز عمل یہی رہے گا۔ بلکہ آپ اس ادب و آداب میں اور اضافہ ہی ملاحظہ فرمائینگے۔“ اُن کا انکسار اِس انتہائی درجے پر دیکھ کر آخر میں نے کہا کہ ”آپ کو ہماری جان کی قسم ہے، خدا کے لئے ہمارے سامنے اپنے کو غلام نہ کہا کیجئے۔ کیونکہ آپ نے اِس بھکسی کی حالت میں ہماری دستگیری کی ہے۔ ہم آپ کو اپنا مربی جانتے ہیں۔“ یہ کلمہ سنتے ہی اُٹھ کھڑے ہوئے اور ہاتھ باندھ کر کہنے لگے کہ ”اگر جناب کو اس غلام کی جان عزیز ہے تو غلام کی جان اور خون کی قسم کہ پھر کبھی غلام کو مربی نہ فرمائے گا۔ اپنی نسبت یہ لفظ سن کر مجھے لرزہ آتا ہے۔ میں کون اور کیا چھڑا ہوں کہ آپ حضرات کا دستگیر و مربی ہوسکوں۔ میں تو حضور کے غلاموں کے غلام سے زیادہ نہیں۔ غلام کے نصیب نے یادری کی جو آپ حضرات کی خدمت کی سعادت حاصل ہوگئی۔“

ایک اور دن کا ذکر ہے کہ سخت بیمار تھے، اُتھلے کی طاقت نہیں تھی۔ میں عبادت کے لئے گیا، تواضع نہ کرسکنے کی معذرت کر کے ہم دونوں بھانپوں کو کرسیوں پر بٹھایا۔ باقی سب چھوٹے بڑے امیر، اور اپنے پرائے، یہاں تک کہ اُن کے بیٹے بھی اُن کے پلنگ کی پٹی کے برابر قابیل کے فرش پر بیٹھے رہے۔

ایک دن میں اور سرفراز الدولہ دونوں گھوڑوں پر سوار جریب بازی و نیزہ بازی میں مشغول تھے۔ میں نے سبقت کر کے ایک چھڑی بہت ہی آہستہ سے سرفراز الدولہ کی پیٹھ پر لگادی۔ مسکرا کر فرمایا کہ ماشاء اللہ بہت خوب ضرب لگائی۔ میں نے کہا: آپ بھی اپنی چھڑی سے وار کریں۔ دیکھوں خالی دے سکتا ہوں یا نہیں۔ فرمایا: میں پہلے ہی عرض کرچکا ہوں کہ کھل کی حالت میں بھی آپ کبھی غلام سے کوئی بے ادبی نہ دیکھینگے۔

ایک روز میرے سامنے اُدھر اُدھر کی باتوں کر رہے تھے، کہ ایک دم اُتھہ کھڑے ہوئے، اور فرمایا: حکم ہو تو غلام ایک کام سے ذرا دیر کے لئے گھر کے اندر ہو آئے، ابھی ابھی حاضر خدمت ہو جائیگا۔ میں نے کہا مبارک۔ سرفراز الدولہ چلڈئے، تھوڑی دیر بعد ایک کاغذی تصویر ہاتھ میں لئے ہوئے گھر سے نکلے۔ اور تصویر میرے ہاتھ میں دے کر فرمایا کہ اِس کو ملاحظہ فرمائے۔ میں نے دیکھکر کہا: کوئی مغل سوار ہے۔ ہاتھ پر باز لئے ہوئے کسی پہاڑ پر چڑھا رہا ہے۔ سرفراز الدولہ نے فرمایا: ذرا اِس کاغذ کی پشت پر بھی ایک ناکہ فرمائیجے۔ دیکھا کہ بغیر کسی خطاب کے ایک مغل کا نام لکھا ہوا تھا۔ میں نے کہا: کسی مغل کا نام ہے، مگر میں نہیں جانتا یہ کون ہے، فرمانے لگے: اِس غلام کے حقیقی دادا ہیں، جو آنحضرت کے جد اعلیٰ یعنی حضرت بہادر شاہ بادشاہ ابن حضرت اورنگزیب عالم گھر غازی کے عہد میں بازاری کی خدمت پر مامور تھے۔ یہ سن کر میں اُس تصویر کی تعریف کرنے لگا۔ فرمایا کہ غلام کی قرض اپنے دادا کی ذات و صفات کی تعریف نہیں بلکہ ”مطلب سعدی دیگرسست“۔ میں نے کہا: وہ کیا؟ فرمایا کہ: خدا اپنے فضل سے اگر جناب کو مقدور عطا فرمائے تو غلام کی یہ موروثی خدمت یاد رہے۔ میں نے متعجب ہوکر کہا: اللہ تعالیٰ سب چھڑوں پر قادر ہے۔ مگر یہ خدمت تو آپ کے مرتبے سے بہت کم ہے۔ ہاں اُس وقت اور بلند مراتب میں سے کوئی خدمت لہنا چاہئے، جو آپ کی شان

کے لائق ہو۔ انہوں نے کہا: یہ سب حضور کی مہربانیوں پر موقوف ہے، لیکن اس عالی شان خاندان کی عادت یہی ہے کہ دوسری خدمتیں، موردی خدمت کے ضمن میں ہوا کرتی ہیں۔ اس کے بعد سرفراز الدولہ ایک ٹاٹ باف کا چارجامہ میرے حضور میں لائے، جو بالکل نیا تیار کیا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ اور بولے کہ یہ چارجامہ کس کا ایجاد کردہ ہے۔ میں نے کہا: مجھے معلوم نہیں بیان کیجئے۔ کہنے لگے: غلام کے حقیقی چچا سرکار دولت مدار حضرت معصود شاہ بادشاہ فردوس آرام گاہ مغفور کے زین خانے کی خدمت پر تھے۔ حضور مغفور کو فتی کا عارضہ لاحق ہوا تو زین پر بیٹھنے سے تکلیف ہونے لگی۔ اس لئے ایک پیش زین ایسا بنوانا تجویز فرمایا جس میں بیٹھنے کی جگہ نراخ ہو، کاریگروں کو حکم فرمایا گیا۔ آخر یہ نئے ایجاد کا چارجامہ غلام کے چچا کی معرفت تیار ہو کر حضور میں پیش ہوا۔ غلام کے چچا بہت کچھ مورد تحسین ہوئے۔ اس زین کے دکھانے کی غرض بھی صرف یہی ہے کہ یہ خدمت بھی خاطر خاطر میں رہے۔

سرفراز الدولہ ایک بار کلکتے گئے۔ وہاں سے واپسی کے بعد مجھ سے بھی ملاقات کی۔ دیر تک کلکتے کی، اس کی عمارتوں کی صفائی، اور وہاں کی سب چیزوں کی تعریف کرتے رہے۔ مثلاً شیشے کے آلات و سامان، چھلی کے برتن، چھڑیاں، بلدوق وغیرہ کہ ہر شے اس زمانے کی نو ایجاد، اور نئے انداز کی بنی ہوئی تھی۔ پھر فرمایا کہ کلکتے میں جس وقت میں نے حاضرین پر نگاہ ڈالی تو حضرت کی جگہ خالی پائی۔ بے اختیار یاد کرتا تھا، گویا حضرت غلام کے دل میں تھے۔ میں نے کہا: خدا کا شکر ہے کہ اس وقت بھی ہم فائینہن کی جگہ حاضرین سے بلند اور اعلیٰ تھی۔ حاشیہ نشینوں نے اس فقرے کی تفسیر پوچھی۔ میں نے کہا: الصد لئہ کہ اس وقت ہم فائینہن کی جگہ دل میں تھی۔ اور حاضرین کی جگہ اُس منزل میں۔ خوش ہو کر فرمایا: بلکہ ہمارے اور ہمارے بزرگوں کے سر اور آنکھوں پر، اگر آپ منزل بدائیں تو ہم اسے اپنی ابدی سعادت جانیں گے۔ پھر فرمایا کہ حضرت کے تصدق سے اگرچہ سب چیزیں مہیا تھیں اور اس غلام کا ارادہ بھی تھا کہ اس سفر میں حضرت کی ہرکامی حاصل ہو۔ مگر بعض حاشیہ نشینوں نے غلام کو دوا دیا کہ خدا جانے نواب صاحب کیا سمجھیں اور لوگ کہیں گے کہ تیموری خاندان کی نسل کو تورہ ہٹائے ساتھ ساتھ لگے پھرتا ہے۔ اس ہمت

سے ڈر کر حضرت کو یہیں چھوڑ گیا۔ مگر درحقیقت حضرت غلام کے دل میں جاگزیں تھے۔ میں نے کہا: بھائی جان! اب یہ فضیلت ہمارے لئے رذالت ہو گئی ہے۔ جو کوئی سنتا ہے کہ ہم تیموری نسل سے ہیں، ہم سے کٹا رہتا ہے۔ لومڑی اور مور کی دم کا قصہ ہے کہ اسی دم سے ان دونوں کو فضیلت حاصل ہے۔ مگر یہی دم اُن کے لئے وبال جان ہو گئی ہے۔ اسی دم کی بدولت وہ تکلیف اُٹھاتے اور دکھ پاتے ہیں۔ نہیں معلوم زمانہ آگے کیا رنگ لانا اور ہمارے ساتھ کیا کھیل کھیلتا ہے۔ سرفراز الدولہ نے ایک آہ سرد بھر کر کہا: خاطر مبارک کو ملول نہ فرمائے۔ یہ زمانہ بھی نہ دھیگا، آخر کوئی نہ کوئی جوہر شناس حضرت کی قدر و قیمت پہنچائے گا۔ اور یہ کچھ رفتار زمانہ بھی سیدھے راستے پر لگ جائے گا۔ حضرت کی عزت تو حضرت کی ذات کا وہ جوہر ہے جو کبھی جدا ہونے والا نہیں۔

ایک دن ایک عید کے موقع پر، گومتی پار، سرفراز الدولہ کی بارہ دہری کے نیچے، ندی کے کنارے ہم لوگ کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ میں تھا، میرزا جلال الدین محمد ظفر الدین عرف میرزا حسین بخش بھی تھے۔ ان کو میں نے اپنی اولاد کی طرح تربیت کیا اور پالا ہے۔ اکثر تھو اندازی اور سپرو تماشا وغیرہ میں، نواب وزیر اور اُن کے نائب کی مجلسوں میں انہیں اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ ہم سب بیٹھے تھے کہ اتنے میں سرفراز الدولہ کے صاحبزادے محمد رضا خاں بہادر آگئے۔ نہایت ادب کے ساتھ مبارکباد کہہ کر اپنا سر جھکایا کہ میں گلے لگا لوں۔ مگر جوش محبت سے میں نے چاہا کہ اُتھ کر سہلے سے لگاؤں۔ فوراً سرفراز الدولہ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا، اور کہا: آپ کو غلام کی جان کی قسم! پھر کبھی ایسی نا مناسب اور خلاف شان حرکت کا خیال بھی اپنے دل میں نہ لائیگا۔ ورنہ غلام کی آزر دگی کا باعث ہوگا۔ آئندہ مجھ سے سامنے آنے میں بھی تامل ہوگا۔ یہ غلام زادہ کب اس امر کی لیاقت رکھتا ہے۔ کیا یہ کافی نہیں کہ حضرت اپنا دست شفقت اس کے سر پر رکھ دیں۔ اور بیٹھنے کا حکم فرمائیں۔ یہ کلمات سن کر میں نے انہیں دعا دی، اور کرسی ہی پر بیٹھا رہا۔

مآ مصد ولایت زانے آن کی وفات پر ایک قطعہ تاریخ کہا تھا جو درج ذیل ہے:

یہ بزرگ نواب آصف الدولہ مرحوم کے استاد تھے

لاچورد کہ رہا طبع فلک! مردم رہاست
 می زند زنگار بر آئینہ دل این رماہ
 چرخ برگردد، زمین ویران شود، اختر سیاہ
 أمہات دھرو آبا را موالیدے مہاد
 می کند در تنگناے خاکت آخر تو تہا
 گر فریدونی وگر کینکسروی گر کینقیاد
 مجلس خلد اشتباہ سرفرازالدولہ را
 در بہ بست و بروخ دلہا در حسرت کشاد
 آنکہ از پہلوے جاہش پشت گرمی داشت مہر
 دور چرخش برد و بر خاک لحد پہلو نہاد
 گردہش چشمش برائے چشم زخم حرص و آز
 داشت بر بازوے دل خاصیت حرز جواد
 طرز دان ملت بیضا، رواج آموز شرع
 حامی دین، شعلہ بازار آئین سداد
 چون رجب شد از معصوم در وفاتش مشعبہ
 اشک و آہ ہرانش داد طوفان را بباد
 مژد اعمالش چو شد فردوس، رضوان بہشت
 ”نعم اجر العالمین، گنت و برویش در کشاد
 روح گنت از عالم ناسوت کاے ناسوتیان
 بہر تاریخ وفاتش در دعا ہر بامداد
 قدسیان وادی ہادی این ملادی می کلند
 ”وادی جلت مکان سرفرازالدولہ باد“
 ۱ ۲ ۵ ۱ ۶

والدۃ ماجدہ کی وفات کا بیان

اسی سال ۲۲ شوال سنہ صدر کو اس ستم رسیدہ کی والدہ نے مرض سرسام میں دنیائے فانی سے دار باقی کی طرف رحلت فرمائی، اور فردوس میں جا بسیں۔ اُن پر خدا کی رحمت ہو۔ بمصداق ”رغمینا بالقضاء“ میاں قاسم علی پیورزادہ کے باغ میں دفن کیا۔ یہ باغ ترمل کھیری میں قادرولی کے جھنڈے اور برجدا س کے باغ سے قریب ہے، عنایت باغ اس کا لقب ہے۔ جناب مرحومہ کے کچھ صفات اس کتاب کے آغاز میں لکھے چکا ہوں۔

انا لله وانا اليه راجعون۔

نواب تاج الامراء علی حسین بہادر ولد نواب عمدۃ الامراء مرحوم کی وفات کا بیان

اسی سال ماہ ذیحجہ کی دوسری تاریخ کو منزل کے دن تاج الامراء نے وفات پائی۔ اُن کا نام ماجد حسین اور تخلص ماجد تھا۔ اتھارہ سال کی عمر تھی کہ اسپال کبڈی میں مبتلا ہوئے اور نہایت حسرت و ارمان کے ساتھ بالکل نوجوانی کے عالم میں اپنی طبعی موت سے انتقال کیا۔ خدا اُن کی مغفرت کرے۔ اِس کم سلی میں فارسی اشعار کمال فصاحت کے ساتھ کہتے اور نازک مشامین پیدا کرتے تھے۔ اشعار کو سمجھتے بھی خوب تھے۔ عمر اگر وفا کرتی تو دکن میں ”صائب“ وقت ہوتے۔ اُن کے طبع زاد چند اشعار ذیل میں درج ہیں۔

ابھات ماجد

نہ خواہد بست مانی نقہی خط آن پریرو را
اگر از جوهر آئینہ سازد خامہ مورا
مگر دید است حسن گردنت ساقی سرت گروم
کہ مہنا این قدر برداشته فریاد قلقل را

نقاب از گل مگر برداشت است آن آفتاب امشب
کہ از خجالت عرق ریزد چو شبنم آفتاب امشب

ماہ در آب شود غرق ز خجالت مآجد
گل رخ من اگر آید بلب جو امشب

شباب رفت و همین قد حلقہ سائے هست
اگرچہ گم شدہ تہرم ولے کمانے هست

آن عرضیوں کی نقلیں جو میں نے بادشاہ سلامت اور ولی عہد بہادر کے

حضور میں ماہ رمضان المبارک سنہ ۱۲۱۶ھ میں بھیجی

تھیں اور ان رقموں کی نقلیں جو ان عرضیوں کے

ساتھ میہرزا مغل و میہرزا طغل کے نام بھیجے تھے

حضرت قدر قدرت کے نام کی عرضی :

یہ خانہ زاد نمک پروردہ بھی ہے اور فرزند بھی، واسع الاعتقاد فدوی بھی۔ اور جناب اقدس کی حقیقی پھٹی کا نواسازادہ بھی۔ اپنے بلندوں کو پیدا کرنے والے معبود سے امید واثق رکھتا ہے کہ زندگی بھر اس غلام سے رسوخیت کے سوا بغاوت اور سرکشی کی کوئی بات سرزد نہ ہوگی۔ اب تک اسی کے موافق عمل ہو رہا ہے، جو خانہ زادی اور فرزندگی کا شبوہ ہے۔ حضور پر نور کو تفصیل سے معلوم ہوا ہوگا۔ چہ پور اور چودھپور کے متعلق جو کچھ حضور کے مبارک کانوں تک پہنچتا ہے، سب بپہودہ افترا پردازوں کی جانب سے ہے۔ اصلیت کچھ بھی نہیں، تاہم حضور کی شاہانہ عنایت سے امید ہے کہ مجھ سے بالارادہ یا غلطی سے جو کچھ بھی تقصیر ہوئی ہو اُسے معاف فرما کر یہ حکم اشرف نائد فرمایا جائے کہ ولی عہد بہادر حضور کے شقہ خاص کرامت اختصاص کے دو کلموں سے غلام کو سرگراز فرمائیں۔ چند سال سے غلام نے اپنا تخلص تبدیل کر دیا ہے۔ پہلے فسکور تھا، اب اظفری رکھا ہے۔ اطلاعاً عرض ہے۔ زیادہ حد ادب۔

ولی عہد بہادر کے نام کی عرضی

حضرت صاحب عالم و عالمیاں ولی عہد بہادر سلامت۔ آداب و تسلیات ادا کرنے کے بعد التماس پرداز ہوں کہ حضرت قدر قدرت کے حضور میں

ایک عرشی روانہ کی جاتی ہے۔ امید ہے کہ میرے غیر واقعی تصوروں کی معافی کے لئے نہایت درجہ کوشش مبذول فرما کر مرحمت نامہ عنایت فرمائیں گے۔ تاکہ جو کچھ خدمت نیاز مندوں اور فرزندوں کے لائق ہے، دور بیٹھ کر بچاؤں۔ اور جس امر کے لئے مامور فرمائیں، اس میں کوشاں رہوں۔ دونوں صاحبان مہربان مرزا مغل صاحب اور مرزا طفیل صاحب کو بلدہ کی جانب سے بلدگی پہنچائیں۔ اُن جناب کی نسبت بلدے کی رسوخیت کا جو حال ہے، وہ اُن صاحبوں سے دریافت فرمائیں۔ سب سے پہلے اُن جناب سے نوازش کی امید ہے، جناب کو معلوم ہے کہ اس سے پہلے پہلے ہمارے جد امجد حضرت بہادر شاہ خلد منزل کی حکومت تک اِس عالی شان خاندان کا یہ دستور تھا کہ اپنے فرزندوں سے اچھے اچھے کام لیا کرتے تھے، اور عمدہ ماصبوں پر سرفراز فرماتے تھے۔ مگر یہ رسم ہمارے جد اعلیٰ یعنی محمد معزالدین شاہ جہاندار شاہ المضاطب بہ حضرت عرش آرام گاہ موصوف کے عہد سے اُتھ گئی۔ اُنہوں نے ہم سب یعنی اپنے چچاؤں کی آل و اولاد کو قلعہ مبارک میں قید فرمادیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گورگانی سلطنت کا رعب و داب برباد ہو گیا۔ کیونکہ یہی فرزند سلطنت کو قوت پہنچانے اور حکومت کی اعانت کرنے میں قوی دست و بازو ہوا کرتے ہیں۔ (ہم من ہم دو کھلے ہوئے رقبے مرزا مغل اور مرزا طفیل صاحبان کے نام جناب کے نام کی عرشی کے ساتھ ملفوف ہیں۔ امیدوار ہوں کہ انہیں پہنچا کر اور اِن کے جواب لے کر اپنے خاص شقے کے ساتھ عنایت فرمائیں گے۔ بجز تسلیات اور فرزندانہ بلدگی کے اور زیادہ کیا لکھا جائے۔

مرزا مغل اور مرزا طفیل صاحب کے نام کے رقبوں کی نقل

صاحبان مہربان، قدردان مرزا مغل صاحب و مرزا طفیل صاحب! اللہ آپ دونوں کو سلامت رکھے۔ بڑے مرزا اظفروی کی جانب سے جسکا تخلص پہلے منظور تھا، فرزندانہ بلدگی کے بعد عرض ہے کہ: ایک طویل مدت گزر گئی کہ آپ صاحبوں کی خیر خبریت معلوم نہ ہوئی۔ دل کو بیحد اضطراب لاحق ہے۔ اور جان کو تڑا نہیں۔ وہ مسبب چاہے تو ملاقات کے اسباب بہم پہنچا سکتا ہے۔

بہت: ہر دم دعا ہا مہکلم بر خاک می مالم جبیں
تو جمع کن با دوستان یا جامع المتفرقین

ولی عہد بہادر کی عرفی کے ساتھ جو رقعہ ملفوف ہے، یقین ہے کہ اُس کے
مفسون سے مطلع ہو کر آپ بھی ولی عہد بہادر کے شتے کے ساتھ اپنی خیریت
لکھ کر شاد فرمائیں گے۔ بشرطیکہ اپنی قدیم عادت کے موافق چند سطریں
خود اپنے ہاتھ سے لکھیں، اور اس رقعے میں چند کلمے ترکی زبان میں
مرزا منیل صاحب کی جانب سے بھی ہوں۔ آپ کو یاد ہو گا کہ ہم میں اور
آپ میں کیسے کیسے سر بستہ راز ہیں، جن کو ہمارے اور آپ کے اور خاص خاص
مہاں جہوں کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ سب راز
چھپانے کے قابل ہوں، بعض سرسری قسم کے بھی ہیں جن کے اظہار میں
کوئی قباحت نہیں۔ نیز ہمارے آپ کے درمیان بہت سے ایسے بھی راز
ہوں جنکی خبر شاید کسی فرشتے کو بھی نہیں۔ کسی شاعر کا شعر ہے:

مہاں عاشق و معشوق رمزیست - کراماً کا تبیں را ہم خبر نیست

اپنی قدیم تصنیف کی ہوی کوئی بہت بھی روانہ فرمائیں، جو پہلے میری
نظر سے گزر چکی ہو، تاکہ وہ دور یاد آجائے اور اُس خط کو اپنی آنکھوں سے
لگا کر نور اور سب سے پر رکھ کر سرور حاصل کروں۔ چند شعر اپنے قدیم دیوان
سے نشانی کی طور پر لکھتا ہوں:

گر کہے دل گر گلوں میں پھر کیسے اکراہ ہے
لوگ دیوانے کہیں، کچھ باؤلی یہ چاہ ہے

تجھ میں جس دم دھیان جاتا ہے - ہو ہی آیا اُس آن جاتا ہے
دل مرا تم ہوا صنم واللہ! - تجھ پہ میرا کمان جاتا ہے
تیرے مڑگان کی کیا کروں تعریف - تیر یہ بے کمان جاتا ہے
ہاے ظالم ہوں نیم جاں تک دیکھ! - ہاتھ سے اک جوان جاتا ہے
سچ مہرے شوخ کی ذرا دیکھو - جیسے بانکا پتھان جاتا ہے

سہہ مستان چشت کار کردند
بچشک ہالے بیمار کردند

شود خوردشہد چون طالع من از دوع تو اندیشم
ہلام گر نظر آید زابروے تو اندیشم

دہندار بہم از دوزخ، بترسم ز آتھن ہجرت
ز جلت گر رود ذکرے من از کوئے تو اندیشم

بُرد آن ماہ دگر صبر و قرارم امشب
از فلک می گزرد نالغ زارم امشب

اُس ترکی دقے کی نقل جو میں نے مرزا مغل صاحب کو لکھا تھا

ایکم امر اقلیقہم مہرزا مغل صاحب قولوق سونعزہ جہلمہم بولسون اول
گویندین کیم سہزلاردان آیرو بولوب تروگون یوخلوقد اقالار مہن اومی بود
ورد کیم ایکی حرف اوزی ایلیکیگرنی تبسکی دین تبسب اوردمی ایشینگیزنی
سہونچ بویورد سون لارد نوق تہمے۔

ترکی کا ترجمہ: صاحب من مہربان من مہرزا مغل صاحب! بلدگی کے
بعد معلوم ہو کہ جس روز سے آپ سے جدا ہوا ہوں، رات دن آپ ہی کی یاد
میں رہتا ہوں۔ امید کہ آپ ہاتھ سے دو حرف لکھ کر اپنے دوست کو شاد
فرمائیں گے۔ زیادہ کہا لکھوں۔

ولی عہد بہادر کے اُس شقے کی نقل جو دہلی سے راقم کے نام پہنچا تھا

فرزند نامدار عزیز ازجان مہرزا علی بخت بہادر سلمہ اللہ تعالیٰ۔
اُن فرزند عزیز ازجان کی بھینچی ہوئی مرض داشت پہنچی۔ ملدرجہ مراتب و
حالات تفصیل کے ساتھ معلوم ہوے۔ چونکہ آپ کی خیر و عافیت کی خوش
خبری مرقوم تھی، اِس نے خوشی پر خوشی بڑھائی۔ آپ نے لکھا ہے کہ اُن فرزند
کی خطائیں معاف فرمائی جائیں۔ تاکہ جو خدمت فرزندوں کے لائق ہے
بجالاؤں۔ مہرے نامدار فرزند! اُن عزیز ازجان سے کبھی کوئی ایسا قصور

سرزد نہیں ہوا، جس سے ہمارے مسیہ روشن مہن آن فرزند کی طرف سے کوئی کدورت یا ملال موجود ہو۔ ہم آن فرزند سے بہت خوش اور راضی ہیں۔ اس طرف سے آپ بہتہ وجوہ اطمینان رکھیں۔ اور یہ جو ظاہری جدائی پیدا ہوگئی ہے، اس کو قادر قدیر کی مرضی کے سوا اور کیا تصور کرسکتے ہیں۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ آن فرزند کی جدائی ہمارے خاطر مبارک کو کب گوارا ہے۔ اس اثنا میں امارت و ایالت مرتبت، شوکت و شہامت منزلت عظیم الدولہ عبدالعلی خان بہادر شوکت جنگ کی عرض داشت کے خریطے موروثی خانہ زاد راے لکھتے راے کے ذریعے معہ نذرانوں کے ہماری نظر انور سے گذرے۔ عمدۃ الامراء کی وفات کے واقعے کو سن کر ہمارا خاطر عاطر متأسف ہوا۔ حضور لامع النور کی جانب سے عطیے بعد کو شرف صدور پائیلے۔ یہاں کے صوبہ دار نے اب تک نذرانہ ادا نہیں کیا ہے، اس وجہ سے توقف ہوا۔ صوبیدار کا نذرانہ پہنچتے ہی، خلعت روانہ ہوگا۔ آپ کو چاہئے کہ ایک عرضداشت حضور انور میں ارسال کردیں۔ باقی حالات آپ کو راے لکھتے راے کی تحریر سے معلوم ہوں گے۔ تحریر ماہ ربیع الثانی سنہ ۱۲۱۷ھ۔

لغافے پر ولی عہد بہادر کی مہر کا نقش یہ تھا:

”مہرزا اکبر شاہ بہادر ولی عہد شاہ عالم بادشاہ غازی“

اس شقے کے شکرے میں ہم نے پھر چند عرضیاں روانہ کیں۔ مرزا منگل و طفل صاحب کو اپنے رقعوں کا جواب نہ پہنچنے کی شکایت مہن مکرر رقے لکھے۔ اور ولی عہد بہادر کے نام کی عرضی کے ساتھ ملفوف کو کے روانہ کئے۔

دوسرے شقے کی نقل جو ولی عہد بہادر کی طرف سے

راقم کے نام شرف صدور لایا تھا

فرزند نامدار عزیز از جان سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آن فرزند نامدار کی بھیجی ہوئی عرضداشت پہنچی۔ عرض کئے ہوئے مضامین تصدیق کے ساتھ واضح ہوئے۔ بظاہر آن فرزند عزیز از جان نے مہر خاص پر شبہ کیا۔ اس امر کا ظہور آن فرزند کی دانائی سے دور، نظر آتا ہے۔ یہی مہر قدیم زمانے سے

شعور پر لکائی جاتی ہے، کوئی اور مہر نہیں ہے۔ میرزا مغل کے نام جو رقمہ آپ نے بھیجا ہے، اسکا جواب ملفوف پہنچے گا، حاصل فرمائیں۔ امارت و ایالت مرتبت امیرالہند والاجاہ عظیم الدولہ بہادر کے وکیل راے لکھپت راے ہمیشہ حضور میں حاضر رہتے ہیں۔ جو کچھ بھیجنا منظور ہو ان کی معرفت اپنی مرضیوں کے ساتھ روانہ کریں۔ کیونکہ وہ حضور کا خانہ زاد ہے۔

سزنامہ یہ تھا: ”فرزند نامدار عزیز از جان میرزا علی بخت بہادر“
 نقش مہر: ”مرزا اکبر شاہ بہادر ولی عہد محمد شاہ عالم بادشاہ عازی“۔
 منصرہ ۲۷ ربیع الاول سنہ ۱۲۱۸ھ۔

مرزا مغل و مرزا طفل صاحبان کے رقمہ کی نقل جو ولی عہد بہادر کے رقمہ کے ساتھ راقم کے نام ملفوف پہنچا تھا۔ تاریخ و سنہ وہی ہے

- برادر بچیاں برابر خوشتر از جان علی بخت عرف میرزا کلاں معتضلی بہ منصور و اظفری حفظہ اللہ۔ طفل اور مغل کی طرف سے سلام اور یاد بود کے بعد واضح ہو کہ مدت مدید کے بعد جب سے آپ جے پور سے لکھنؤ گئے ہیں، ایک بار پہلے اور ایک بار اب آپ نے حضرت ولی عہد بہادر دام اقبالہ کے نام کی عرضی کے ہمراہ خط بھیجا جو ہمیں ملا۔ کمال خوشی ہوئی کہ آپ نے خواب غفلت سے بیدار ہو کر دوستوں کو یاد کیا۔ اس زمانے میں اگر آپ شہر میں ہوتے تو تمام دن صحبت اور ہم جلسی میں گزرتے۔

وکالت کے بارے میں آپ نے جو کچھ لکھا ہے، اگر بلدے کا توسط منظور ہے تو بہتر، اور جو کسی دوسرے کا ذریعہ مناسب معلوم ہو، تب بھی بہتر۔ بشرطیکہ کچھ کام نکلے، اور اگر جہیور کی طرح ہوا تو کیا حاصل۔ چھوٹے مرزا اور میاں مہرن کے حالات سے آپ نے کچھ اطلاع نہ دی کہ کہاں ہیں اور کیا کرتے ہیں۔ بہر حال حق تعالیٰ دوستوں کو زندہ اور خوش رکھے۔ ہمیشہ جب تک ملاقات مہسر نہ آئے، اپنی خیریت کی خبروں سے مسرت بخشئے رہیں۔ حضرت ولی عہد بہادر کی زبانی معلوم ہوا کہ آپ پھر بادشاہ سلامت کے زیر سایہ حاضر ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یہاں کے حالات اخباروں سے معلوم ہوتے رہتے

ہوں گے، اُن کے لکھنے کے لئے ہوا دفتر چاہئے۔ اگر ایک بار پھر ملاقات کرسکھیں تو ”چشم ماروشن“ میں جانب نے چند خطوط کی مشق کی ہے۔ ایک فرد محض نشانی کی طور پر لکھکر بھیجی جاتی ہے۔ نیز کبوتروں کے کباب اور دسترخوان اور رکابی کی نشانی وفاداری کے ثبوت میں یاد دلاتا ہوں، جو آپ نے نو محلے میں اس وقت ہمارے پاس بھیجی تھی، جبکہ نیک حرام افغان کی لڑائی کی آگ شدت سے بھڑک رہی تھی۔ یہ پتے کی باتیں نشانی کی طور پر لکھتا ہوں۔ اس راز سے اور کوئی واقف نہیں جو آپ کو لکھ سکتا اپنی تالیف کی ہوئی یہ بہت بھی نشانی کے طور پر پیش ہے:

ہجر تیرے میں ہم خراب ہوے - اس لئے لائق عتاب ہوے
والسلام۔

اس ترکی چغتائی رقعے کی نقل جو مرزا مغل نے

اپنے دست خاص سے راقم کو لکھا تھا

یہ چیغائے یا لبار پاکچی دان اولجائے سو نعرۂ تویار غا بو لسون بلتھنگیز کوپ تالا بدین بتشتے اونئی کونئی گورگار یلدان کو نکلو منئی سپوتچی و با عزیزئی مسرتے یواری تیلگری تعالے سی بیلا و رگیم۔ سیزنی کوپ یوخلا میں فی قبالے کیم تہری فاتیق و کوک یراق بار آوری تعالے ایہ بھزنی و سیزنی یتریک و یلکھکا بہر قالا کور و شی قلسون۔ اوندان یراق بوق میں چیغائے سایم قلہ سیزنی، دعائے خیر بہرلہ یوخلا میں۔

ترکی شقے کا ترجمہ: اس بلدۂ عاجز کی جانب سے سلام کے بعد واضح ہو کہ آپ کا خط مدت کے بعد پہنچا۔ اس کے دیکھنے سے ہمارے دل کو خوشی اور جگر کو مسرت ہوئی۔ خدائے تعالے جانتا ہے کہ آپ کو میں کس قدر یاد کرتا ہوں۔ کہا کروں کہ زمین سخت اور آسمان دور ہے۔ خداوند تعالے آپ کو اور ہم کو زندگی میں پھر ایک بار ملا دے تو اُس سے بے عہد نہیں میں ہر بار آپ کو دعائے خیر سے یاد کرتا ہوں۔
والسلام۔

فقیرہ بیگم کے رقعے کی نقل جو مرزا مغل اور مرزا طفیل صاحبان کی

حقیقی بڑی بہن ہیں۔ یہ رقعہ انہوں نے راقم کے نام

اپنے ہاتھ سے اردو میں لکھا تھا

ازیں جانبہ بعد سلام و اشتیاق تمام کے معلوم فرماویں کہ آپ ہمشیرہ صاحبہ سے ملاقات فرما کر جو اُس سست کو کوچ فرما ہوے ہیں، اُس دن سے اپنی خیریت کی خبر سے یاد و شاد نہیں فرمایا، کہ دل ہمارا تمہاری خیریت کا نگران ہے۔ امید کہ دوستی قدیمی کو یاد فرما کر اپنی خیریت کی خبر سے اطلاع بخشو، جو خاطر اپنی جمع ہو۔ از طرف برخوردار من کہ اسم معلوم است۔ سلام و نیاز قبول باد۔ از ہمشیرہ صاحبہ نیز، زیادہ چہ۔ محصرۃ یازدہم رجب المرجب سنہ الیہ۔

تلبیہ: مرزا مغل کا اصلی نام نامی محمد اکرام الدین اور مرزا طفیل کا اسم گرامی محمد عبدالقندر ہے۔ یہ دونوں صاحبان عالی شان شاہزادہ محمد علاء الدولہ بہادر معروف بہ مرزا بابا کے صاحبزادے ہیں۔ علاء الدولہ شاہزادہ محمد اعزالدین کے فرزند تھے۔ اور اعزالدین محمد عزیزالدین کے چھوٹے بھائی تھے۔ یہ عالم گھر ثانی بادشاہ کے نام سے مشہور ہیں، حضرت عرش ملزل ان کا لقب ہے اور محمد معزالدین بادشاہ کے بیٹے تھے، جو جہاندار شاہ کے نام سے مشہور تھے۔ ان کا خطاب عرش آرام گاہ ہے۔ یہ محمد معظم بہادر کے فرزند تھے جن کا خطاب خلد ملزل ہے۔ اور یہ حضرت اورنگ زیب عالم گھر اول بادشاہ غازی کے بیٹے تھے، جن کا خطاب حضرت خلد مکان ہے۔ (اناراللہ برہانم)۔

اگرچہ طفیل و مغل دونوں صاحبان رشتے میں راقم کے چچا ہوتے ہیں۔ لیکن ونور شفقت، فرزند نوازی اور بزرگانہ عنایت سے بڑے صاحب مجھے ”یار“ کے خطاب سے یاد کرچکے ہیں، خطوط میں بھی اسی لفظ سے یاد فرمایا کرتے ہیں۔ اور چھوٹے صاحب نے مجھے اپنا بھائی کہا ہے۔ اس لئے اب تک اسی عنوان سے اپنے رقعوں میں عزت بخشے ہیں۔ اس رشتے کے علاوہ بہت سے ایسے اسرار ہیں جو بیٹا ماں باپ تک سے نہیں کہہ سکتا۔ مگر ان صاحبوں نے امانت دار سمجھ کر مجھے ان سے مطلع کیا۔ اور ہمیشہ مجھے گلہا کی پرورش و امداد پر آمادہ رہا کرتے ہیں۔ غلام قادر مردود کے ہلکے کے بعد

راقم کو اپنی سرکار کے کتب خانے وغیرہ کا تصویلدار بھی بنا دیا تھا۔ ہمیشہ نہایت عمدہ سلوک اور بہترین برتاؤ فرماتے رہتے تھے۔ بادشاہ سلامت اور ولی عہد بہادر کے حضور میں مجھ عاصی کی ہمیشہ وکالت کرتے تھے۔ میں جو عرضیاں شاہی وعدوں کے ایفاء اور اپنے مطالب کی تکمیل کے بارے میں لکھتا تھا۔ اُن کو پہنچاتے اور اُن کا جواب حاصل کر کے حضرت قدر قدرت اور ولی عہد بہادر کے خاص دستخط سے مزین کرا کر میرے پاس بھیجتے رکھتے تھے۔ اب تک بعض عرضیاں میرے پاس موجود ہیں، جن پر حضرت قدر قدرت اور ولی عہد بہادر کے دستخط ہیں۔ قوی امید ہے کہ وقت آتھا تو انہیں صاحبان عالی شان کی وساطت سے میرے تمام مطالب اُن وعدوں کے موافق پورے ہونگے، جن کی تکمیل کا وعدہ بادشاہ سلامت اور ولی عہد بہادر نے اپنے دست خاص کی تصدیروں میں کیا ہے۔ مرزا مغل و طفل کا نسب نامہ اور اس شفقت و عنایت کا بیان جو راقم پر مبذول رکھتے ہیں، تبرکاً مکرر درج کیا گیا ہے۔ ضعف تالیف پر محمول نہ کیا جائے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ مرزا بابا موصوف مغفور شاہ عالم بادشاہ کی سلطنت کے زمانہ آغاز میں بادشاہ جم جاہ کی رضامندی اور اجازت کے بموجب بارہ سال تک نہایت سلطنت کا کام انجام دیتے رہے ہیں۔ جبکہ بادشاہ سلامت پایہ تخت میں موجود نہ تھے۔ بلکہ الہ آباد میں مقیم تھے۔ اس زمانے میں ولی عہد سلطنت مرزا جواں بخت جہاندار شاہ مرحوم تھے۔ اور بختاور خاں خوجہ متوفی جس کا خطاب بہروز خاں تھا، عہدہ نظارت پر فائز تھا، اور نجیب الدولہ پگھان صوبہ دار تھا۔ یہی شخص نمک حرام غلام قادر مردود کا حقیقی دادا تھا۔ مرزا بابا علام الدولہ (مرزا طفل و مرزا مغل کے والد موصوف) نہایت سلطنت کی خدمت انجام دے رہے تھے کہ دہلی کے صوبہ دار اور دوسرے امراء وغیرہ نے بعض وجوہ کی بنا پر اُن جناب کو سرکشی و بغاوت پر آمادہ کرنا چاہا اور فتنہ انگیزیوں کی بہت سی باتیں سکھائیں۔ مگر آپ نے ذرا بھی اِن باتوں کو اپنی توجہ و رفا کے کانوں میں جگہ نہ دی۔ حالانکہ اپنے حسب و نسب کے لحاظ سے اس امر کی قابلیت بھی رکھتے تھے۔ راقم بھی اُس زمانے میں ہوش رکھتا تھا۔ ان واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا اور اپنے کانوں سے سنتا تھا۔ حضرت عرش منزل یعنی عزیز الدین عالم گہر ثانی بھی جناب علام الدولہ موصوف کے حقیقی چچا تھے۔ وہ بھی اپنے عہد سلطنت میں

جناب موصوف کو بلند حوصلہ پا کر اپنی رکاب اقدس کے ہمراہ اور اپنے فرزندوں سے زیادہ اعزاز کے ساتھ رکھتے تھے۔ اور اپنی بیٹی لادلی بیگم کی شادی جناب موصوف سے کر دی۔ جناب مرزا مغل، مرزا طفل، فقہرہ بیگم اور قتلقی سلطان بیگم جو چھوٹا بیگم کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ چاروں انہیں لادلی بیگم موصوفہ کے بطن مبارک سے پیدا ہوئے۔ اللہ ان سب کو سلامت رکھے۔

جیس وقت نیک حراموں نے ہنگامہ بغاوت گرم کیا، علامہ الدولہ بھی اس بلا میں گرفتار تھے۔ حضرت بادشاہ مغفور کی شہادت کے بعد باقی لوگ صاحب موصوف کو گرفتار کر کے قلعہ مبارک کے نو محکمہ سلاطین میں لے آئے اور ایک قیدی کی حیثیت سے رکھا۔ اُس وقت کے حاکموں نے محمد مصطفیٰ الملوک ولد محمد مصطفیٰ السلطہ ابن محمد کام بخش کو جو حضرت خلد مکان کے چھوٹے بیٹے تھے، نو محکمہ مبارک کی قید سے نکال کر بادشاہ بنایا، اور شاہ جہاں ثانی کا خطاب دیا۔ ۶ یا ۱۰ مہینوں تک ان کی سلطنت کا سکہ جاری رہا۔ جب بہاؤ اور وشواس راؤ دکن کی فوجیں لیکر پہنچے تو مرزا علامہ الدولہ موصوف نے اُن سے خط و کتابت کی اور بہت کچھ سمجھایا بچھایا۔ آخر دکھلیوں نے شاہ جہاں ثانی کو اسپر کر کے پھر دوبارہ قلعہ مبارک کے نو محکمے میں قید کر دیا۔ اور بادشاہ جم جاہ کے بڑے بھائی مرزا جوان بھٹ جہاندار شاہ مغفور کو نو محکمے سے نکال کر شاہ عالم بادشاہ کا ولی عہد قرار دیا، علامہ الدولہ کو بھی آزاد کیا۔ اس وقت ولی عہد بہادر کی عمر سات آٹھ سال کی تھی۔ حضور کی دولت عالیہ کے خیمے بلندۃ الہ آباد میں نصب تھے۔ وہاں بادشاہ سلامت قیام فرما تھے، یہاں دکھلیوں نے اُن کی سوتیلی ماں نواب زینت محل بیگم کو محکمے میں سردار خواتین، اور بھٹا اور خاں کو ناظر کل بنا کر، بادشاہ سلامت نہر دیگر سلاطین اور ذی اقتدار بیگمات کی قیدیوں میں پر مقرر کیا اور ولی عہد بہادر کو جناب موصوف کے حوالے کر دیا۔ ولی عہد بہادر نے مختار السالک وغیرہ کے مشورے سے نجیب الدولہ افغان کو اِس دیار کا صوبیدار بنایا۔ اور شاہ عالم بادشاہ کے نام نامی کی نوبت خلافت بھجوائی، انہیں کا سکہ ضرب کیا گیا۔ اس سلطنت کے بہت و کشادہ کے مختار کل بارہ سال تک جناب مرزا علامہ الدولہ ہی رہے۔

نواب زینت محل موصوفہ حضرت عزیزالدین عالم گہر فانی عرش منزل شہید کی محل عالیہ تھیں۔ ان کے بطن سے ایک بیٹی کے سوا اور کوئی اولاد نہیں ہوئی، جن کا نام خیرالنساء بیگم اور نواب عدۃ الزمانی خطاب تھا۔ اس لئے نواب زینت محل صاحبہ نے شاہ عالم بادشاہ کو بچپن ہی سے اپنی فرزندگی میں لے کر پرورش کیا تھا، جو حضرت عرش منزل کے بڑے اور لائق بیٹے تھے۔ نواب عدۃ الزمانی کی شادی محکمہ عزت افزا سے ہوئی۔ ان کا عرف مرزا مدو تھا اور محکمہ ہمایوں بخت کے صاحبزادے تھے، اور محکمہ ہمایوں، بادشاہ فرخ سہر شہید مرحوم کے حقیقی بھائی تھے۔ ان کے ہاں دو بیٹے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ ایک کا نام مرزا بھچو اور دوسرے کا مرزا مکھو، لڑکی کا جگنا بیگم صاحبہ ہے، اصلی نام اس وقت بھولتا ہوں۔ خدا ان سب کو سلامت رکھے۔

شاہ عالم بادشاہ بارہویں سال الہ آباد سے مراجعت فرما کر قلعہ مبارک میں تشریف لائے، اور دارالخلافہ شاہ جہاں آباد دہلی کے تخت سلطنت پر اقبال و دولت کے ساتھ جلوس فرمایا۔ مرزا جوان بخت ولی عہد مرحوم کا بیٹا، جو نواب تاج محل بیگم کے بطن سے تھے، تعلق سلطان بیگم عرف چھونا بیگم کے ساتھ کیا اور اپنی بیٹی بیگم جان نامی کو مرزا مغل موصوف کے ساتھ بیٹا دیا۔ بیگم جان سے ایک بچہ پیدا ہوا، اسی زچگی میں انہوں نے وفات پائی۔ چھ مہینے کے بعد نو مولود بچہ بھی نہ رہا۔ ان کے انتقال کے بعد شاہ عالم بادشاہ نے اپنی دوسری صاحبزادی کو مرزا مغل سے منسوب فرمادیا۔ مگر مہرے سامنے ان کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ پھر حضرت قدر قدرت نے اپنی صاحبزادی عزیزالنساء بیگم کا عقد مرزا مغل سے کر دیا۔ اب تو ضرور وہ صاحب اولاد ہوں گے۔ خدا سب کو سلامت رکھے۔

حکیم احمد اللہ خان دہلوی کی وفات کا ذکر

ماہ رجب المرجب سنہ صدر کی انیسویں کو اسی بلدہ کوناٹک میں حکیم احمد اللہ خان نے طبعی موت سے وفات پائی۔ خدا ان پر رحمت فرمائے۔ کسی شخص نے تاریخ وفات کا یہ قطعہ کہا:

احمد اللہ کہ دریں عصر مسیحائی کرد
رخت پر بست ازین دار فلنا با ایساں

سال رحلت مع حرف سرنامیں ہاتف
گفت: ”امروز برفت آہ فلاطون زمان“

حکیم صاحب موصوف، حکیم میر حسن دہلوی کے شاگردوں میں تھے۔ اور مجھ سے کہا کرتے تھے کہ بارہ سال تک میں اپنے استاد مغفور کے ہاتھ کے نیچے نسخہ نویسی کا فن حاصل کرتا اور اُن کا مطب دیکھتا رہا، تب کہیں کچھ صلاحیت پیدا ہوئی۔ حق تو یہ ہے کہ طبابت، حکمت اور دیگر علوم میں بے مثل تھے۔ دکن کے حکیموں میں ایک بھی ان کے لگے کو نہ پہنچا۔ انہوں نے فن طب میں کئی رسالے تالیف کئے ہیں، جن کا سمجھنا بھی دکھلیوں کے لئے دشوار ہے۔ چند رسائل کے نام یہ ہیں: (۱) تحقیق البصران، (۲) سلم الدرجات، (۳) شفاء السجود، (۴) امتناع کیمیا۔ اور تالیفات بھی ہیں، جن کے نام مجھے یاد نہیں رہے۔ معالجات کا طریقہ وہی تھا جو اُن کے استاد کا تھا۔ اکثر فصد اور مسہل پر علاج منحصر رکھتے تھے۔ میرے اور حکیم صاحب کے آنے سے پہلے کرناٹک میں لوگ فصد کو بہت برا اور نقصان دہ سمجھتے تھے۔ مگر نمایاں فوائد مشاہدہ کرنے کے بعد اب یہاں ذرا ذرا فصد کا رواج ہو چلا ہے۔ حکیم صاحب مرحوم نے دو سال پہلے خود اپنی زبان سے کدایتاً مجھے اپنی وفات کی خبر دیدی تھی۔ یہ نہایت ثقہ طبیب اور بزرگ آدمی تھے۔ مگر آخر عمر میں افیون سے بہت مغلوب ہو گئے تھے۔ جب کبھی مجھ سے نزلے کی شکایت سننے، افیون کھانے پر اصرار کرتے تھے۔ مگر میں افیونہوں کی پیلنگ، خشک دماغی اور بد مزاجی خوب ملاحظہ کر چکا تھا، اُس کے پاس تک نہ پہنچا۔

ایک روز مذہب پر بات چیت چلی، حکیم صاحب نے کہا ”جو کچھ ہمارے پیشوا ہمیں تعلیم دیتے ہیں، بہتر ہے کہ ہم اسی کی پھروری کریں۔“ میں نے کہا: یہ تو مقلدی ہے، محقق کہاں، حالانکہ اصل مقصد دوسری شق یعنی تحقیق ہی ہو سکتا ہے۔ ذرا سوچکر حکیم جی نے سکونت اختیار کیا۔ میں بھی یہ سمجھ کر چپ ہو رہا کہ قصہ بہت طول پکڑ گیا ہے، اب سکوت ہی بہتر ہے، آخر بات ختم ہو گئی۔

وہ اکثر یہاں کے امہروں کی بیوقوفی اور ناقدردانی کا شکوہ کیا کرتے تھے۔ ان کی بات چیت، کھانے پھلے اور لباس، سب کو ناپسند کرتے اور کہتے تھے

کہ یہاں کے اکثر لوگ آدمی نہیں گویا نسناس ہیں جو آدمیوں کے ساپے سے بھاگتے ہیں۔

راقم نے پہلے پہل علم طب حکیم عنایت اللہ خاں سے پڑھا، جو حکیم عبداللہ کے فرزند تھے۔ اور حکیم عبداللہ، حضرت خلد منزل کی حرم محترم کے طبیب خاص تھے۔ انہیں میرے والد مرحوم نے خانی کا خطاب بھی عطا فرمایا تھا۔ مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ اور علم طب سکھانے میں انہوں نے کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ فن طب میں میرے نام سے ایک کتاب بھی تالیف کی جو باب وار مجلد کرائی تھی۔ اُس میں اپنے اور دوسرے ثقہ طبیبوں کے آزماے ہوئے مرکبات جمع کئے تھے۔ ایک روز وہ کتاب لیکر میرے پاس آئے۔ جب میں جو دھوپور گیا تو یہ بھی میرے پیچھے وہیں پہنچے۔ اور جب میں لکھنؤ پہنچا تو یہ بھی میرے بعد اپنی تمام کتابیں لٹے ہوئے لکھنؤ روانہ ہو گئے۔ مگر اٹلے راہ میں بلگرام کے نزدیک موضع ساندھی پالی میں ڈاکووں نے شہید کر ڈالا، اور سارا مال و اسباب لوٹ لیا۔ اصل کتاب بھی انہیں کے ساتھ فائع ہو گئی۔ اُس کا مسودہ اب تک میرے پاس موجود ہے۔ خدا اُن کی مغفرت کرے۔

اُن کے بعد حکیم میر حسن ابن حکیم میر امام الدین دہلوی سے میں نے طبی فوائد حاصل کئے، اور تقریباً دس سال تک اُن سے طبابت، تارورہ شناسی اور نبض دیکھنے کے طور طریق معلوم کرتا رہا۔ اُن کے نسخوں کو بھی جمع کیا۔ اِن بزرگوں کے علاوہ اور حسب ذیل نامور اطباء سے تجربات حاصل کرنے کا مجھے موقع ملا: حکیم شریف خاں کے بھائی حکیم احمد اللہ خاں، حکیم میر افضل جو نواب عمدۃ الزمانی موصوفہ کی سرکار کے خان ساماں تھے۔ حکیم نور الدین چھلہ، جو میرزا بابا مرحوم کی سرکار کے حکیم تھے۔ حکیم خلیل وغیرہ، جو دراصل عطارد اور ہساری سرکار کے ملازم تھے۔

جس وقت میں قلعہ مبارک میں تھا، محلات کا علاج معالجہ حکیموں کی نہایت میں خود کرتا تھا۔ اور فن طب میں ایک رسالہ بھی تالیف کیا تھا، جس کا نام فوائد الاطفال ہے۔ مگر وہ ابھی تک نا تمام ہے۔ جب لکھنؤ پہنچا اور سر فرزا الدولہ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے میرے اور میرے بچوں اور میرے محلات کے علاج معالجے کے لئے حکیم احمد کو مقرر کر دیا۔ یہ

معالجہ خان مرحوم کے سب سے چھوٹے بھائی تھے۔ اور حسب ضرورت سب کا علاج معالجہ کرتے تھے۔ ان کے علاج کا طریقہ نہایت نازک اور استحضارے پر موقوف ہے۔ استحضارے کے موافق دوا لکھتے اور اکثر بیمار شنا پاتے ہیں۔ لکھنؤ میں ایک حکیم ناصر علی تھے، جو نواب مدارالدولہ بہادر کے قدیم رفیق، بہت اچھے طبیب، بڑے دانا اور پرانے تجربہ کار تھے۔ ایک حکیم غریب اللہ دہلوی مرحوم کے نواسے میر اصغر علی تھے۔ جب میں ان سے ملا اور اندازہ کیا تو بہت پسند آئے۔ حکیم صاحب کی صحبت میں نے بہت فہمیت جانی، بڑے حاذق طبیب ہیں۔ اکثر ہمارے مکان پر آتے اور ان سے بہت فوائد حاصل ہوتے رہتے تھے۔ خدا سلامت رکھے۔

ایک طبیب میر صادق ہیں، یہ بہت اونچا سلتے ہیں، اور چاندی کی ایک چھوٹی سی نلکی اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ بات چیت کے وقت اس نلکی کا باریک سرا اپنے کان میں، اور دوسرا سرا جو زیادہ چوڑا چکلا ہے، بولنے والے کے منہ سے لگا دیتے ہیں۔ اس طرح بہت سہولت سے آواز سن لیتے ہیں۔ بڑے صاحب علم اور بہت سے فنوں کے ماہر ہیں، بات چیت میں انتہا درجے کی بلاغت اور فصاحت ہے۔ شیریں کلامی میں کوئی ان کو نہیں پہنچتا۔ علاج یونانیوں کے طریقے پر ہے۔

ایک شفا ئی خان ہیں۔ جو ہزار روپے ماہانہ تنخواہ پاتے ہیں۔ نواب آصف الدولہ کی جانب سے خطاب بھی پایا ہے۔ اکثر شعر بھی کہتے ہیں۔ لیکن مقام میں ہلکے اور مبتذل باندھتے ہیں۔ ان کے معالجے کا کبھی موقعہ نہیں ہوا۔ کبھی کبھی مدارالدولہ، سرفرازالدولہ اور میر سید کے یہاں آتے ہیں، بات چیت کا اتفاق ہوجاتا ہے، ان کا علاج بھی یونانیوں کے طریقے پر ہے۔ زبردست عالم ہیں، تاہم وہاں کے ثقہ لوگوں سے سلتے میں آیا کہ بیمار کو استدر پرہیز کراتے ہیں کہ بیچارہ ہلاکت کے قریب پہنچ جاتا ہے۔ سنا ہے کہ ان کے حواس میں کسی قدر خلل بھی پیدا ہوگیا ہے۔ اکثر دواؤں کے وزنوں میں بھول چوک اور کمی بیشی کرجاتے ہیں۔

ایک طبیب مہر منصور سیدی ہیں۔ یہ بھی صاحب عزت اور نواب شجاع الدولہ کے خسر ہوتے ہیں۔ فن طبابت میں بہت خوب ہیں۔ مگر مزاج نازک اور تیز طبع ہیں۔ ان کا کچھ ذکر نواب آصف الدولہ کی

تہر اندازی کے بیان میں آچکا ہے۔ اکثر سرفراز الدولہ کا علاج کرتے دھتے ہیں۔ تند مزاجی کے سوا ان میں اور کوئی برائی نہیں پائی۔ ان سے بھی میں نے بہت سے فوائد حاصل کئے۔

ایک طبیب مہر رضی نامی ہیں۔ یہ اکثر یونانی علاج میں خلط ملط کر دیتے ہیں اور خود رائی ان کی عادت ہے۔

ایک نقل: لطف علی خاں بہادر، سرفراز الدولہ کے خلیعے بھائی اور بھلوی تھے۔ وہ تب مرکب میں مبتلا ہو گئے، ایک سال تک بیماری طول کھینچتی رہی۔ تمام مذکورہ اطباء اُن کا علاج کرتے رہے، مگر کچھ بہن نہ پڑا۔ انہیں دنوں سرفراز الدولہ کو کلکتے کا سفر پیش آیا۔ بیمار کو راقم کے ذمے چھوڑ کر چل دیے، اور فرمایا: میرے بھائی کے معاملے کے مشورے میں جناب حضرت شریک رہیں۔ سرفراز الدولہ کے جانے کے بعد مریض مذکور کا علاج اُن کے مشورے سے حکیم مہر رضی کے سپرد ہوا۔ یہ حضرت اپنی راے پر اصرار اور ضد کر کے پرانے بیمار کو لگاتار کئی روز تک قَلقاس اور پکے کدوے کھلاتے رہے۔ تمام حکیموں نے منع کیا، مگر نہ مانے۔ آخر بیمار کا کام تمام کر دیا۔ خدا اُن پر رحمت فرمائے۔

لکھنؤ کے دوسرے حکیموں کا ذکر اِس مختصر نسخے کے لئے مناسب نہیں۔ کتاب کے طولانی ہوجانے کا اندیشہ ہے۔ اِس لئے انہیں حالات پر اکتفا کی جاتی ہے۔ ہاں ایک حکیم حسین رضا خاں تھے۔ یہ حکیم محصد یار خاں کے والد اور حکیم کاظم علی خاں قلعہ دار مستقر دار الخلافۃ اکبر آباد (آگرہ) کے بھانجے تھے۔ اور حکیم عبداللہ خاں ولد مولوی محصد اشرف نبی حکیم رضا کے چچھیرے بھائی تھے، اور یہ دونوں حکیم عنایت اللہ خاں مرحوم کے بھتیجے ہوتے ہیں۔ جیسے ہی میں چہ پور جا کر ٹھہرا، یہ میرے پاس آکر ملازم ہو گئے، اور لکھنؤ سے دکن روانہ ہونے تک برابر میری رفاقت کی۔ لکھنؤ میں، میں نے انہیں خانی کے خطاب سے بھی سرفراز کیا تھا۔ ہمارے اور ہمارے گھروالوں کے علاج معالجے انہیں کے ہاتھ سے ہوتے رہے۔ رات دن راقم کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ اور اکثر امراء لکھنؤ کے معالجتوں میں دخل دیا کرتے تھے۔ انہیں کے علاج سے اکثر کوشفا کی برکت ہاتھ آئی۔ سنا ہے کہ اب بڑی عزت کے ساتھ ہنداس میں

بسر کرتے ہیں۔ اپنے خانگی حالات کے متعلق عریضے وغیرہ بھیجتے رہتے ہیں۔ انہوں نے راقم کی بہت کچھ خدمت کی ہے۔ اور اس کے صلے میں ہر طرح سے امیدوار کرم ہیں۔ مگر ہنوز زمانے نے اتنی فرصت نہ دی کہ ایسے بے کینہ و دیرینہ ملازموں کو ہم اپنے پاس طلب فرمائیں۔ اور اپنے سایۂ کرم میں پوری تدردائی کے ساتھ پرورش کریں۔

جب راقم کرناٹک پہنچا تو یہاں کا طریقۂ علاج ہی اُلٹا دیکھا۔ تمام مشریوں نے چھوٹے بڑے تمام امراض کا علاج متحض روغن خروج یعنی ریلندی کے تیل پر منحصر کر رکھا ہے۔ اور جو مسلمان طبیب یونانی طب پڑھ ہوئے ہیں، وہ بھی یونانی اور فرنگی دواؤں کے ساتھ اکثر یہی روغن دیتے ہیں، اور ہمار کو فصد سے ڈراتے ہیں۔ میں ان سے بہت ڈرتا اور بدرجہٴ محبوبدی ان کا علاج کرتا تھا۔ بارے حکیم احمد اللہ خاں دہلوی کو پایا، انہیں بہت غنیمت جانا اور ان کی طرف رجوع کیا۔ حکیم موصوف جب تک زندہ رہے، ہمارا اور ہمارے بال بچوں کا علاج معالجہ وہی کرتے رہے۔ ان کے بعد کچھ روز حکیم سید غلام علی خاں ایک تقریب سے یہاں پہنچے۔ یہ حکیم میر افضل خاں کے نواسے تھے۔ میں نے ان کی طرف رجوع کیا اور ان کو بہت اچھا طبیب پایا، جوان صالح اور صاحب علم و شعور تھے۔ ان کے علاج اور تشخیص کا انداز مجھے پسند آیا اور یہاں کے چند لوگوں کے علاج و تشخیص مرض میں تو انہوں نے یدِ بھشا کا معجزہ دکھا دیا۔ مگر پھر لکھنؤ واپس چلے گئے۔ حکیم میر اصغر علی مذکور کے شاگردوں میں ہیں۔ خدا سلامت رکھے۔

ان کے جانے کے چند روز بعد میں نے حکیم تجمل عظیم خاں لکھنوی کی طرف رجوع کیا۔ یہ حکیم شنائی خاں موصوف کے تلامذہ میں تھے۔ ایک آزاد وضع مرد نظر آئے۔ فارسی، اردو و شعر بہت دردناک کہتے تھے، تجمل تخلص تھا۔ بہت اچھے عالم تھے، مگر افسوس موت نے فرصت نہ دی، ترچلاپلی جا کر وفات پائی، خدا بخھے۔

اب اگر نصیب دشمنان اپنی یا بچوں کی بیماریوں میں کچھ ضرورت پڑجاتی ہے تو میں خود علاج معالجے کر لیتا ہوں۔ کبھی کبھار یہاں کے بعض ایسے طبیبوں سے جو میرے نزدیک مستثنیٰ ہیں، اور راے بھگوان داس سے مشورہ کر لیتا ہوں۔

راے بھگوان داس راقم کی سرکار کے دیوان ہیں، ان کا ذکر اوپر کئی جگہ گذر چکا ہے۔ گو عربی، فارسی علوم میں کچھ زیادہ قابلیت نہیں رکھتے۔ لیکن فن طب انہوں نے پدروی میراث میں پایا ہے۔ اپنے باپ اور بھائی کے طریقہ علاج دیکھے، اور بہت کچھ تجربے حاصل کئے ہیں۔ اپنے باپ کی تالیفات اپنے ساتھ اور ان کے تجربات یاد رکھتے ہیں۔ مدت سے اس فن کی مشق کر رہے ہیں۔ کرنا تک میں ایک عالم ان کی طرف رجوع ہوتا اور اکثر شفا پاتا ہے۔

آج کل یہاں ایک صاحب سیدی میر اعظم کا نام مجھ تک پہنچا ہے۔ اور سنا ہے کہ فن طب میں اچھی مہارت رکھتے ہیں۔ حکیم احد اللہ خان مرحوم اور حکیم میر فضل علی خان کے شاگرد ہیں۔ فضل علی خان بھی حکیم احد اللہ خان مرحوم ہی کے شاگرد رشید ہیں۔ ان کا طریقہ علاج خاص یونانیوں کے ڈھنگ پر پایا، بہت پسند کیا اور غنیمت سمجھا، کئی سال سے میرے رفیق ہیں۔ عجب نیک مرد، متوکل، سلیم الطبع، حلیم وضع، تیز فہم، نکتہ رس معلوم ہوتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ ہماری معرفت ان کے تمام دلی مقاصد پورے فرمائے۔ آمین۔

چھوٹے نور چشم میرزا اعلیٰ بخت معروف بہ جانی مرزا کی ولادت کا ذکر

ماہ شوال سنہ صدر کی تیسری تاریخ کو چھوٹے محفل سے ایک نیک اختر فرزند پیدا ہوا، جسکا نام میں نے مرزا اعلیٰ بخت اور عرف جانی مرزا رکھا۔ مجھ سے نہایت درجہ مشابہ ہے، چہرے سے سعادت کے آثار نمایاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ صحت و عافیت، اقبال و اطمینان، عزت و آبرو کے ساتھ علوم حاصل کرنا نصیب کرے، اور عمر طبعی کو پہنچاے۔

راقم کی بڑی بیٹی سعیدۃ النساء بیگم کی شادی کا ذکر *

رمضان المبارک سنہ ۱۲۱۹ھ میں راقم کی بڑی بیٹی سعیدۃ النساء بیگم کا نکاح امیرالدولہ بہادر امیر جنگ سے ہوا۔ خدا اسکی عمر اور عصمت میں ترقی دے۔ امیرالدولہ موصوف، عبدالقادر خان کے نام سے معروف اور نواب محمد علی خان بہادر امیرالہند والاجاہ اول کے حقیقی بھانجے ہیں۔ صاحب شان و شوکت اور ذی لیاقت سردار ہیں، اور اس دیار کے مشہور و نام آور لوگوں میں ہیں۔

محفل نکاح راقم کے مکان پر منعقد ہوئی۔ سرآمد فضلہ ملک العلماء مولانا عبدالعلی مع قاضی القضاة محمد قاسم مستعد خان بلکالی بھی تشریف لائے۔ محکمۂ قضا کے منشی صاحبان اور دوسرے علماء بھی شریک ہوئے۔ یہیں کے اکثر رؤساء بھی حاضر تھے، جو خاندان والا جاہی کی اولاد میں ہیں۔ رسم نکاح پوری ہونے کے بعد شادی کی سب رسمیں انجام پائیں۔ کئی جلسے ہوئے، جن میں عمدۃ تودۃ بلدی کے کہانوں کے علاوہ مردوں اور عورتوں کے ناچ گانے بھی ہوتے رہے۔ ماہ ذی قعدۃ سنہ صدر تک قسم قسم کے ارباب طرب کی محفلیں جاری رہیں۔ خدائے بے نظیر کے افضال سے موزوں جہیز اور مناسب اسباب کے ساتھ شادی انصرام کو پہنچی۔ کسی رسم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہوا۔

* سوانح ممتاز کے مصنف نے ان صاحبزادی کا نام نابعدۃ بیگم لکھا ہے، مگر یہ کہنا کہ ان کا لقب یا خطاب ہو۔ ان کے شوہر امیرالدولہ خان کے حالات کے ذیل میں لکھتے ہیں: امیرالدولہ خان کا خطاب امیرالدولہ امیر جنگ ہے۔ یہ نواب خیرالدین خان (نواب والاجاہ اول کے بھوتی اور انورالدین خان کے بھتیجے) ناظم جنگ کے بیٹے تھے۔ امیرالدولہ کی والدہ 'نواب والاجاہ اول کی حقیقی چھوٹی بہن تھیں' جن کا نام کریم النساء اور عورت حضرت بیگم تھا۔ یہ اپنے شوہر کی دوسری بیوی تھیں۔ ان کے بطن سے چھ بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ امیرالدولہ ان کے تیسرے بیٹے تھے۔ ان کا پہلا عقد نواب والاجاہ کے زمانے میں قوم ٹرائٹ کے ایک شریف خاندان میں ہوا۔ بیوی کا نام راحۃ النساء بیگم تھا۔ ان کے انتقال کے بعد دوسرا عقد نواب رحمت مآب عمدۃ الامراء کے زمانے میں مرزا علی بیگم بہادر کی بیٹی عابدۃ بیگم سے ہوا۔ ان کے بطن سے دو بچے پیدا ہوئے، ایک دختر جن کا نام عالیہ بیگم تھا۔ امیرالدولہ نے ۲۹ ذی قعدۃ سنہ ۱۲۱۴ھ میں انتقال فرمایا۔

اسی مہینے کی سترہ تاریخ کو پوری تیاری اور جلیوس کے ساتھ معمول کے موافق بہادر موصوف کی رسم شب گشت عمل میں آئی۔ جو کچھ ہمارے مقدور میں تھا، ہم نے نورچشمی کو دان جہیز اور اسباب ظاہری دیکر بخیر و عافیت اور شان و شوکت سے بہادر موصوف کے گھر روانہ کیا۔ جناب ہمشیرہ نواب سلطان النساء بیگم صاحبہ اس شادی کے زمانے میں اپنے صدمات اور پریشانیوں میں گرفتار اور سخت معذور تھیں۔ مگر نواب بیگم محل عالیہ نواب عظیم الدولہ بہادر امیرالہند والاجاہ نے بہت کچھ امداد فرمائی، خدا انہیں جزاے خیر دے۔ ”والحمد لله علیٰ ذلک۔“

اسی نورچشمی کے یہاں، فرزند سعادت مند پیدا

ہونے کا ذکر، خدا دونوں کو سلامت رکھے

ماہ شوال سنہ ۱۲۲۰ھ کی پہلی تاریخ کو خدا کے فضل سے نورچشمی کے یہاں پسر نیک اختر پیدا ہوا۔ میں نے تائیدالدین متحد اکبر نام رکھا۔ ہندوستان میں اس موقع پر جو کچھ ضروری رسمیں ہوتی ہیں، وہ سب اس عزیز نواسے کی ولادت پر عمل میں لائی گئیں۔ خدا دونوں کی عمر دراز کرے۔ ”الحمد لله علیٰ ذلک“ معلوم نہیں آئندہ باقی لڑکیوں اور لڑکوں کی شادی بیاہ میں زمانہ کیا رنگ دکھاتا ہے۔ کہاں اتفاق پیش آتا اور راقم کے ہاتھ سے کیا ہوتا ہے۔ ”اللهم اقص حاجتنا واكف مهماتنا فی الدنيا والدین برحمتک یا ارحم الراحمین“ (اے اللہ ہماری حاجتیں پوری کر دے، اور ہمارے دین و دنیا کے اہم معاملات آسان فرما، اپنی رحمت سے، اے سب رحم کرنے والوں سے بڑے رحم کرنے والے)

تلبیہ: جب ہم لکھنؤ پہنچے تھے تو سرفراز الدولہ نائب وزیر سے پہلی ملاقات محترم الحرام کے عشرے میں، انہیں کے امام بازے میں ہوئی تھی۔ اس کے بعد وہ اکثر اوقات ہمیں اپنے یہاں بلایا کرتے، اور پر تکلف مہمانی سے ہمیں آتے تھے۔ ایک سال تک اس طریقے پر باہمی ملاقات جاری رہی کہ سرفراز الدولہ رسم سلام ادا کر کے میری بیٹہ کے پیچھے ہٹتے جاتے۔ میں اسی طرح بیٹھا رہتا اور آنکھ کے اشارے سے اُن کا سلام لیتا تھا۔

نواب مدار الدولہ بہادر صنمام جنگ جن کا ذکر اوپر گزر چکا ہے، رشتے میں

خواجہ زادہ ہونے کی وجہ سے ہمارے دادا ہوتے ہیں۔ مگر چونکہ ہم تیموری نسل سے ہیں اور وہ اس نسل سے نہیں، اس لئے ہمیشہ وہی ہمیں سلام کرتے تھے۔ میں دادا ہونے کی رعایت ملحوظ رکھے کر صرف زبان سے السلام علیکم کہہ دیا کرتا تھا۔

فائدہ: نواب مدارالدولہ کے بڑے بیٹے میرزا محمد علی خاں نے سلام اور تعظیم میں میری طرف سے بے اعتنائی کا یہ رنگ دیکھ کر ایک روز انبساط کی حالت میں خود اپنی زبان سے ایک ماجرا بیان کیا، جو اُن پر گزرا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ ”شاہ عالم بادشاہ مرحوم کے بڑے بیٹے شاہزادہ میرزا جواں بخت ولی عہد بہادر کے لکھنؤ میں آنے اور مقیم ہونے کے بعد کا ذکر ہے کہ ایک روز اُن کی سواری جارہی تھی، میں گھوڑے پر سوار تھا۔ میرا اُن کا سامنا ہوا تو میں گھوڑے کو دوڑا کر اُن کے نزدیک پہنچا اور ادب کے ساتھ مجرا پیش کیا۔ وہ دیکھ کر خاموش رہ گئے۔ میں سمجھا کہ اُنہوں نے دیکھا نہیں، کیونکہ اگر دیکھتے تو سر پر ہاتھ رکھے لیتے۔ دوسری بار گھوڑے کو دوڑا کر میں دوسری طرف لے گیا اور پہلے سے زیادہ قریب پہنچ کر دوبارہ اور زیادہ ادب کے ساتھ آداب سلام بجا لایا۔ پھر بھی میں نے شاہزادہ موصوف کی وہی حالت دیکھی۔ تیسری بار بھی بدستور یہی رنگ نظر آیا۔ اس دفعہ ہندوستان کے اکثر امیرزادوں نے میری حرکت دیکھ لی اور اسے میری کم عقلی پر محمول کیا۔ میں شرمندہ ہو کر واپس ہو گیا۔ اب جو جناب حضرت تشریف لائے تو خود میں نے دیکھا کہ میں اور دوسرے لوگ یہاں تک کہ خود میرے والد بزرگوار بھی سلام کرتے ہیں تب بھی وہی حالت دیکھتا ہوں جو اُس وقت ولی عہد بہادر مرحوم کی دیکھی تھی۔ اب معلوم ہوا کہ قلعہ مبارک کے تمام شہزادوں کی یہی عادت ہے۔“

میں نے کہا: ہاں قسم ہے اُس رب العزت کی کہ تکبر و نظوت کی راہ سے یا تکلّفاً یہ حرکت ہم سے نہیں ہوتی، بلکہ تمام تیموری خاندان کا یہی دستور ہے۔ اچھے ہم چشموں کے سوا کسی اور کو سلام اور تعظیم کرنے کی اُنہیں عادت نہیں۔ جب سے ہم قلعہ مبارک سے نکلے، تمام سفروں میں یہی حال رہا کہ جس کسی شخص نے مجھے سلام کیا، میں اس کے چہرے کو دیکھ کر چپ ہو رہا۔ جو لوگ قلعہ مبارک کے شہزادوں کی رسوم سے واقف نہیں، وہ تعجب سے کہتے ہوں گے کہ یہ شخص شاید اُس وجہ سے اِس قدر غرور رکھتا ہے، کہ تیموری نسل سے ہے۔ ہمارے خواص میں سے بعض لوگوں نے یہ افواہ مجھ تک

پہنچائی کہ جناب حضرت آپ ابھی راستے میں ہیں۔ اور دشمنوں کے حدود سے باہر نہیں نکلے ہیں۔ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ سلام کا جواب دینے میں حضور بے اعتنائی فرماتے ہیں۔ میں نے کہا: مجبور ہوں کہ اب تک یہ کام نہیں سیکھا، بھول جاتا ہوں، رفتہ رفتہ سیکھ جاؤں گا۔ پھر برسوں یاد رہیگا۔ اگر تم اس وقت مجھ سے یہ بات چاہتے اور یہ سبق پڑھاتے ہو تو سلام کے وقت میرا ہاتھ پکڑ کر میرے سر پر رکھ دیا کرو۔

القصة: نواب مدارالدولہ نے بہت کچھ نصیحتیں کیں کہ اب آپ صاحب غرض ہو کر دوسروں کے پاس پہنچے ہیں۔ اس لئے کوئی سلام کرے تو اپنا ہاتھ جواباً سر پر رکھ لیا کریں، اور امراء کے ساتھ تعظیم سے پیش آیا کریں۔ کیونکہ تعظیم دلوں کو پرچانے کا بہت اچھا نسخہ ہے۔ تب کہیں میں نے یہ عادت سیکھی۔ پھر بھی نواب مدارالدولہ، نواب وزیر اور اُن کے نائب کے سوا ہم کسی دوسرے کے ساتھ اس تواضع سے کبھی پیش نہیں آتے تھے۔ البتہ کبھی کوئی بڑے مرتبے کا امیر سلام کرتا تو اپنا ہاتھ سر پر رکھ لیتے تھے، اور بس۔ جس وقت پہلی دفعہ ہم نے سرفرازالدولہ کی تعظیم کی، اور جواب سلام ادا کیا تو اُنہوں نے دوڑ کر ہاتھ پکڑ لیا، اور سخت قسمیں دے کر کہنے لگے کہ آج یہ ناپسندیدہ حرکت حضرت کو کس نے سکھائی۔ پھر امام حسین کی قسم کھا کر کہنے لگے کہ حضرت کو وہی بے اعتنائی اور بے پروائی زیبا ہے۔ میں نے اُن سے زیادہ قسمیں کھا کر کہا کہ خدا کے لئے مجھے معذور رکھئے۔ اب میں آپ کی تعظیم سے قیامت تک باز نہ آؤں گا۔

ایسا ہی ایک اور قصہ: ایک روز میں مرزا فاخر مکین کی ملاقات کے لئے گیا، جو فن شعر اور عروض میں استاد کامل ہیں۔ انہیں کی زبانی یہ بھی سنا کہ حضرت قدر قدرت شاہ عالم بادشاہ متخلص بہ ”آفتاب“ جس وقت الہ آباد میں تھے، اُن کے فارسی دیوان کی اصلاح میں نے کی ہے۔ مرزا فاخر مکین کا تہنیت اس درجے کا ہے کہ شاہزادہ مرزا جوان بخت ولی عہد مرحوم اور دوسرے رئیسوں سے تواضع کے بارے میں باہم سخت رنجش پیدا ہو گئیں۔ بات یہ ہے کہ ہم لوگ جو خاندان گورگانہ کی اولاد اور احفاد میں ہیں، اچھے ہم چشموں کے سوا دوسروں کے ساتھ تواضع سے پیش آنے کی عادت بہت کم بلکہ بالکل نہیں رکھتے۔ یہ سچ ہے کہ تواضع دلوں کو لبھانے کا عمدہ نسخہ اور بہترین اخلاق ہے۔ ہر شخص کو محبوب و مرغوب ہے، مگر شاہی خاندان

کے اصول کے خلاف ہے۔ غرضکہ ہمارے اس دستور کے موافق جب مرزا فاخر نے میری جانب سے تواضع میں کوتاہی اور بے اعتنائی دیکھی تو منہ پھیر لیا، اور بگڑ بیٹھے۔ جب میں چلنے کیلئے اٹھا تو انہوں نے بھی رسم تواضع سے پہلوتھی کی، اور دوسری باتوں کے اثنا میں ایک موقعہ پر یہ الفاظ زبان پر لے آئے کہ ”جواب ترکی بہ ترکی“ میں نے کہا: ذرا اس کی تفصیل فرمائے۔ کہنے لگے: تمام امور میں اسی کو جواب سمجھ لینا چاہئے۔ میں نے کہا: اس محفل کی مزید تفصیل چاہتا ہوں۔ مسکرا کر جواب دیا کہ:

”بادشاہان و گدایاں دو گروہ عجب اند
کہ نبودند و نباشند بفرمان کسے“

میں سمجھ گیا کہ آنے کے وقت وہ میری تواضع بجلا لئے تھے۔ مگر میں اُن کی تواضع سے قاصر رہا، اس لئے یہ کدورت آمیز بات چیت ہو رہی ہے۔ فوراً ہی میں نے جواب دیا کہ ”افسوس اُس شخص کی حالت پر جو اِن دونوں صفات کا جامع ہو۔“ (فہم من فہم)

ایسا ہی ایک اور واقعہ: ایک وہ دن تھا کہ مہاراجاؤں وغیرہ کے بڑے بڑے بخشہوں کو اگر میں اپنے ہاتھ سے شتہ جات میں لفظ بہادر، یا جیو لکھنا چاہتا تو نہایت اصرار کے ساتھ وہ منع کرتے تھے کہ جناب حضرت کو کسی طرح یہ زیب نہیں دیتا کہ ہم جیسے غلاموں کی نسبت یہ الفاظ لکھیں۔ اب اگر کسی معمولی آدمی کو بھی ہم اِن الفاظ سے نہیں پکارتے یا نہیں لکھتے تو اُن کے حماقت نشان چہروں پر رنگ ملال جھلکے لگتا ہے۔ یہ سب اس کا ثمرہ ہے کہ دلی کے والہوں اور ناظموں نے ہماری ہتک عزت اور ذلیل کرنے کے لئے عرش آرام گاہ کے دوسرے نواسوں یعنی ہمارے چچاؤں کی اولاد کو بھی قلعہ مبارک سے باہر نکلوا دیا۔ اور آل تیسور کی عزت و حرمت کو اِس درجے پر پہنچا دیا۔ سچ تو یہ ہے کہ ہمیں کو نہیں، بلکہ شاہ عالم بادشاہ کے بیٹوں تک کو اس کا ضرر و اثر پہنچا ہے۔ اسی حالت کے مصداق بادشاہ قرا یوسف کی تصنیفات میں ایک رباعی دیکھی، جو اُس نے اپنے ادبار اور اضطراب کی حالت میں کہی تھی۔ رباعی:

دیروز چنان وصال جاں افروزی
و امروز چنان فراق عالم سوزی

افسوس کہ در گسست صرم ایام
روزے اُن را نویسند و این را روزے

مگر آجکل زمانہ کچھ ایسے انداز دکھا رہا ہے کہ اب یہ بات محالاً سے نظر آتی ہے کہ ہماری آل و اولاد اپنے خاندان کے وتھرے پر مضبوطی سے قائم رہے۔ بقول شاعر:

آنکہ شہراں را کند رو بہ مزاج
احتیاج است احتیاج است احتیاج

اسی کی ضد میں کسی دوسرے شاعر نے یوں کہا ہے:
مرد غہرت کے شود رو بہ مزاج
می زند بر پشم خود صد احتیاج

مگر چرخ دوار کی گردہ کی بدولت اس زمانے میں اس طبیعت کا آدمی لاکھوں میں ایک آدہ بھی پیدا نہیں ہوتا، اور نہ مادر زمانہ پیدا کرتی۔ اس آسمان کی طرف سے جو صدمہ بھی پیش آئے، چار و ناچار اُتھانا ہے۔ اور جو کچھ تقدیر دکھائے، مجبوراً دیکھنا ہے۔ بقول صائب (بہت):

زندگی در گردن افتاد است صائب چون کلم
شاد باید زیستن، ناشاد باید زیستن
”یا لہت مت قبل ان ولدت“ *

صاحبان عالی شان انگریز بہادر کے اوصاف میں چند فقرے

جب تک ہم قلعہ مبارک میں قید رہے، کبھی کبھی صاحبان فرنگ کا نام سننے تھے، مگر دیکھا نہیں تھا۔ سمجھتے تھے کہ یہ لوگ علما کی طرح موہوم ہستی یا عالم غیب کے انسان ہیں، کہ نام سننے کے سوا آدمی انہیں اپنی آنکھ سے بہت کم دیکھ سکتا ہے۔ لیکن جب غلام قادر افغان کے ہاتھوں سلطنت کی تباہی رونما ہوئی اور ان صاحبوں کے وکیل مسٹر پالمر صاحب اور کرنیل بسکت (یا شائد کوئی دوسرا نام ہو) جو ملو فرخ آباد میں مقیم تھے۔ سہر کی طور پر قلعہ مبارک میں سلیم گڑھ کی طرف آئے، جس کا لقب نورگڑھ ہے۔ تو اکثر شاہزادوں کو محفل سے باہر طلب کر کے دیکھا۔ ہمارے دروازے پر بھی آکر ہمیں باہر بلوایا، اور خود مؤدب کہوے رہے۔ پالمر صاحب نے فارسی زبان

* کاہی میں اپنے پیدا ہونے سے پہلے ہی مرجاتا!

میں ہم سے اس تباہی کا حال دریافت کیا۔ کرنیل صاحب خاموش کھڑے رہے، شاید وہ ہندی یا فارسی زبان نہیں جانتے تھے۔ رخصت کے وقت کلی سو روپے بطور نذرانہ پیش کر کے روانہ ہوئے۔ ہم نے بھی بیڑہ اور ہار پاندان، عطر وغیرہ تیار کرا کر رسم مہمانی بجالانا چاہا۔ اور اس بارے میں حضور اقدس کو اطلاعی عرضی لکھی۔ مگر حضرت قدر قدرت نے ممانعت فرمائی کہ سلاطین کی یہ رسم نہیں ہے، موقوف رکھو۔ غرض ان صاحبان عالی شان کی بات چیت اور وضع قطع سے میں نے معلوم کر لیا کہ فرنگی صاحبان انتہا درجے کی آدمیت اور مرتبہ شناسی کی لیاقت رکھتے ہیں۔ میں اس گروہ سے ملنے کا مشتاق تھا۔ دہلی کے قلعہ مبارک سے نکلنے، اور راجاؤں کے علاقوں سے گذر جانے کے بعد لکھنؤ پہنچا۔ وہاں محرم الحرام کے عشرے میں تاشا دیکھنے کی طور پر چند انگریز رات کے وقت نواب وزیر اور ان کے نائب کے امام بارے میں آئے۔ ان کو دیکھنے اور ان سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ ان کے چہرے خود اس گروہ کی عقل و ذہانت کا پتہ دیتے تھے۔ مگر یہاں کے عام اور خاص لوگوں سے ان صاحبوں کے اخلاق اور حالات و واقعات مختلف سننے میں آتے تھے۔ اکثر منشی وغیرہ جو ان کے اشراف اور سنجہ دار ملازمین تھے۔ مدح و ثنا کے سوا، ان کے بارے میں اور کچھ کہتے ہی نہ تھے۔ اور عوام اپنی مجالسوں میں مختلف وجوہ سے ان کی برائی اور بھلائی دونوں کرتے رہتے تھے۔ میں نے سنجہ لیا کہ اس ہیئت کے مطابق:

مانجاللہ والرسول معاً - من لسان الوردے فکھف انا *

عوام کے قول پر اعتماد نہ کرنا چاہئے۔

پھر جب میں سمر دکن کے ارادے سے لکھنؤ سے نکلا، انگریزوں کے شہروں اور علاقوں میں گھوما پھرا۔ وہاں کی زمینوں کی آبادی، گائوں کی معموری و سرسبزی، رعایا کی محفوظ حالت، فلوں کی ارزانی، زراعت کی کثرت، راستوں کا چوروں اور مکاروں سے پاک ہونا، ناہموار راہوں کی ہمواری، مسافروں کے آرام کے لئے سڑکوں کے دونوں طرف سایہ دار درختوں کا پایا جانا، ہر ایک گائوں اور شہر میں عدالت اور منصفوں کا مقرر ہونا، حق دار کے حق دلانا، مظلوم کی حمایت اور ظالم کی تادیب، عالموں اور شریفوں کی قدر دانی، جاہلوں

* (ترجمہ) جب خدا اور رسول تک مظلوق کی زبان سے نہیں بچے تو ہم کیا ہیں۔

اور کھیلوں کو اُن کے حسب حال جگہ دینا، اقرار اور وعدوں کا پورا کرنا، پھر اُس پر اصرار و تاکید کے ساتھ عمل پیرا ہونا، یہ سب باتیں نظر آئیں۔ اُن کے سامان رزم وغیرہ پر نظر ڈالتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ رات دن فوجوں کی ترقی اور باقاعدہ تربیت میں مصروف ہیں۔ اسباب بزم کو ملاحظہ کرتا ہوں تو یہ نظر آتا ہے کہ ہر جگہ مکانات کی تیاری، فرش کروش کی صفائی ہے۔ اُن کے علم و فضل سے بحث کرنا چاہوں تو یہ عالم ہے کہ ہمیشہ حصول علم میں لگے رہتے ہیں، کئی کئی زبانوں سیکھے گئے اور سیکھے لیتے ہیں۔ بہادری میں اِن کا ہر فرد اپنے زمانے کا سب سے بڑا بہادر ہے۔ اور صرف کرنے میں ہر موقع پر اِن کا ہر ادنیٰ سب سے بڑا سختی نظر آتا ہے۔ غرضکہ مجسم علم ہیں۔ حرکات و سکنات میں فلاسفہ یونان کے لگ بھگ ہیں۔ اس فرقے کو ہر کار و بار میں درستی اور بات چیت میں راستی کچھہ استدر حاصل ہے کہ صرف پیمبری کی کسر رہ جاتی ہے۔ کاش پیمبری اِن سب بھلائیوں کا تمہ ہوتی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اُن کی ثروت اور اقبال کی ترقی، اُن کے ملک و مال کی افزونی کا سبب اُن کے یہی قوانین ہیں۔ کوئی مدعی اگر یہ کہے کہ یہ بھی تو اُس گروہ کی عادت ہے کہ جزئیات میں اکثر اپنے وعدوں کی خلاف ورزی نہیں کرتے، مگر کلیات کے عہد و اقرار کو تمس نہس کر ڈالتے ہیں۔ دعوے کے اثبات میں شواہد و دلائل کے طور پر بلگالہ وغیرہ کی حالت پیش کی جائے تو ہم کہیں گے کہ اگر چند بے مغز، بیوقوف ایسا کہیں بھی تو قابل اعتبار نہیں۔ اُس لئے کہ یہ بات بدیہی ہے کہ عقل مند آدمی کسی معاملے میں اپنا کوئی نقصان دیکھ کر کیونکر توقف اختیار کر سکتا ہے۔ بمصداق:

”قتل المودی قبل الایذا“ *

دنیا کے تمام مذاہب میں اپنے مصالح کے خلاف کاروائی کرنا بالکل بے جا ہے۔ اس کے علاوہ میں یہ بھی کہتا ہوں کہ اگر ہمارے زمانے میں ہندوستانی زیادہ عقل مند ہوتے تو اِس قوم سے مغلوب ہی کیوں ہوتے۔ بہر حال یہ لوگ بھی ہماری ہی طرح ہیں، اگر وعدہ پورا کرنے میں صریحاً اپنا کوئی نقصان دیکھتے ہیں تو خلاف ورزی کرتے اور ڈھیل دیتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ قصہ ہی ختم ہو جاتا ہے۔

* (توجہ) ایذا دینے والے کو ایذا دینے سے پہلے تک روکنا چاہئے۔

ہم نے تجربہ کیا اور اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ جب غلام قادر افغان اور اسماعیل بیگ شیطان، مصد بیگ ہمدانی کے ہتھیاروں نے ہزاروں ملتوں اور ساجتوں سے بڑے بڑے امیروں اور عالموں کو بیچ میں ڈال کر اپنا وکیل بنایا۔ اور کلام اللہ کو ضامن بنا کر شاہ عالم بادشاہ سے عہد و پیمانہ کئے۔ عہد ناموں پر طرفین کی مہرین لگا کر ان کو پکا کیا گیا۔ مگر پھر قلعہ مبارک کے اندر گھس آئے۔ اُس وقت چلد عقل مند اور تجربہ کار لوگ تخت خلافت کے نزدیک حاضر تھے۔ وہ ان ناہنجار، نیک حراموں کی گفتار اور اطوار کو پاگئے تھے، انہوں نے کہا کہ ”دونوں لچے ہیں، آج یقیناً دشا بازی سے چال چل رہے ہیں۔ اور بادشاہ کو تخت سلطنت سے اتارنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے حضور میں عرض کی کہ ان دونوں بد ذات کھیلوں کی حرکات اور سکناات سے ایسا نظر آتا ہے کہ شاید ان کے ہاتھوں کوئی انقلاب رونما ہونے والا ہے۔ ابھی یہ لوگ مغلوب ہیں، اور ملازمین حضور غالب۔ محض گنتی کے چند لوگوں کے ساتھ شاہی توپ خانے کے سامنے کھڑے ہیں۔ سرکار کے گولہ انداز تیار اور ہتھیار بند ہیں، توڑے بھرے ہوئے حضرت قدر قدرت کے حکم کے منتظر ہیں۔ حکومت کی بھلائی اسی میں ہے کہ حکم والا صادر ہو کہ شاہی توپ خانے کو آگ دیدیں۔ اور فوراً قلعہ مبارک کے دروازے بند کر دیں، تاکہ بد معاشوں کا کام آسانی کے ساتھ فیصلہ کن انجام کو پہنچ جائے۔ آگ ابھی دھیمی ہے، تھوڑے پانی سے بجھا سکتے ہیں۔“ مگر آہ کہ دانا خیر خواہوں کا یہ معروضہ قبول نہ ہوا۔ ارشاد ہوا کہ اب تک ہمارے خاندان سے دفاع عمل میں نہیں آئی ہے۔ اگر خود ان نیک حراموں کی جانب سے کسی وقت کوئی ایسی بات ظاہر ہوئی تو کلام اللہ ضامن ہے۔ وہی انہیں سنبھالے گا، اور سزا کو پہنچائے گا۔ آخر کار حضرت قدر قدرت نے فدویوں کی نصیحتیں نہ سنیں اور جو کچھ دیکھنا تھا دیکھا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ: زمانے کا یہی دستور چلا آتا ہے کہ غالب قوم، مغلوب قوم کو اپنا محکوم بناتی ہے۔ جس طرح دہلی پر مدتوں ہندو راجا راج کرتے رہے۔ پھر کچھ عرصے تک افغان حکومت چلاتے رہے۔ پھر کچھ دنوں مغل ترک فرماں روا رہے۔ اس کے بعد دکنیوں کی باری آئی۔ اب اگر انگریز بہادر کا عالی شان گروہ قابض و متصرف ہو جائے تو کیا تعجب۔ یہ قوم تو سابقہ قوموں سے زیادہ عقل مند ہے۔ قسم قسم کی آبادی، سرسبزی اور ملکی رونق کے لحاظ سے دوسروں پر فائق ہے۔

اس ملک کے مردوں، عورتوں، آب و ہوا، طور و طریق، اور موسموں کا ذکر

اور اسی کے مناسب بعض فوائد جو اس ضمن میں

آتے ہیں، یہاں لکھے جاتے ہیں

اس ملک میں بارہاں کا موسم، موسم سرما کے وسط میں ہوتا ہے۔ مگر بہت کم اور گرمیوں کا موسم ہمیشہ بے مزہ رہتا ہے۔ بہار تو کبھی کہیں معلوم ہی نہیں ہوتی۔ تاہم بھوک وغیرہ کے لحاظ سے ہوا لکھنؤ سے بہتر ہے۔ مگر یہاں کا پانی آدمی کو بہت جلد دور پیری میں پہنچا دیتا ہے۔ اکثر مرد اور عورتیں بات چیت کا لطف نہیں جانتے۔ خاصکر یہاں کی دکھلی زبان طبیعت کو بہت ناگوار ہوتی ہے۔ لباس اور زیور میں بھی کوئی نزاکت نظر نہیں آتی۔ سنگتہرہ یعنی نارنگی اور مٹھے لیموں (سات گڑہ) کے سوا ہندوستان کے اکثر مہوے پیدا ہوتے ہی نہیں۔ کبھی کچھہ مل بھی جاتے ہیں تو بے مزہ۔ اور کرناٹک والے گھبوں کی روٹی کا مزہ ہی نہیں جانتے۔ کبھی کبھار کھاتے بھی ہیں تو پیت پھو کو نہیں بلکہ مہوے وغیرہ کی طور پر ذرا سی کھالیتے ہیں۔ محترم الحرام کا فہرہ تو بالکل ہولی کی طرح ہوتا ہے۔ ہولی، دوالی، دسہرہ اور پنج روز کے موسم سے یہ لوگ مطلق واقف نہیں۔ صرف وہی لوگ جانتے ہیں جو ہندوستان سے نئے نئے آئے ہیں۔ اور ان اطراف کے اکثر امراء مجلس نھیلی کے قاعدوں سے محروم ہیں، بلکہ آدمی کے سایے سے بھاگتے ہیں۔ ٹوٹی، بڈلہ سلجی، تفلن طبع، سخن فہمی، شعر فہمی، گانا سلنے کا ذوق وغیرہ جو مہوے کی خشکی دور ہونے کا بہترین ملاح ہے۔ پوشاک کی آراستگی، خوراک، عورتوں کی آرائش اور خود آرائی، غرض سب نما پیدا ہے۔ دو دو تین تین مہلوں کے بعد خط بلواتے اور سر کے بال کٹواتے ہیں۔ اور یہاں کے حکیم تو بڑی بڑی بیماریاں کرتے ہیں۔ مریضوں کو ہلاک کر دالتے ہیں۔ کچھہ طب جانتے ہیں، مگر اس پر عمل نہیں کرتے۔ ان کی قابل ذکر غلطیوں میں سے دو چار بیان کرنا ہوں۔ ایک یہ کہ بصران کی رعایت بالکل منضوط نہیں رکھتے۔ بغیر عین کے مسہل دیدیتے ہیں۔ اور ایک ہی مسہل پر اکتفا کرتے ہیں۔ عین کو سودائی یا بلغمی پانے، یا بدن کو اخلاط سے بھرا ہوا دیکھنے پر ہی دوسرا مسہل نہیں دیتے اور قصد کی طرف تو رج ہی نہیں کرتے۔ چاہے مریض خون کے فلسفہ سے مرنے کے قریب ہی کہوں نہ پہنچ

جائے، بے تامل بیمار کے سامنے مہلک مرض کا ذکر کر دیتے ہیں، گو خلاف واقع ہی کیوں نہ ہو۔ اُسے موت سے ڈرا دیتے اور اُسکے وارثوں کو پریشان کر دیتے ہیں۔ خالص یونانی علاج کی جانب توجہ ہی نہیں۔ بلکہ ”عطر مجموعہ“ کی طور پر نسخوں میں یونانی، ڈاکٹری، تلنگی سب قسم کی دوائیں لکھ مارتے ہیں۔ بعضوں کا عقیدہ تو یہ ہے کہ اِس دیار میں بصران ہوتا ہی نہیں۔ اور فصد مریضوں کے حسب حال نہیں ہوتی۔ کہتے ہیں کہ اِن ملکوں میں جانداروں کے بدن میں خون کم پیدا ہوتا ہے۔ حالانکہ معتقد میں اور متأخرین میں سے کسی کی کوئی ایک کتاب بھی ایسی نہیں جو اِن مہلات کی شاہد اور مؤید ہو۔ کوئی پوچھنے والا نہیں کہ یہ خرافات باتیں اگلے اور پچھلے استعمادوں کی تالیفات کی سلدوں کے بغیر کس بنا پر کہتے ہو۔ البتہ بعض طبیب یونانیوں کے پیرو نظر آتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ اسی قانون پر علاج کریں، مگر جاہل لوگ اُن کی نہیں چلنے دیتے۔ چونکہ کثرت ہی کو غلبہ ہے، یہ بیچارے مجبور ہو کر خاموشی اختیار کئے ہوئے ہیں۔ بیمار لوگ جاہلوں کا علاج کر کے اُن سے مانوس ہیں، اور اِس نادان گروہ کی بے اصل باتیں مدت العمر سے سنتے رہے ہیں۔ اِس لئے اِن کے دل میں جم گئی ہیں، اور اُنہیں کے خوگر ہو چکے ہیں۔ ہماری باتوں پر کان ہی نہیں دہرتے، بلکہ ہمیں کو نادان سمجھتے ہیں۔ ہم انہیں کتابیں بھی دکھاتے ہیں۔ کھلی ہوئی دلیلیں اور کھلے کھلے تجربے پیش کرتے ہیں، مگر نہیں مانتے۔ خدا کی شان۔ اِس میں شک نہیں کہ یہ سب اِس بات کا نتیجہ ہے کہ یہاں کے معزز اور اعلیٰ طبقے کے بیمار، غرض سب کے سب اِس فن کو ذرا بھی نہیں جانتے، کہ خود ہشیار ہو کر حکیموں کو سہدھ راستے پر لے آئیں، سچ اور چہوت میں تمیز کرسکیں۔ اور اِن جاہل حکیموں کی غلطیوں کی بلا سے نجات پرائیں۔

اب رہا یہاں کا ناچ گانا، تو اِس میں بھی قدامت کا رنگ نظر آتا ہے۔ لکھنؤ اور دہلی کے طور پر نہیں، آجکل تو وہاں رقص و سرود میں بھی عجب نئے نئے انداز پیدا ہو گئے ہیں۔ یہاں اُس کی بو بھی نہیں پہنچتی۔ (آ) مجھے وہ دن یاد آتے ہیں، جبکہ دلی کے باکمال استعمادوں سے کیسے کھسے گئے سنئے میں آتے تھے۔ خلیفے کو ایک بار خلوت میں احمد شاہ بادشاہ

ابن محمد شاہ فردوس آرام گاہ اور شاہ جہاں ثانی یعنی محیی الملک ابن محیی السنۃ ولد محمد کام بخش، (یہ حضرت اورنگ زیب عالم گیر بادشاہِ غازی کے چھوٹے بیٹے تھے) اور شاہزادہ محمد جام بخش بن شاہزادہ محمد کام بخش موصوف سے ایسے ایسے گانے سنے ہیں کہ پھر اُن کی جھسی دس بھری اور دلکداز آوازیں آج تک ہمارے کانوں کو سننے میں نہ آئیں۔ حالانکہ اِن بزرگوں کے گانے کا طریقہ بھی قدمائے سرود کے انداز پر تھا۔ حق تو یہ ہے کہ گزرا ہوا زمانہ کسی کو بھی ہاتھ نہیں آتا۔ حضرت سعدی گلستان میں فرماتے ہیں: (شعر عربی)

فتقدت زمان الوصل والسرء جاہل
بقدر لذیذ العیش قبل المصائب *

جس زمانے میں احمد شاہ کو تخت سلطنت سے معزول کر کے اُن کی آنکھوں میں نیل کی سلائی پھیری گئی، وہ تو محض سلاطین میں تہید کر کے رکھے گئے تھے۔ ایک آنکھ میں کسی قدر بصارت باقی تھی، ذرا ذرا لکھ پڑھ لیتے تھے۔ اسی وقت میں پیدا ہی ہوا تھا۔ بادشاہ معزول نے اسی گوشہٴ خفا میں جہاں ہم سب بھی مقید تھے، اپنی زندگی کے دن تقریباً اُنیس سال گزارے۔ اب راقم جوان ہو چکا تھا، اور اُن کی صحبت اور پر لطف باتوں سے مزہ اُٹھاتا دھتا تھا۔ اُس کے بعد شاہ موصوف نے مرضِ خلاق میں مبتلا ہو کر اپنی عزیز جان قضا و قدر کے حوالہ کر دی۔ میں نے اکثر سنا ہے کہ وہ تہذیبی سانسیں بھر بھر کر یہ دو شعر پڑھتے اور دیر تک سر جھکیاں دھتے تھے۔ بیت:

سخت است پس از جاہ تصکم بردن سعدی
خو کردہ بناز، چور مردم بردن
زندگی در گردن افتادست صائب چون کنم
شاد باید زیستن، ناشاد باید زیستن

اس واقعے کے بعد شاہزادہ محمد جام بخش موصوف نے بھی اپنی ودیعتِ حیات، قضا و قدر کے موکلوں کو سونپ دی۔ اور دنیا سے چل بسے۔

* ترجمہ: (آہ کا) میں نے دورِ وصل کو کھو دیا۔ سچ ہے کہ آدمی مصیبتوں سے پہلے لذتِ معیشی کی قدر سے نا آشنا ہوتا ہے۔

اب دھ شہ جہاں ثانی، وہ بھی اسی طریقے پر نو مہینے تک سلطنت کرنے کے بعد معزول ہوئے، مگر جان اور آنکھوں کی سلامتی کے ساتھ مذکورہ نو مہینے میں قید تھے۔ سات سال تک ہم اور وہ ایک جگہ رہے۔ کوئی دیوار بھی درمیان میں حائل نہ تھی۔ ایک دوسرے کے ساتھ کھیلنے کودتے تھے۔ اُس زمانے میں مہرا سن دس سال کا تھا اور وہ شاید بیس سال کے ہونگے۔ اپنے قیام لکھنؤ کے زمانے میں میں نے سنا کہ انہوں نے بھی قید سلاطینی میں وفات پائی۔ ان سب بزرگوں پر خدا کی رحمت ہو۔

محمد شاہ فردوس آرام گاہ کی سلطنت کے آخری دنوں میں کابل اور ہرات کے بادشاہ یعنی احمد شاہ درانی ابدالی افغان نے شاہ جہاں آباد دلی اور ہندوستان کے دوسرے شہروں کی تسخیر کے ارادے سے لشکر کشی کی۔ جس وقت وہ بلدہ لاہور کے قریب پہنچے۔ دہلی کے بادشاہ محمد شاہ کئی ہمداریوں میں گرفتار اور قریب مرگ تھے۔ انہوں نے اپنے بیٹے کو اپنا ولی عہد بنایا۔ اُس کا نام بھی مرزا احمد تھا، اور سترہ سال کی عمر تھی۔ اُسے اپنے وزیر اعتماد الدولہ قمرالدین حسین خان بہادر کے ہمراہ جنگ کے ارادے سے روانہ فرمایا۔ لاہور میں دونوں فوجوں کی مذہبیز ہوئی۔ وزیر موصوف ظہر کے وقت، تہ خانے میں، جانماز پر، عین حالت نماز میں ایک توپ کے گولے کی مار سے شہید ہوئے۔ مرتے وقت انہوں نے اپنے بڑے بیٹے معین الملک رستم ہند کو جس کا لقب مہر ملو تھا، اور جو اُن کے ہمراہ ہی تھا، حضرت مرشدزادہ ولی عہد سے وزارت کا خلعت دلوایا۔ اور ابدالی بادشاہ سے جنگ کرنے کی بہت کچھ ترغیب و تصریح دی۔ اپنے چھوٹے بیٹے کو ننگ و ناموس اور نام کی حفاظت کے لئے بہت کچھ نصیحتیں فرمائیں۔ اور رسوم تعزیت کے بارے میں سخت ممانعت کر کے اپنی جان عزیز خدا کو سونپ دی، جو سب کا خالق ہے۔ چند ہی روز بعد عینی تائبہ اور شاہزادہ میرزا احمد کی بہادری و دلہری، معین الملک رستم ہند کی شجاعت اور اُس قادر پے مثال کی مہربانوں کی بزرگی سے، نصرت و اقبال کی ہوا کے جھونکوں نے فتح ہندوستان کا رخ شاہزادے کی جانب پھیر دیا۔ کابل و ہرات کا بادشاہ احمد شاہ ابدالی، خود میرزا احمد شاہزادہ ہندوستان کے ہاتھ سے مجروح ہوا۔ اس کے کاندھے پر

تہر کا زخم لگا۔ زخم کھا کر وہ بھاگا اور شکست پا کر اپنے اصلی وطن کی طرف چل دیا۔ معین الملک نے دریائے اٹک تک تعاقب کر کے چھوڑ دیا۔ جمع کے چند روز بعد نواب ملکہ زمانی نے جو بادشاہ فرخ سہر شہید مرحوم کی بیٹی اور جناب بادشاہ کی بڑی محفل تھیں۔ شاہزادہ موصوف کو ایک خفیہ خط بھیجا اور اطلاع دی کہ فلاں دن اور فلاں وقت بادشاہ دارا سہا نے اس دارالنداء کو چھ فرمایا، اور دارالبعث میں اپنا خیمہ لگایا۔ جہاں تک ہم سے ممکن ہے تہارے آنے تک اس ناخوش گوار واقعے کی خبر چھپا کر رکھیں گے، تاکہ کہیں ایسا نہ ہو اس وقت جو امراء یہاں موجود ہیں، وہ کسی دوسرے شاہزادے کو جو محفل کی قید سے نکال کر بادشاہ بنالیں۔ تمہیں چاہئے کہ کھانا وہاں کھاؤ تو جلد یہاں پہنچ کر ہاتھ دھو۔ اس ہولناک واقعے کی اطلاع پاتے ہی شاہزادہ موصوف نے فوراً دریائے اٹک تک پورا بندوبست کیا، پھر اپنے وزیر اور لشکر جرار کو لیکر یلغار کرتے ہوئے صرف پانچ روز میں شاہ جہاں آباد دلی پہنچ گئے۔ اور دلی دروازے کے راستے سے قلعہ مبارک میں داخل ہوئے۔ اسی وقت تخت سلطنت کو اپنے جلوس سے مزین و سرفراز فرمایا۔ اپنے بادشاہ ہونے کی نوبت بجا دی، اور اپنی ذات مبارک کا لقب احمد شاہ رکھا۔ پھر جناب بادشاہ مرحوم کا جنازہ خضری دروازے کے راستے سے روانہ کیا اور حضرت سلطان العارفین، محبوب رب العالمین زر زری زربخش سلطان نظام الدین رح کی درگاہ میں دفن کیا گیا۔ اب بادشاہ دہلی یعنی احمد شاہ نے عیش و عشرت کے سارے دروازے اپنے اوپر کھول دیے۔ اپنی والدہ کو صاحب جیو، نواب صاحبہ زمانی، اور نواب قدسیہ کے خطاب سے اور اپنے ماموں مان خاں کو معتمد الدولہ بہادر کے خطاب سے سرفراز کیا۔ رات دن کھیل کود میں گرفتار اور زمانے کی نیرنگی سے بالکل غافل رہنے لگے۔ پانچ سال کے بعد وزیر الممالک نواب معین الملک رستم ہند نے ہیفے کے عارفیہ میں انتقال کیا۔ کچھ دنوں معین الملک کے بھائی خان خاٹان وزیر رہے۔ ان کے بعد جناب بادشاہ کی سلطنت کے آخری دنوں میں وزارت کا قلم دان عباد الملک غازی الدین خاں کو عطا فرمایا۔ چند روز بعد پھر مختلف اسباب کی بنا پر جن کا ذکر یہاں مناسب نہیں۔ تقدیر الہی کی بدولت اسی وزیر کے ہاتھوں اس بے تدبیر بادشاہ کو، اپنی اور اپنی والدہ دونوں کی آنکھوں سے محروم اور سلطنت سے معزول ہو کر مذکورہ

نو محلے میں مقید اور گوشہ نشین ہونا پڑا۔ تاہم بادشاہ کی ایک آنکھ میں کسی قدر بیدائی باقی تھی، تھوڑا بہت لکھ بچہ لیتے تھے۔ ان کی سلطنت کل چھ سال سات ماہ رہی۔ اس کے بعد سلطنت کا کام حضرت عرش منزل کو ملا۔ ان کی سلطنت کے اوائل ہی میں احمد شاہ بادشاہ ابدالی پھر اپنی شکست کا انتقام لینے کے لئے لشکر لیکر دہلی پر چڑھا آیا اور اُسے مستخر کر لیا۔ صلح کے بعد احمد شاہ والی کابل نے حضرت فردوس آرام گاہ کی بیٹی سے شادی کا پیام دیا، جن کا نام حضرت بیگم تھا، اور جو نواب صاحبہ محل کے بطن سے پیدا ہوئی تھیں، اور احمد شاہ بادشاہ معزول کی سوتیلی بہن تھیں۔ بیگم کو منظور کرنا پڑا۔ پوری آراستگی، زینت و آرایش، شہسوار چیتڑ و سلمان، مرصع گھوڑوں اور ہاتھیوں کے ساتھ کہ اس بوزیر آستانہ کی آنکھوں نے کبھی ایسا بھاری بھاری مال و دولت اور ساز و سامان نہ دیکھا ہوگا۔ بظہر و خوبی شادی انجام کو پہنچی۔ چند ہفتے بعد داماد اپنی دلہن اور ساس کو ہمراہ لیکر اپنے پایہ تخت کو واپس ہوا۔ کم و بیش اٹھارہ سال تک ماں بیٹی دونوں کابل میں رہیں۔ پھر حضرت بیگم نے کسی مرض میں مبتلا ہو کر وفات پائی۔ مرحومہ کی والدہ صاحبہ محل اُن کے جنازے کو لیکر دہلی پہنچیں، اور حضرت فردوس آرام گاہ کی قبر کے پاس دفن کرایا۔ ایک سال بعد احمد شاہ معزول شاہ دہلی نے بھی مرض خناق میں انتقال کیا۔ اسی سال بادشاہ موصوف کی والدہ تولنج ایلاؤس کی بیماری میں مبتلا ہو کر مر گئیں۔ بارہ سال کے بعد احمد شاہ ابدالی شاہ کابل نے بھی وہی مرض خناق میں انتقال کیا اور اہل خانہ عزیز قضا و قدر کے خازنوں کے حوالہ کر دی۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

اپنی دختر کی تجویز اور تکنیوں سے فارغ ہونے کے بعد نواب صاحبہ محل کو حضرت شاہ عالم بادشاہ نے اپنے محل خاص میں یاد فرمایا۔ اور حضرت بیگم کی بیماری و موت کے حالات، راستے کی دور و دراز مسافت طے کرنے میں جو جو تکلیفیں پھیں آئیں، نیز جو کچھ ہم واندوہ اُن پر گزرا اُسکے واقعات تفصیلاً فرمائے۔ اتفاق سے اس مجلس میں راقم کی والدہ بھی موجود تھیں۔ نوابیہ صاحبہ محل، بادشاہ کے حضور میں پہنچتے ہی بے اختیار رو رو کر حقیقت حال بیان کرنے لگیں۔ یہ منظر کچھ ایسا اندوہناک اور دل خراش تھا کہ بادشاہ سلامت اور سارے حاضرین ناچ گانا بھول گئے۔

اور اس مصیبت زدہ بیگم کے شریک حال ہو کر زار زار رونے لگے۔ نواب صاحبہ محصل نے سب سے زیادہ عجیب بات یہ بیان کی کہ ”میں راستے بھر رات دن، اپنی بیٹی کے جنازے کے صندوق کے پہلو سے پہلو لٹاے دھتی تھی، اسی صندوق کو بغل میں لٹے بیٹھتی اور سوتی تھی۔ کسی وقت رونے پھٹنے اور ہائے ہائے سے مجھے ذرا بھی قرار نہ تھا۔ ایک رات حسب عادت گریہ و زاری میں مصروف تھی کہ صندوق سے ایک آواز سنائی دی کہ میری بیٹی بڑی دلدھی کے ساتھ مجھ سے کہہ رہی ہے: امان جان! رونا پیٹنا بھکار ہے، آخر کب تک روتی رہو گی، اب صبر کے ساتھ جھینا چاہئے۔“ اس کے بعد آواز بند ہو گئی، میرے رونے دھونے میں ذرا کسی ہوی اور ایک حد تک صبر سے سارا راستہ کٹا۔

جس وقت غلام قادر کا ہنگامہ برپا ہوا تو نواب ملکہ زمانی اور نواب صاحبہ محصل کے محلات لوت مار میں تباہ ہوئے۔ اس لئے کہ وہ قلعہ مبارک کے باہر موری دروازے کی طرف واقع تھے۔ اسی سال نواب ملکہ زمانی نے انتقال فرمایا، اور اپنی مستعار زندگی سے کنارہ کیا۔ لیکن صاحبہ محصل اپنی بیٹی کی وفات کے بعد تیس سال تک اپنے انفاس حیات گنتی اور چار و ناچار قاصد موت کا انتظار کرتی رہیں۔ اب قیام کرناتک کے زمانے میں حکیم سید غلام علی خاں دہلوی سے میری ملاقات ہوئی۔ یہ بہت دنوں سے یہاں وارد ہیں، ان کے والد حکیم اکمل خاں، جناب نواب مبارک محصل صاحبہ کے خان سامان تھے۔ اٹھارے ملاقات میں ان کی زبانی سنا کہ نواب صاحبہ محصل نے اس زمانے میں موت کا صدمہ دیکھا، اور گوشہ قبر میں جا سوئیں۔ سچ ہے: ”کل نفس ذائقة الموت“۔*

تاکید: ان عورتوں کا حسن و جمال میں کہا بیان کروں کہ اس موقع کے لئے کچھ زیادہ مناسب نہیں۔ ان کے علاوہ قلعہ مبارک کے زمانہ قیام میں تین ایسے مزہ میرے دیکھنے میں آئے کہ اپنے عالم شباب میں، حسن سہرت اور صورت میں ایسے تھے کہ آج تک ان کی کوئی اور نظیر دیکھنے میں نہیں آئی۔

ایک: ناظر بختاور خاں، جس کا خطاب بہروز خاں تھا، اس کو دیکھتے ہی دیکھتے والے کی آنکھوں پر حیرت و خیرگی چھا جاتی تھی۔ اور خیال ہوتا کہ انسان ہے یا کوئی حور۔ چہرہ گویا قرص آفتاب تھا، قد مہانہ،

سر و نوخاستہ کے مانند، چہرے پر وہ آب و تاب کہ عورتوں اور مردوں کا ایک عالم اُس پر فدا ہوتا اور دیکھتے کا دیکھتا رہ جاتا تھا۔

ناظر مذکور پہلے منگلی اور ناظر بھروز خاں مرحوم کی اولاد میں تھا۔ حضرت قدر قدرت کے راویات عالیہ کی غیر موجودگی کے زمانے میں قلعہ مبارک کی نظارت کل کی خدمت، اور متصل معلمے نیز دیگر سلاطین اور بیگمات کے متصلوں کی کلچیاں اسی کے دست اختیار میں تھیں۔ نظارت کے سارے خواجہ سرا، منگلی، پھادے اور مہرد ہے، جو مختلف ڈیوڑھیوں پر متعین تھے، وہ سب اِس کے تابع اور زیر حکم تھے۔ اُس کے حکم سے کلچیاں لاکر صبح سویرے ساری ڈیوڑھیوں کے قتل کھولا کرتے تھے۔ اور معمولی جواہر و سوارا کے بعد راتب کا اسباب، پانی کی پکھالیں، گوشت، پھل پھلاریاں، ضرورت کی دوسری چیزیں اور لازمی حوائج، شادی اور مہمانی کے ضروری اشیاء وغیرہ پہنچاتے رہتے تھے۔ بعض ڈیوڑھیوں کو دن کے تین پاس گزرنے پر، اور بعض کو چار گھنٹے دن رہ تک، بعض شاہی محلات کی ڈیوڑھیوں کو شام کے وقت اور بعض کو رات کے کم و بیش ایک پاس گزرنے پر معمرہ کر کے، قتل دے کر، کلچیاں نواب ناظر کے حضور میں سونپ دیتے تھے۔ اور وہ کلچیوں کے خریطے (تھیلے) کو اپنے سرہانے یعنی اپنی خواب گاہ کے تکیے کے نیچے احتیاط سے رکھ لیتا تھا۔ جب حضرت قدر قدرت الہ آباد سے قلعہ مبارک میں تشریف لائے تو کسی وجہ سے ناظر بختاورد خان معروض عتاب میں آجا اور قہد کر دیا گیا، اسی حالت قہد میں اُس نے ذیابیطس کے مرض میں وفات پائی۔

اب نظارت کی خدمت منظور علی خاں کے حوالے ہوئی۔ یہی خدمت الہ آباد میں بھی اُس کے ذمے تھی۔ مگر آخر آخر میں اپنی نادانی سے افغان کے دھوکے میں آگیا، اور بالکل بے تصور اِس سلطنت کی بربادی کی تہمت اپنی گردن پر لی۔ خود تباہ و برباد ہو کر مقید ہوا۔ اب تک سانسوں گن گن کر زندگی مستعار کی سخت گھڑیاں کات رہا ہے۔

دوسرا شخص: مرزا حامد علی نامی تھا۔ یہ نواب زبیدہ بانو بیگم عرف قطبی بیگم کا پالکوا تھا۔ اور یہ بیگم شاہزادہ مصدکام بخش کی بیٹی تھیں۔

بارہا راقم نے خود اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کیا ہے۔ سر سے پاؤں تک گویا قدرت نے اسے اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا۔ قریب اور دور سے ایک عالم آتا اور اُس کے نظارۂ حسن سے اپنے ہوش و حواس کھو دیتا تھا۔ اُس کے دل پذیر چہرے کا انداز نہایت درجہ پہارا تھا۔ گردن اور قد کی پستی و بلندی بے حد معتدل اور عظیم النثال تھی، گویا ”خیرالامور اوسطہا“ اسی کی شان میں آیا تھا۔ ہمارے زمانے میں مادرِ زمانہ نے شاید ہی اور کوئی ایسا حسین پیدا کیا ہو۔ بائیس سال کی عمر میں اس کی شادی ہوئی، صرف دو ہفتے کا دولہا تھا کہ ظالم چیچک کے عارضے میں مبتلا ہوا اور چودہ روز کے اندر اِس چودہمیں رات کے چاند کو اُسکی بیوقت موت نے ہمیشہ کے لئے قبر کے گوشے میں پہنچا دیا۔ خدا جانے کس کی نظر کھا گئی۔ ایک عالم اس کے حسن پر پناہ کو یاد کر کے خون روتا ہے اور زندگی بھر روٹھکا۔

تیسرے صاحب: شاہزادہ مرزا فرخندہ بخت تھے، جن کا خطاب جہاں شاہ اور قمر تخلص تھا۔ یہ حضرت قدر قدرت کے بیٹھے تھے۔ شاہزادی نواب سہدۃ النساء بیگم عرف منجھو بیگم کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ جو مصدقہ قوت افزا عرف مہرزا مدو کی حقیقی بہن تھیں۔

ایک روز میں نے ایک سرگاہ میں دیکھا کہ اپنے ملازموں کے انبوہ میں چلے جا رہے ہیں۔ ہر شخص سے اُن کی گردن اور سر بلند نظر آتا تھا۔ کہا سر و سہی کا سا خوش نما قد تھا کہ خدا کی پناہ۔ اِس دراز قدی کے باوجود ایسا خوب صورت قد میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ کسی شاعر نے کہا خوب کہا ہے۔ بہت:

ابنِ ہمہ شاعران نادیدہ - فلعلی را بخود پسندیدہ

یارِ را سر و قد می خوانند - سر و چو بہست نا ترا شہدہ

ریختہ میں میرے دو شعر ہیں:

جہاں کے خوب رویاں یہاں خجھل ہیں - کہ دہلی کے بت چین و چگل ہیں

میرے سر و سہی کو جس نے دیکھا - سہی سروان گلشن پا بہ گل ہیں

اِس کے کتابی چہرے کا انداز، میں کہا بیان کروں کہ یہ دو زبان والا قلم بھی قاصر زبان ہے۔ مہرا ایک شعر ہے:

ترے رخسار انور کے مقابل - شمع شمس و مہ بھی مشتعل ہیں

اسی طرح اُن کی دونوں سیاہ مست، دلربا اور نرگسیں آنکھیں، گویا سرخ لالے کے دو ساغر تھے، جو تازہ و تر گلاب کی پتھوں کے دو صفتوں پر دھرے ہوئے تھے۔ مہرا ایک شعر ہے:

نظر میں نرگسیں مہرے! تجھے آگے - یہ سارے نرگس شہلا خجیل ہیں
 ہر علم و فن، خاصکر خوش نویسی اور آداب و تمکنت میں سارے تیموری
 خاندان میں منتخب تھے۔ آہ کہ پچیس سال کی عمر میں بعارضۂ سرسام
 دنیا سے چل بسے۔ خدا اُن کی بخشش فرمائے۔ کسی شاعر کا قول ہے:

خوش است عمر و درینا کہ جاودانی نیست
 پس اعتماد بریں پنج روز فانی نیست
 کدام باد بہاری و زید در آفاق
 کہ صرصر اجلس درینے خزانی نیست

مہرا ایک فارسی شعر ہے۔ بیت:

اے فلک باگل زہ مہماں نوازی ساختی
 شد چووا چشمن، برو خاک خزاں انپاختی

اور ایک اردو شعر ہے:

گر جاں عزیز ہے نہ ادھر آؤ عزیزو!
 یانسے تو نکلتے ہیں یہ لاشے ہی مچھامچ

شاہزادہ موصوف کے صرف دو تین شعر یاد رکھئے ہیں۔ بطور یادگار

حوالہ قلم ہیں:

مرزا فرخندہ بختیہ جہاں شاہ متخلص بہ قمر مرحوم کا کلام

کچھہ تجکو لکھیں تو کس نط ہم
 پیچیدہ ہیں غم میں مثل خط ہم

کوئی پتے پر نہ آیا مجرموں کے غم صبر
 منت مہزان ستم میں ہم گئے قاتل کے تل

اے قمر دل گھر مت ہو، کھول دینگے اُن میں
 حضرت مشکیل کھا عقدے تری مشکل کے کل

خاتمہ کتاب

(تصنیفات کا بیان)

- ۱- اپنے قیام لکھنؤ کے زمانے میں، میں نے کا مل ایک سال کے اندر ایک ترکی چغتائی لغت کی کتاب تالیف کی، جس میں قدیم مؤلفین کی طرز کے خلاف تفصیل کے ساتھ بہت آسان طریقے پر نئے نئے فوائد لکھے ہیں۔
- ۲- ایک مہینے میں نسخہٴ محبوب القلوب کا مقفے نثر میں فارسی زبان میں ترجمہ اور کچھہ اُس پر اضافہ کیا ہے۔ اصل کتاب میر نظام الدین علی شیر متخلص بہ نوائی کی تصنیف اور ترکی زبان میں ہے۔
- ۳- ایک ہفتے میں ”نصاب ترکی“ صنعت مقلوبات میں مرتب کی، جس میں دو سو بیس شعر ہیں۔
- ۴- تین روز میں امیر خسرو کی خالق باری کے جواب میں، اُسی وزن پر ایک مختصر رسالہ ترکی اور ہندی زبان میں مرتب کیا۔ اس میں سارے چھ سو شعر ہیں، اور اس کا نام میں نے ”تکری تاری“ رکھا ہے۔
- ۵- حکیم حسین رضا خاں کی استدعا پر جو ہماری سرکار کے ملازم ہیں، چند ہفتوں کے اندر بقراط کے ”رسالہ تبریہ“ کا فارسی میں ترجمہ کیا، پھر اُسے نظم کا لباس پہنایا۔ یہ رسالہ عربی زبان میں، مریضوں کی رومی علامتوں کے بیان میں ہے۔
- ۶- اس کے بعد ”نسخہٴ سائنحات“ کی تالیف میں مشغول ہوا، جس میں مہری اکثر نصیحتیں اور تنبیہیں مذکور ہیں۔ اب تک اِس میں ایک سو نو سائے درج ہو چکے ہیں۔
- ۷- جس وقت میں عظیم آباد پہنچا تو راءے تیکارام کی خواہش پر سات دن کے اندر ایک اور کتاب ”نصاب ترکی چغتائی“ تصنیف کی۔ جس میں چار سو باون اشعار ہیں۔ راءے تیکارام ہمارا موروثی خانہ زاد، ہماری سرکار کا بخشی اور راجہ دیارام کشمیری کا علاقہ بھائی تھا۔
- ۸- جب میں مقصود آباد میں وارد ہوا تو عقیدت نہاد، راسخ الاعتقاد مرزا جان طیش کی خواہش پر اپنے واقعات کی تالیف شروع کی۔ کیونکہ اِس باب میں اُن کا نہایت درجہ اصرار تھا۔

فائدہ: راے ٹیکارام بہادر کا تخلص ظفر اور اس کے بھائی راجہ دیارام کا تخلص لوشا ہے۔ یہ بادشاہ جم جاہ کا دیوان تھا، دونوں ایک کشمیری مؤبد (پلڈت) کے بیٹے تھے۔ راجہ دیارام، شاہ نظام الدین عرف شاہ کوزی کی وکالت کے زمانے میں کسی الزام میں ماخوذ ہوا اور اُسے ہاتھی کے پھروں میں ڈال کر مروا ڈالا گیا۔ ہمارا خاص موروثی خانہ زاد تھا۔

جس وقت میں لکھنؤ سے روانہ ہوا، ٹیکارام نواب مدارالدولہ بہادر کا ملازم تھا۔ اُن سے میں نے ٹیکارام کو لیکر اپنی سرکار میں بخشی گری کی خدمت پر سرفراز کیا۔ مگر جب میں کرناتک پہنچا تو اُس نے دھوکا دیا۔ میری رفاقت چھوڑ دی، کرنول جا کر وہاں کے نواب کا ملازم ہو گیا، اور بہت خوش و خرم رہا۔ حال میں میں نے سنا کہ وہ مسلمان ہو کر وہیں کے کسی بھرزادے کا مرید ہو گیا تھا، پھر کسی سوداوی بیماری میں مبتلا ہو کر انتقال کیا۔ خدا اُس کی مغفرت کرے۔ فکر شعر خوب کرتا تھا، اور مکتوبات میں منشیانہ عبارت لکھتا تھا۔ اس کے قصائد کا مجموعہ اور دیوان دونوں مرتب تھے۔ مگر عروض میں معذور تھا، اشعار میں اکثر حرف عین تقطیع سے گرجاتا تھا۔ اُس کے اور اس کے باپ بھائی کے چند اشعار یادگار کی طور پر لکھے جاتے ہیں۔

اس کے باپ کا تخلص مؤبد تھا۔ ہماری جدۂ عالیہ نواب عفت آرا بیگم صاحبہ کی سرکار میں دیوانی کی خدمت پر سرفراز تھا، اور فکر شعر میں بہت بلند پایہ رکھتا تھا۔

راے ٹیکارام کشمیری متخلص بہ ظفر کا کلام

مرازدیدۂ ودل پائے در گل افتعاد است
زدست دیدۂ گہے، گاہ از دل افتعاد است

بکوی یار مرا طرفہ مشکل افتعاد است
بہر کجا کہ قدم می نہم دل افتعاد است

بیک نکاہ تو ان کرد چارۂ کارم
کہ دل ز نیم نکاہ تو بسمل افتعاد است

رباعی:

حیران تماشائے ظہورِ خویشم
چون مهر حجابِ خود ز نورِ خویشم
هرگز بغمِ وِالم نباشد سروکار
منِ والے جلوۂ سرورِ خویشم

گر خشک لبے، چشم ترے داشته باشد
پس نفلِ محبتِ ثمرے داشته باشد

زاهد ز خری بار بکفر بست و سبک شد
پیدا است کہ در بار چه خرداشته باشد

داجہ دیارام "لوشاء" کا کلام

رباعی:

عاصی چه شود واقف اسرارِ نِہان
سازاشکِ ندامت از دیدہ روان
زاهد بفرور زهد نازد بھجا است
بہتر زین طاعت، انفعالِ عصیان

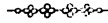
مؤبد کا کلام

در حریمِ کعبۂ و بت خانہ تابان است شمع
فارغ از ہم دو رنگ کفر و ایمان است شمع
بزمِ دل مؤبد ز انوارِ تجلی روشن است
من نسی دانم کہ ہندو یا مسلمان است شمع

یہ کلام بھی اسی کا ہے:

صاحبِ تدبیرِ ناقابوے وقت - باہں پیشِ دشمنِ جانی خموش
آبِش از تدبیرِ حکمتِ مؤبد ا - آبِ را درِ دیگِ می آرد بچوہ

از اہل کمال مردم کشمیر اند - این قوم نجیب موبدا ہے پیراند
جز عقل بہ اہل عقل پیرے نبود - در خطہ عقل این جوانان پیراند



پھر ہم اپنے مقصد کی طرف رجوع ہوتے ہیں

اس دیار کے بعض چھوٹے بڑے احباب اور عزیزوں نے جو اردو زبان کو مصبوب رکھتے ہیں، مگر اس کی بول چال میں غلطیاں کرتے ہیں۔ مجھ سے بہت اصرار کیا کہ ایک ایسا دیوان مرتب کیا جائے جس میں اس زبان کے استعارے، کنایے، اصطلاحیں اور بیگماتی الفاظ کا کافی ذخیرہ ہو۔ اس لئے میں نے اس دیوان کی ترتیب شروع کر دی ہے۔ نمونے کی طور پر چند غزلیں اس نئے دیوان سے اس مختصر کتاب میں لکھتا ہوں۔ مگر یہ مضامین مہرے قدیم دیوان کے برخلاف ہیں۔

۱- مذکورہ تالیفات کے سوا ایک دیوان اور بھی تھا، جس میں مہرے فارسی، ترکی اور ریختہ (اردو) کی غزلیں تھیں۔ یہ میں نے قلعہ مبارک کی قہد کے زمانے میں مرتب اور جمع کیا تھا۔

۱۱- اور یہیں ایک رسالہ فن شعر کے اصول میں تالیف کیا تھا۔ جس کا نام عروض زادہ ہے۔

۱۲- ایک رسالہ طب میں فوائد الاطفال نامی ہے۔

۱۳- ایک رسالہ آمد نامی کی طرز پر ”فوائد البتدی“ نامی ہے، ان کے علاوہ اردو زبان میں اور چند رسالے زیر تالیف اور ہلوز ناتمام ہیں۔*

* اس کے بعد مرزا اٹھری نے ”راتم کے جدید دیوان کا انتظاب“ کا عنوان قائم کر کے دیوان کا انتظاب دیا ہے، جو ساٹھ صفحات میں ہے۔ اور جس میں تقریباً ۱۱۲ غزلیں ہیں۔ اس کو ہم نے الگ مقدمے کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ اور اس کے تمام حل طلب الفاظ اور معاورات پر حواشی لکھے ہیں۔ یونیورسٹی کی طرف سے الگ شائع ہونے والا ہے۔

۱۰ سنہ ایک ہزار دو سو اکیس ہجری تک ہم نے اپنے حالات اور واقعات
مجمعل طور پر حوالہ قلم کر دیے ہیں۔ مگر آجکل کچھ ایسی باطلی
پراگندگی اور ظاہری پریشانی، ایسی افسردہ دلی اور ملال خاطر سے
سابقہ ہے کہ تصنیف و تالیف کے تمام خیالات طاق نسیاں پر رکھ دینا
پڑے ہیں۔ اگر غیبی تائید نے ہاتھ تھامنا، آرزوں اور امیدوں کے محبوب
نے اپنا چہرہ زیبا دکھایا، اور مستعار زندگی نے کچھ دنوں اور وفا کی تو ان
اجمالی واقعات کو مزید باقی حالات کے ساتھ ذرا پھیلا کر لکھو تا۔

”تمّ هذا الكتاب بعون الملك الوهاب“۔

قاریا برمن مکن قہر و عتاب - گر خطاے رفعتہ باشد در کتاب



ضمیمہ

ذیل میں اظہری اور اُن کے بعض اعزہ کے متعلق اور چند واقعات لکھے جاتے ہیں ' جو "سوانحیات ممتاز" کے مصنف نے نواب عظیم الدولہ کے زمانہ ریاست کے سلسلہ حالات میں لکھے ہیں۔ یہاں واقعات اظہری کی تصنیف کے بعد کے ہیں۔ ان کے علاوہ اور حالات کا پتلا نہیں چلتا۔ (مصری)

چند روز کے بعد سلسلہ ۱۲۱۶ء میں، نواب عظیم الدولہ بہادر کے زمانے (سلسلہ ۱۲۱۶ء تا سنہ ۱۲۳۳ء) میں میرزا علی بخت اظہری نے اپنے حقیقی چھوٹے بھائی مرزا جلال الدین بہادر سے ملنے کے لئے لکھنؤ جانے کا عزم کیا۔ اور نواب عظیم الدولہ کے توسل سے گورنر مدراس سے دو سال کی رخصت حاصل کی۔ اپنے قبائل کو مدراس ہی میں چھوڑ کر سمندر کی راہ سے کلکتے پہنچے۔ وہاں یہ خبر پائی کہ میرزا جلال الدین بہادر اپنے چھوٹے بیٹے میرزا ایوب بخت کے ساتھ مرشدآباد پہنچ چکے ہیں۔ میرزا علی بخت بہادر گورنر کلکتہ سے رخصت و اجازت لیکر مرشدآباد آئے اور اپنے بھائی سے ملے۔ مگر چند روز بعد ہی میرزا جلال الدین نے ابلٹ سرطان کے مہلک مرض میں مبتلا ہو کر وہیں بقلمائے الہی رحلت کی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ میرزا علی بخت بہادر نے اپنے بھتیجے میرزا ایوب بخت کو پدرانہ شفقت اور توجہ کے ساتھ اپنے پاس رکھا۔ فاتحہ چہلم تک مرشدآباد میں رہے۔ فاتحہ کے بعد بھتیجے کو لیکر جہاز پر سوار ہوئے اور مع النصیر مدراس واپس پہنچے۔

دوسرے دن بلندگان عالی نواب عظیم الدولہ بہادر امپراہند والاجاہ ثالث کے حضور میں اپنی اور اپنے بھتیجے کی ملاقات کے لئے التماس کی۔ بلندگان عالی نے حکم فرمایا کہ "میں خود مشتاق ملاقات ہوں۔" پھر ایک روز علامہ الدولہ حافظ احمد خاں بہادر کو اُن کی خدمت میں بھیجکر طلب فرمایا۔ ملاقات سے بیحد مسرور ہوئے، اور اپنی عنایت بے نہایت سے چار سو روپیہ ناہوار کپہلی (حکومت انگریزی) سے بطریق مدد خرچ میرزا ایوب بخت بہادر کے نام جاری کرادیا، اور ہمیشہ اُن کے حال پر اشفاق و عنایات مہذول رکھتے تھے۔ اسی طرح تقدس مآب حضرت نواب بیگم صاحبہ قبلہ میرزا سیاہوں بخت بہادر اور میرزا علی بخت بہادر کی بیگمات کو اپنے محل

خاص میں نہایت تکریم کے ساتھ طلب فرما کر اپنی ملاقات سے ممنون فرماتی تھیں۔ اور ہر ایک کے ساتھ بیحد سلوک و مراعات ملحوظ رکھتی تھیں۔

سنہ ۱۲۱۹ھ میں نواب اعظم جاہ بہادر فتحوالامراء (سنہ ۱۲۳۳ تا سنہ ۱۲۳۴ھ) کے زمانے ریاست میں میہرزا ایزد بخش نے انتقال کیا۔ اس وقت ان کے بڑے بھائی میہرزا الہی بخش بہادر شاہزادہ عالی مرتبت، والا ملزلت لکھنؤ میں تشریف رکھتے تھے، جو خلق و مروت میں ممتاز زمانہ اور اخلاق و محبت میں فخر روزگار تھے۔ وہ اپنے مرحوم بھائی کی خبر موت سن کر مدھراس پہنچے۔ نواب اعظم جاہ کی ملاقات سے سرفراز و کامیاب ہوئے۔ نواب صاحب معزالیہ نے گورنر کونسل میں سعی تبلیغ فرما کر، ان کے بھائی کی معاش، ان کے نام مقرر کرا دی۔ شاہزادہ معلے جمیع وجوہ سے بینکر اور بہت ممنون و شکرگزار ہوئے۔

چند سال کے بعد نواب صاحب والا مناقب عالی مرتبت حضرت عظیم جاہ بہادر کے زمان فیض توامان (سنہ ۱۲۳۱ تا سنہ ۱۲۵۸ھ) میں شاہزادہ الہی بخش موصوف اپنی والدہ ماجدہ کی قدم بوسی کے لئے ہازم لکھنؤ ہوئے۔ نواب صاحب مدوح کے ذریعے اور سفارش سے گورنر مدراس سے پانچ سال کی رخصت و اجازت حاصل کر کے جہاز پر سوار ہو کر روانہ ہوئے۔ اور اپنی والدہ محترمہ کی قدم بوسی کی ابدی سعادت و شرف حاصل کر کے دوستوں اور عزیزوں کی ملاقات سے مسرور ہوئے۔ پھر نواب اعظم جاہ کی محبت دلی کی کشش اور شفقت قلبی کی بدولت اپنی قرارداد کے موافق سنہ ۱۲۱۹ھ میں داخل مدراس ہوئے۔ میلاپور کے مکان میں اتر کر حضور میں اطلاع کرائی۔ دوسرے دن نواب اعظم جاہ نے نواب شرف الملک بہادر بخشی سرکار کو ان کی فرودگاہ پر روانہ کر کے شادی محل میں طلب کیا۔ عزت و تکریم اور توجہات قدیم کے ساتھ ملاقات فرمائی۔ دوسرے دن خون بھی ازراہ عنایت باردید کے لئے تشریف لے گئے اور شاہزادہ موصوف کو بہت زیادہ ملوں ملت کیا۔ تھوڑے عرصے میں مقررہ سابقہ معاش جاری کرا کر ساری بقایا تلخواہ بنی دلوادی۔ چند روز بعد نواب صاحب نے ایک شاندار حویلی جو سرکاری ملک اور دریا کے کنارے بڑے باغ کے متصل واقع تھی، آراستہ کرائی اور میہرزا الہی بخش بہادر کو

اُس حویلی میں ٹھہرایا۔ بہادر موصوف بہ آرام تام وہیں سکونت رکھتے
ہیں۔ الصد لہ۔

ایک عالم اس شاہزادہ عالی قدر کے حسن اخلاق کی توصیف میں
رطب اللسان ہے۔ کیونکہ درحقیقت اُن کی ذات مجسم خلق و مروت ہے۔
خاصکر اس شاہزادہ بلند وقار کی عنایتیں اور برادرانہ شفقتیں اِس
ذیوہ بہمقدار کے حال پر ہمیشہ مبذول دہتی ہیں جو تحریر و تقریر سے
خارج ہیں۔



FOREWORD



THE memoirs of the Mughal Prince Mirza Zahirud-Din Ali Bakht Azfari, popularly known as Waqiat-I-Azfari, present a vivid picture of life in the eastern and southern regions of India at the end of the eighteenth century.

Azfari fled from Delhi after witnessing there the monstrous atrocities of Ghulam Qadir Rohilla, passed through the native states of Central India, and reached Lucknow during the reign of Nawwab Asafud-Dawla. Thence he journeyed to Murshidabad and Calcutta, proceeding through Assam and Bengal. He went from Calcutta to Madras traversing Northern Circars and Andhra Desa. At Madras he was received by Nawwab Umdatul Umara Bahadur Walajah II, who treated him with great respect. Azfari finally settled down in Madras.

His "Waqiat-I-Azfari" gives a graphic account of the savage enormities of Ghulam Qadir Rohilla, and contains many interesting details concerning the social customs and manners of peoples with whom he came in contact in the course of his journey, and also an account of contemporary court life in Madras.

The Urdu translation of the Persian M. S. was originally done by a research student of the Department; the Junior Lecturer in Urdu has revised it and the volume now published by the University is in the revised form.

LONDON,
17th April, 1937. }

S. MUHAMMAD HUSSAIN NAINAR.



WAQIAT-I-AZFARI



MUHAMMAD HUSAIN MAHVI SIDDIQI
